خطباتِ
عشقِ مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم
کے روح پرور مناظر
و
ایمان افروز واقعات
اے. بی مجاہد
جیلانی بکڈپو
۱۲۲۹، چوڑی والان
جامع مسجد دہلی

نام کتاب	عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مرتب	اے بی مجاہد
باہتمام	(الحاج) مشکور احمد اشرفی
اشاعت اول	اپریل ۲۰۰۸ء
تعداد	۱۱۰۰
ناشر	جیلانی بکڈپو 523 مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔۶

ملنے کے پتے

محمدی بکڈپو 523 مٹیا محل جامع مسجد دہلی۔۶

عرشی ساڑی سینٹر منڈی میر عالم پتھر گھٹی حیدرآباد اے۔پی

شیخ محمد عثمان اینڈ سنس سرینگر

فہرست

خطبات عشق مصطفےٰ کے تعلق سے

سرورانبیاء احمد مجتبیٰ حبیب خدا حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ سید المرسلین، راحت العاشقین، شفیع المذنبین رحمت للعالمین تاجدار مدینہ، راحت قلب وسینہ کی سیرت پاک پہ لکھنے کیلئے ڈگریوں سے زیادہ عقیدت، سطحی علم سے زیادہ عشق، کتابی علم سے زیادہ جذب دروں، عقلی میزان سے زیاد محبت کے پیانے درکار ہوتے ہیں۔ عقل وخرد، فلسفہ وتنقید کا یہاں دخل نہیں۔ عقل وخرد اور عشق ومحبت دو الگ الگ معیار ہیں۔ اور ان کے راستے جدا جدا ہیں۔ عظمت مصطفےٰ ﷺ ذہنی اور عقلی سوچ سے ماورا ہے۔ وہاں ذہن کی رسائی نہیں یہاں تو عشق بلال اور محبت اویس قرنی چاہیئے۔ یہاں تو سوز وساز رومی درکار ہے۔ یہاں تو تڑپ ولسک جنید چاہیئے۔ یہاں تو ایسا ایمان چاہیئے کہ

اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی
جیسے میری سرکار ہیں ایسا نہیں کوئی

فاضل مؤلف ومرتب نے اسی عشق ومحبت کے اظہار اور عقیدت ومحبت کے جذبے سے یہ واقعات اکٹھے ہیں اسی جذبے کی بدولت ان کی تحریر میں چاشنی جاذبیت اور تاثیر واثر پذیری آگئی ہے۔ ورنہ خود ان کو اعتراف ہے۔

نہ یارائے سخن سنجی نہ دعوائے زبان دانی
اگر کچھ پاس ہے تو بس عقیدت کی فراوانی

یہ کتاب طالبان عشق کو سامان تربیت، عشق کے مبتدی کے جذبۂ عشق کو صیقل کرنے اس میں مزید گہرائی، گیرائی اور پختگی پیدا کرنے کا موجب بنے گی۔ خدا کرے یہ کاوش یہ سعی بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں قبولیت کی سند پائے اور نجات اخروی کا ذریعہ بنے۔ یہی میرا مدعا اور مرتب کا مقصود ہے۔

تیرے اوصاف کا اک باب بھی پورا نہ ہوا
زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے

صدف اشرفی

ابتدائیہ

سب تعریفیں اُس ذات کے لئے جو رحمان بھی ہے اور رحیم بھی، سب عبادتیں اور سجدے اُسی کو لائق جو معبود بھی ہے اور مسجود بھی۔

حمد اُس کی جو قدیم ہے اور کارساز ہے	نعت اُس کی جو کریم ہے بے کس نواز ہے
حمد اُس کی جو جہاں کا ہے پروردگار بھی	نعت اُس کی جو ہے حاصلِ لیل ونہار بھی
حمد اُس کی جو جلیل بھی ہے اور قدیر بھی	نعت اُس کی جو بشیر ہے اور نذیر بھی
جس کا نہیں شریک وہ رَبّ غفور ہے	جس کی نہیں مثال وہ ذاتِ حضور ہے

بے شک افضل الذکر ذکر الٰہی، تمام تعریفیں اور عظمتیں اُسی ذاتِ واحد ویکتا کو سزاوار لیکن لا الہ الا اللہ کہتے رہیں محمد الرسول اللہ نہ کہیں نہ کلمہ مکمل نہ ایمان مکمل۔ تمام مخلوقات ذکر الٰہی میں ہمہ وقت مصروف لیکن اِک ذکر ذات باری تعالیٰ بھی کرتی ہے اور وہ ہے

اِنَّ اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنو
صلّو علیہ وسلِمو تسلیما

یہ حقیقت پایہ ثبوت کو پہنچی کہ ذکر وثنائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبادت ہے یہ وظیفہ وسنت خداوندی ہے۔ باری تعالیٰ خود اپنے محبوب پہ درود وسلام بھیجتا ہے ملائک بھیجتے ہیں اور ہمیں بھی حکم دیا گیا کہ اے میرے بندو میرے محبوب پہ درود وسلام بھیجو اب جس ذات پہ خود خالق کائنات درود وسلام بھیجے اُس ذات کے مرتبہ ومقام کا عرفان بندے کے بس میں کہاں لیکن ہمیں ہر م محبوب رب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور درود وسلام کی سوغاتیں ہدیہ کرنی چاہیئے یہ ایسی عبادت ہے جو قبول ہی قبول ہے۔

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں
بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

بھیجے درود جو شہ دیں کی جناب میں
ممکن نہیں وہ رہے غم و اضطراب میں
دونوں جہاں کی نعمتیں قدموں میں آئیں گی
آجاؤ بارگاہِ رسالتمآب میں
بھیجی تھیں درود کی کچھ عابدؔ نے ڈالیاں
آئیں ہزار رحمتیں اُس کے جواب میں

درود رحمتِ حق کا نزول ہوتا ہے
بھیجو درود کہ ذکر رسول ہوتا ہے
مومنو چلو مدینے کی زیارت کے لئے
وہاں کے دہر کا کانٹا بھی پھول ہوتا ہے

پھر فرمان خداوندی ہے

وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَكَ

ہم نے تیرا ذکر تیرے لئے بلند فرمادیا

خود باری تعالیٰ خالق ارض وسماوات جس کا ذکر بلند فرمادے اُس ذکر کو کون گھٹا سکتا ہے کیا ملائکہ، کیا شجر وحجر سب ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں مگن رہتے ہیں یہ ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تا قیام قیامت نہیں بلکہ بعد از قیامت بھی جاری وساری رہے گا یہاں تک کہ موت کو بھی موت آجائے گی لیکن ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تو حیی قیوم ہے وہ قائم ودائم ذات ہے اُسے فنا یا موت

نہیں تو پھر ثابت ہوا کہ ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زمان و مکان کا پابند نہیں قیامت آئے گی دنیا مٹ جائے گی کائنات الٹ پلٹ اور تہس نہس ہو جائے گی پہاڑ روئی کے گالے بن کے اڑ جائیں گے چاند ستارے دن رات کا وجود ختم ہو جائے گا لیکن میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے زمزمے گونجتے رہیں گے ذکر بلند کرنے والا جو باقی رہے گا۔

اِک خالقِ کائنات ہے تو اِک مالکِ کائنات
اِک جانِ کائنات ہے تو اِک وجہ کائنات

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کہ آں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

پھر اللہ تعالیٰ کی عطاؤں، بخششوں، رحمتوں کی ایک حد ہے عطا کرنے کا اِک پیمانہ ہوتا ہے۔ کہیں نہ کہیں وہ حد ختم ہو جاتی ہے مثلاً کوئی شخص نیکی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں بدلے میں دس نیکیوں کا اجر دوں گا ہر پیمانے کا اِک اخیر ہوتا ہے لیکن جب اپنے محبوب خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی باری آئی تو فرمانِ خداوندی کہ تمام حدوں کو اٹھا دونگا تمام ناپ تول کے پیمانے توڑ دونگا اور عطا کرتا ہی جاؤں گا یہاں تک کہ تو اے محبوب خوش ہو جائے

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ

اے محبوب ہم اتنا عطا کریں گے کہ تو راضی ہو جائے گا

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم، رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضائل و کمالات عطا فرمائے ہیں وہ تعداد میں اتنے کثیر ہیں کہ اُن کا احاطہ کرنا ممکن ہی نہیں گمان و اذہان میں آ سکتا ہی نہیں

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ

آپ کے لئے بعد کی ہر گھڑی سابقہ گھڑی سے بہتر ہے یعنی ہر ساعت اور ہر لمحہ آپ کے درجات میں اضافے اور بلندی کا آئینہ دار ہے۔

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

اے نبی مکرم آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف انسانی بس میں کہاں، قلم کے احاطے میں کہاں، ذہن نارسا کی وہاں تک رسائی کہاں بس یہ توفیق خداوندی ہے اور ہم جو کچھ بھی اِس تعریف میں حصہ ڈالیں وہ بس زلیخا والی اٹی کا معاملہ ہے اگر قبول ہو جائے تو نجات و مغفرت کا سامان بن جائے۔

رسولِ مجتبیٰ کہیے محمد مصطفیٰ کہیے
خدا کے بعد بس وہ ہیں اس کے بعد کیا کہیے

ورنہ مجھ ناچیز حقیر پر تقصیر کی ہمت اور بس میں کہاں کہ اُس ذات والا صفات پر قلم اٹھائے۔ سچ ہے

مجھ میں اُن کی ثنا کا سلیقہ کہاں

میرا منہ اور سرکارِ مدینہ کی ثنا خوانی
مجھ کو معلوم ہے اپنے سخن کی تنگ دامانی
نہ یارائے سخن سنجی نہ دعوائے زبان دانی
اگر کچھ پاس ہے تو بس عقیدت کی فراوانی

کیا جانے کوئی عظمت و رفعت رسول کی
اللہ ہی جانتا ہے حقیقت رسول کی

میں نے مدتوں نقابت کی۔ عام طور پر نقیب حضرات لفاظی اور شعروں کا سہارا لیتے ہیں لیکن میرا طریق اپنا تھا میں ہمیشہ قرآن مجید کی کوئی آیت کوئی حدیث یا سیرتِ نبوی اور تاریخِ اسلام سے کوئی مستند واقعہ بیان کرتا اور اُسی مناسبت سے کوئی شعر کہتا۔ لوگوں کو میرا یہ انداز پسند آیا۔ دُور دُور تک لوگ محافلِ نعت یا میلاد پاک کی نقابت کے لئے مجھے بلانے لگے بس یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی نظرِ کرم تھی کہ زبان میں تاثیر آتی گئی اور لوگوں میں پذیرائی و مقبولیت ملتی گئی ورنہ میں کہاں اور میری بساط کہاں

دوسری بات یہ کہ میں نے کبھی اِس نقابت کو مالی منفعت یا حصولِ زر کے لئے استعمال نہ کیا اپنے خرچے پہ جاتا تھا اور اپنے خرچے پہ واپس آتا تھا بلکہ اپنی جیب سے محافل میں کچھ خرچ بھی کرتا تھا یہ نہیں کہ میں اِس کمائی کو ناجائز سمجھتا تھا جن کے وسائل نہ ہوں اُن کی خدمت ضرور کرنی چاہیئے تاکہ فکرِ معاش اور غمِ روزگار سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو ثناء خوانی مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف رکھیں ہاں یہ ضرور ہے کہ دین کو اور ثناخوانی کو کسبِ زر کے لئے مخصوص نہ کرلیں یہ تو دین کو بیچنے والی بات ہوئی عبادت نہ ہوئی اور اس کے لئے سخت تنبیہہ آئی ہے یہ جو لوگ مک مکا کر کے پانچ دس ہزار میں بات طے کر کے گھر سے چلتے ہیں میرے خیال کے مطابق یہ غلط ہے۔ ہمارے مقرر خطیب اور نعت خواں اِس غلط روش کا شکار ضرور ہو گئے ہیں یہ پہلے سے طے کرنا صحیح نہیں ہے ہاں کوئی خوشی سے خدمت کر دیتا ہے تو یہ لینا منع بھی نہیں۔ لوگ مجھے بھی کہتے تھے کہ آپ بھی لیا کریں میرا جواب ہوتا تھا کہ میں اسے ناجائز اور حرام بھی نہیں سمجھتا لیکن میرا جواب ہوتا ابھی تو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری ضرورتوں سے زیادہ مجھے دے رہا ہے تو میں یہ لالچ کیوں کروں پھر میں بھی لالچ اور طمع کا شکار ہو جاؤں گا اور یہ دولت اور پیسوں کا لالچ ایسا ہے کہ اِس کی کوئی حد نہیں میرے مشاہدہ میں آیا ہے کہ محفل کا نظام کار نقیب کے ہاتھ میں ہوتا ہے اُسی نے محفل کو ایک ترتیب کے ساتھ وقت کے ضابطے میں لانا ہوتا ہے ہر نعت خواں کو وقت دینا ہوتا ہے لیکن دیکھا یہ گیا کہ نعت خوان کی نظر پیسوں پہ ہوتی جب تک پیسے آرہے ہیں وہ مائک سے ہٹتا نہیں آپ لاکھ اشاروں کنایوں سے سمجھائیں وہ مائک کو چھوڑتا نہیں اب آپ اُس سے مائک چھیننے سے تو رہے اِس طرح پروگرام کی ترتیب اور نظام الاوقات بری طرح متاثر ہوتا ہے، اور پروگرام طویل ہو جاتا ہے اور لوگوں کو گراں گزرتا ہے۔

پھر نعت کی اِک اپنی لَے سُر اور انداز ہے۔ اِسے انڈین فلموں کی طرز پہ گانا نعت کو زیب نہیں دیتا۔

نعت لکھنا بھی دودھاری تلوار پہ چلنے کے مترادف ہے شاعر کو افراط اور تفریط کا شکار نہیں ہونا چاہیئے بعض اوقات شاعر حضرات اِن حدود سے متجاوز ہو جاتے ہیں ۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "مجھے ایسا نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابنِ مریم کو بڑھایا پس سن لو میں اُس کا برگزیدہ بندہ اور اُس کا رسول ہوں"۔

یہ جو نوٹ نچھاور کرنے کا انداز ہے ایک آدمی آ کے نعت خواں پہ کافی دیر تک نوٹ پھینکتا رہتا ہے یہ بھی ایسی محافل کے آداب اور تقدس کے خلاف ہے۔ نعت کی محفل بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سجائی جاتی ہے یہاں تو

ادب گا ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر

نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اِس طرح کا انداز زیب نہیں دیتا اِس میں دکھاوا نمائش اور طفلانہ طرز کا دخل ہوتا ہے لوگ نعت خوانوں اور مقرر حضرات کی خدمت ضرور کریں لیکن شایانِ شان اور باوقار طریقے سے میں لوگوں کو ایسے انداز سے منع کرتا تھا لیکن نعت خواں حضرات بُرا مناتے تھے اُن کا استدلال ہوتا تھا کہ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی "ویلاں" ہیں اب اِسے کیا کہیں تاویلیں اور توجیہات تو بہت گھڑ لی جاتی ہیں افسوس تو یہ ہے کہ رسم غلط کو کوئی غلط نہیں کہتا۔ ہر کوئی مفادات کا بندہ بن جاتا ہے مگر اپنی تو عادت ہے کہ زہر ہلاہل کو قند نہیں کہہ سکتے جو خلاف تقدس و احترام مجلس ہے وہ غلط ہے۔ یہی پیسے نہایت ادب سے سٹیج پہ رکھے جا سکتے ہیں یا کسی بزرگ ہستی جو سٹیج پر موجود ہو اُس کی وساطت سے دیئے جائیں تو کتنے بھلے لگیں۔ یہ باتیں درمیان میں نقابت کے تجربے سے آ گئیں پتہ نہیں یہاں موزوں بھی تھیں یا نہیں۔

میں نے نقابت کو ایک فن کی حیثیت سے اپنایا جہاں جاتا تیاری کر کے جاتا اِس ضمن میں مطالعہ اور تحقیق کی عادت ہوتی گئی قرآن و حدیث، تفسیر، سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، تاریخِ اسلام اور صحابہ کرام کے حالات زندگی میرے موضوعِ مطالعہ رہے میں اُن کے مختصرات (Notes) لیتا تھا

اور ایک بیاض میں منضبط اور تحریر میں لاتا تھا اس کے دو فائدے ہوتے تھے اک تو نکات محفوظ ہو جاتے تھے اور دوسرے تحریری صورت کی وجہ سے بوقت ضرورت حافظے میں اُن کا اعادہ کیا جا سکتا تھا میں جب کبھی کسی محفل میں جا۔ تو وہ بیاض ساتھ رکھتا۔ کچھ اہل علم دوستوں کی اُس پہ نظر پڑی تو وہ انہیں پھیلا کے ادبی صورت دے کر کتابی صورت میں لانے کی سفارش کرتے۔ مجھے بھی یہ خیال خوبصورت اور اِس دلیل میں وزن لگا میں نے کام شروع کیا لیکن کچھ کام کرنے کے بعد روایتی سستی، کاہلی اور مصروفیات آڑے آئیں اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ کچھ ریڑھ کی ہڈی میں چوتھے اور پانچویں مہرے میں نقص آ گیا۔ چلنا، کھڑا ہونا سخت جگہ پہ بیٹھنا محال ہو گیا سخت تکلیف ہوتی اِس طرح نقابت کا سلسلہ بھی چھوٹ گیا۔ ڈاکٹروں کے چکروں میں پڑ گیا اُن کی بتائی احتیاطیں اور پیش بندیاں مثلاً زیادہ نہیں چلنا تادیر کھڑے نہیں ہونا جھک کے کوئی چیز نہیں اٹھانا سخت جگہ پہ نہیں بیٹھنا ڈاکٹروں کی ہدایات نے زندگی اجیرن کر دی۔ حج کے فریضے کی ادائیگی کا شدت سے احساس تھا لیکن اپنی بیماری اور بے پناہ رش کے خوف سے ارادہ توڑ دیتا۔ آخر ایک دن شریک حیات۔ نے کہا کہ اگر آپ عازم حج نہیں ہوتے تو ہم بھی حج کی سعادت سے محروم رہیں گے کہ ہم تو محرم کے بغیر حج کر ہی نہیں سکتے یہ بات میرے متزلزل حوصلوں پہ تازیانہ بن کے لگی میں نے بیگم سے کہا کہ اس سال آپ تیاری رکھیں چاہے کچھ بھی ہو اس سال ہم فریضہ حج ضرور ادا کریں گے۔ تیاری شروع کر دی درخواست جمع کروائی اللہ تعالیٰ کا کرم اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اذنِ باریابی ملا درخواست منظور ہوئی اور 2005ء میں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے حج کے سفر اور مناسک حج کی ادائیگی ڈائری میں تاریخ وار لکھی اور اپنے مشاہدات بھی قلمبند کئے اپنی وارداتِ قلبی، مشاہدات و محسوسات کو بھی قلم بند کرنا چاہتا ہوں یہ کوئی باقاعدہ سفر نامہ نہ ہوگا کیونکہ سفر نامے پہلے ہی مارکیٹ میں بہت آ چکے ہیں یہ صرف میرے اپنے محسوسات اور وارداتِ قلبی کا برملا اور بے لاگ اظہار ہوگا شرط یہ ہے کہ اگر توفیقِ خداوندی میسر آ جائے اذنِ تحریر عطا ہو جائے زندگی وفا کرے اور وقت دستیاب ہو۔ حج سے پہلے میں اپنے معالج پروفیسر راجہ افتخار علی

نیورو سرجن سے ملا اور کچھ ہنگامی ادویات لکھوانا چاہیں انہیں بتایا کہ میں حج پر جا رہا ہوں مجھے کچھ مشورے عنایت فرمائے جائیں اور کچھ ضروری ادویات جو میں ساتھ لے جاؤں تحریر فرما دی جائیں وہ قلم منہ میں دبا کے سوچنے لگ گئے جب کافی دیر گزر گئی حالانکہ کثیر تعداد میں مریض انتظار میں تھے۔ میں نے یاد دلایا ڈاکٹر صاحب آپ کس سوچ میں پڑ گئے باہر مریضوں کی لمبی قطار ہاری کے انتظار میں ہے تو وہ سوچ سے باہر آئے اور فرمانے لگے مجاہد صاحب آپ عرصہ دراز سے میرے زیر علاج ہیں ڈاکٹر سے بہتر مریض کی بیماری کے بارے میں کوئی نہیں جانتا میں سوچ رہا ہوں کہ حج کا عمل تو جفاکشی، دوڑ دھوپ، سعی وجد و جہد کا طالب ہے جب کہ آپ کا مرض ایسا ہے کہ آپ کو یہ چیزیں سخت منع ہیں میں آپ کو روک بھی نہیں سکتا کہ یہ ایک دینی فریضہ ہے لیکن دوڑ دھوپ کا عمل آپ کو ایسی صورت حال سے دوچار بھی کر سکتا ہے کہ شاید پھر اس کا چارہ اور علاج ممکن نہ رہے اور کوئی مداوا نہ ہو سکے۔ میں نے یہ باتیں بغور سننے کے بعد عرض کیا ڈاکٹر صاحب! ناگہانی صورتِ حال میں موت ہی آنی ہے میں اس کے لئے تیار ہوں میری خوش بختی ہو گی اگر مجھے دیارِ حرم اور دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں موت آ جائے۔ بقول شاعر

قبر بندی مدینے وچ

مرن دا تاں مزا آوندا

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اگر یہ بات ہے یہ عزم وحوصلہ ہے تو میں آپ کو ایمرجنسی ادویات لکھ دیتا ہوں لیکن مجھے یقین کامل ہے کہ آپ کو کچھ نہیں ہوگا اور واقعی ایسا ہی ہوا وہاں ادویات کے استعمال کی نوبت ہی نہ آئی۔ بھاگ دوڑ بھی رہی اترائی چڑھائی بھی رہی حرم شریف میں گھنٹوں فرش پہ بھی بیٹھے رہے لیکن یوں لگا جیسے کوئی مرض تھا ہی نہیں۔

میں حج کر کے واپس لوٹ آیا اور ابھی تک زندگی کی نعمت سے بار یاب ہوں لیکن میرے معالج پروفیسر صاحب ملتان میں فضائی حادثے کا شکار ہو کر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے اسے کہتے ہیں دنیا کی بے ثباتی کون پہلے کون بعد میں یہ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذات کے کون جانتا ہے موت کا وقت اور

فیصلے اُس نے اپنے پاس رکھے ہیں لیکن موت اِک حقیقت ہے اس سے مفر نہیں

میرے ایک دوست بشیر احمد شاد اک مدت سے سعودی عرب میں مقیم ہیں بن لادن کمپنی میں کام کرتے ہیں حج کے دنوں میں وہ باب عبدالعزیز کے سامنے اِک بہت بڑی زیر تعمیر بلڈنگ میں کام کرتے تھے حج کی ادائیگی میں انہوں نے بہت زیادہ مدد اور خدمت کی اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں بیس بیس میل انہوں نے مجھے ویل چیئر (Wheel Chair) سے اٹھنے ہی نہیں دیا انہوں نے دس بارہ حج کر رکھے ہیں میرا تجربہ ہے اگر وہاں مقیم کوئی دوست آپ کے ہمراہ ہو تو حج کا مزہ ہی کچھ اور ہے سارے مناسک بالکل صحیح اَدا ہوتے ہیں یہ کلمات اُس دوست کو ہدیہ سپاس ہیں

تقریباً ایک ماہ سے کچھ اوپر مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ مناسک حج کی ادائیگی، طواف، عمرے، زیارات حرم شریف میں نمازوں کی باجماعت ادائیگی یہ روزانہ کا معمول رہا۔ پھر آخری آٹھ دن مدینہ منورہ میں چالیس نمازوں کی ادائیگی کے لئے قیام رہا۔ یہاں معمول، نمازوں کی باجماعت ادائیگی، روضہ اقدس کی حاضری گنبد خضریٰ کو تکتے رہنا۔ مدینہ منورہ کی گلیاں مدینہ منورہ کے اردگرد کی زیارات سے مشرف ہونا یہ لمحے بھی حاصل زندگی تھے ہر زیارت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا کوئی نہ کوئی واقعہ وابستہ اور متعلقہ ہے جن کی زیارت سے قلب و روح منور ہو جاتے ہیں اور انسان تاریخ اسلام میں کھو سا جاتا ہے۔

دیکھ کے جس کو جی نہیں بھرتا شہر مدینہ ایسا ہے
آنکھوں کو جو ٹھنڈک بخشے گنبد خضرا ایسا ہے
میں بھی چوم کے آج ہوں آیا اُن مہکتی گلیوں کو
جو کچھ دیکھا اُن گلیوں میں کہیں نہ دیکھا ایسا ہے
ممبر پاک رسول بھی دیکھا، دیکھا خاص مصلیٰ بھی
حرم شریف کا ہر منظر ہی دل کو بھاتا ایسا ہے

-----X-----

دل یہ چاہے دیکھتے جائیں دل افروز نظاروں کو

شہر نبی کا ہر منظر ہی پیارا پیارا ایسا ہے

ہم مہمان بنے تھے اُس کے عرش پہ جو مہمان ہوا

کیوں نہ ہوں قسمت پر نازاں جن کا آقا ایسا ہے

واپس آئیں دل نہیں کرتا چھوڑ کے اُن کی چوکھٹ کو

جان بھی دے دیں حافظ در پر جی میں آتا ایسا ہے

10 فروری 2005 کو مدینہ منورہ تقریباً۔ 1 بجے دوپہر مکہ معظمہ سے بذریعہ بس روانگی ہوئی اور 9:00 بجے شام مدینہ منورہ پہنچے۔ مکہ معظمہ میں میرے روم میٹ محمد الیاس قادری تھے۔ میں، میری بیوی، الیاس قادری اور ان کی بیوی۔ کمرہ چار افراد کے لئے تھا۔ الیاس قادری چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ تھے نوجوان، چہرے پہ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم، پکے اور سچے عاشق رسول تھے حج بھی انہوں نے حج قران کیا (یہ سب سے افضل حج ہے اس میں حج اور عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھا جاتا ہے دس سے بارہ یعنی جب قربانی کر لی جائے پھر احرام اترتا ہے زیادہ تر حاجی، حج تمتع کرتے ہیں)۔ دعوت اسلامی سے تعلق تھا نوجوانی میں دین کی طرف جھکاؤ یہ کسی کسی کے حصے میں آتا ہے بہت بڑی بات ہے ''در جوانی توبہ کردن شیوہ پیغمبری'' نعت کا بھی اچھا ذوق رکھتے تھے۔ آواز بڑی خوبصورت، سریلی اور پھر سوز سے معمور پائی تھی جوں جوں مدینہ منورہ قریب آتا گیا۔ انہوں نے نعتوں سے ساری بس کو رلا دیا دل میں حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو۔ عشق رسول کا رنگ چڑھا ہو تو نعتوں مین تاثیر کیوں نہ آئے درود وسلام سے ساری بس گونج رہی تھی (حالانکہ بس میں مختلف مکتب فکر کے لوگ تھے) اور آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے نذرانے تھے مدینہ منورہ سے باہر چیک پوسٹ ہے۔ وہاں بس تقریباً ایک گھنٹہ کے لئے رکی جانچ پڑتال کے مراحل طے ہوئے عشاء کی نماز وہیں ادا کی اور پھر بس مدینہ منورہ کے شہر میں داخل ہوئی۔ گنبد خضریٰ پہ نظر پڑی تو اندر اک انقلاب آ گیا۔ دل کو راحت ملی آنکھوں کو طمانیت نصیب ہوئی

جب گنبد خضریٰ کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے

اور پھر

جب نظر گنبد خضریٰ پہ لگی ہوتی ہے
ہر طرف نور کی اِک چادر سی تنی ہوتی ہے
سمٹے ہوتے ہیں ترے در پہ زماں اور مکاں
نبضِ ہستی تیری محفل میں تھمی ہوتی ہے

بس نے پہلے بلڈنگ پہ اتارا ہماری رہائشی بلڈنگ مسجد بلال کی طرف تھی۔ سامان رکھنے کے بعد فوری مسجد نبوی اور روضہ اطہر کی طرف زیارت کو روانہ ہوئے زیادہ فاصلہ نہیں تھا لیکن مسجد نبوی بند ہو چکی تھی۔ مسجد نبوی عموماً عشاء کے بعد بند کر دی جاتی ہے۔ ہم بابِ جبریل والی طرف سے مسجد کے باہر گنبد خضریٰ کے دیدار میں محو رہے آنسوؤں کی راہ سے دل کی کدورت اور غبار بہہ گیا تو پھر وہیں باہر نوافل ادا کیے۔ رات بارہ ایک بجے بلڈنگ پہ واپس ہوئے تاکہ صبح کی نماز سے چالیس نمازوں کا آغاز کر سکیں چونکہ مدینہ منورہ میں قیام نمازوں کی تعداد تک محدود ہوتا ہے تقریباً دو اڑھائی بجے لیٹے۔ تہجد کے وقت مسجد نبوی پہنچنا تھا۔ رات گزر چکی تھی نیند کے غلبے کے خوف سے بے فکری کی نیند نہیں سونا چاہتے تھے بہر حال آنکھ لگ گئی غنودگی سی ہوئی اِسی عالم میں خواب آیا ایک نورانی شخصیت جس کا سراپا اور حلیہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا یہ لمحے محسوس کیے جا سکتے ہیں لفظوں کی قید میں نہیں آتے نمودار ہوئے اور فرمایا بھئی وہ تمہاری کتاب کا کیا بنا۔ دیدار خوب ہوا۔ تعارف کی نوبت نہیں آئی مدت ہوئی کتاب کا کام تو میں ٹھپ ہی کر چکا تھا۔ دورانِ سفر حج مجھے اس کا خیال تک نہ آیا یہاں مدینہ منورہ کی پہلی رات کے قیام میں اس خواب نے جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ ندامت ہوئی اپنی سستی اور کاہلی پہ اپنے آپ کو کوسا۔ تہجد اور صبح کی نماز کی ادائیگی کے بعد مواجہہ شریف کے سامنے جانے کا موقع مل گیا وہاں آنسوؤں کی برسات میں عہد کیا کہ گھر پہنچ کے سب

سے پہلے کتاب کی تکمیل پہ ساری کاوشیں صرف کر دوں گا۔ پھر بھی دو سال کا عرصہ لگ گیا بہر حال اب کتاب آپ کے سامنے ہے۔

خدا گواہ ہے خواب کا واقعہ میں نے کوئی زیب داستاں کے طور پر بیان نہیں کیا نہ اس سے اپنی وقعت یا کتاب کی اہمیت جتانا مقصود ہے۔ بندہ ناچیز تو غلام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہی تعارف کافی ہے

یہی اعزاز ہے میرا اسی پہ ناز کرتا ہوں
غلامِ مصطفیؐ ہونا ہی اب میرا حوالہ ہے

کتاب جو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے سیرت پہ لکھی جائے پھر اُس کے تعارف کی ضرورت باقی نہیں رہتی

کیا فکر کی جولانی کیا عرضِ ہنر مندی
توصیفِ پیغمبر ہے توفیقِ خداوندی

اس کتاب کی نگارش سے میری کوئی مالی منفعت بھی وابستہ نہیں کیونکہ

جتنا دیا سرکار نے مجھ کو اتنی میری اوقات نہیں

پہلے ہی مجھ پہ نوازشات واحسانات کا اتنا بار ہے کہ میں تو اس کا بھی حق اور شکر ادا نہیں کر سکتا اور نہ اس کتاب سے اپنا تعارف مقصود ہے وہ میں پہلے اوپر عرض کر چکا ہوں۔

بس یہی خواہش ہے کہ اذنِ تحریر تو عطا ہوا ہے اِس کتاب کو اذنِ باریابی وقبولیت بھی نصیب ہو جائے اور میرے لئے توشۂ آخرت اور مغفرت کا سامان بن جائے دامن نیک اعمال سے خالی ہے گزری زندگی پہ نظر ڈالتا ہوں تو تقصیرات سے پُر نظر آتی ہے احسانات کا حق ادا نہیں کر سکا شکرانے کے سجدوں میں کوتاہی ہوئی۔ اسوۂ حسنہ اور سنت کے مطابق زندگی نہیں گزار سکا لیکن پھر بھی

مانا کہ بے عمل ہوں نہایت برا ہوں میں
کتنے بڑے کریم کے در کا گدا ہوں میں

پھر باری تعالیٰ کے حضور بھی اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل دست بدعا ہوں یہ اعتراف کرتے ہوئے

تو رؤف ہے تو رحیم ہے میری لغزشوں پہ نظر نہ رکھ
تیری خو عطا میری خو خطا نہ یہ تجھ میں کم نہ یہ مجھ میں کم

میں نے اس موضوع کو کتاب کے لئے کیوں منتخب کیا اس کی چنداں وجوہات ہیں آج کے دور میں فتنہ وفساد کا چلن عام ہو گیا ہے۔ ہم نام کے مسلمان رہ گئے ہیں ہماری سوچوں کا انداز اور رخ بدل گیا ہے ایمان کمزور پڑ گئے ہیں۔ ایمان میں حلاوت اور حرارت نہیں رہی دل بنجر ہو گئے ہیں اور ویرانوں میں بدل گئے ہیں۔ مادیت ایمان ٹھہری ہے رشوت، بے ایمانی، جھوٹ، ملاوٹ، دغا فریب، عدم فرض شناسی ہماری نس نس میں رچ بس گئی ہے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ہمیں پاس نہیں معاملات کا خانہ بالکل خالی ہے اسی وجہ سے نہ ہماری نمازوں میں سرور ہے اور نہ ہماری دعاؤں میں اثر ہے

اذاں رہ گئی روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

ان تمام امراض کا علاج صرف اور صرف طریقِ عشق سے ممکن ہے اس کے سوا اور کوئی طریقہ موثر و کارگر نہیں۔ آج ہم میں صبر و برداشت کا فقدان ہے۔ رواداری، خیر خواہی، مسلمان بھائی کی مدد ونصرت ومعاونت مفقود ہو گئی ہے۔ ذرا سا بھی اختلاف گردن زدنی ٹھہرا ہے۔ اپنا نظریہ اپنی بات اپنا مسلک زبردستی ٹھونسنے کی عادت ہو گئی ہے کفر کے فتوے عام ہو گئے ہیں دوسرے فرقے کا فرد واجب القتل ٹھہرا ہے۔ فیصلے روز آخر کے لئے اللہ تعالیٰ پہ چھوڑنے کی بجائے ہم خود منصف بن بیٹھے ہیں۔ دوسرے مسلک کے فرد کی گردن کاٹنا جہاد ٹھہرا ہے۔ خودکش حملے خودکشی نہیں بلکہ شہادت ٹھہرے ہیں کوئی یتیم ہو کسی بے گناہ کی جان جائے۔ کسی خاندان کا واحد کفیل اور سہارا چھنے کسی کا سہاگ لٹے کوئی بیوہ ہو ہمیں پرواہ نہیں دل میں ذرا بھی جذبہ ترحم نہیں ابھرتا افسوس تو یہ ہے

کہ مسلمان، مسلمان کا گلا کاٹ رہا ہے فرقہ واریت کا ناسور امت مسلم کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔ امت مسلم کو کمزور اور ہماری وحدت کو پارہ پارہ کر رہا ہے حالانکہ یہ مسلم قوم کا طریق نہ تھا یہ ایک تلخ حقیقت ہے اور اس کی سنگینی کا کسی کو احساس تک نہیں ہم احساس زیاں سے عاری ہو گئے ہیں سچی بات ہے

میں کوئی مُلا نہیں مفتی نہیں قاضی بھی نہیں
مگر جو حالات ہیں اُن سے راضی بھی نہیں

بد قسمتی سے آج امت مسلمہ کئی دھڑوں میں بٹ گئی ہے وحدت کا فقدان نظر آ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ کاربند نہیں رہے۔ سیرت نبوی کا مطالعہ نہیں کرتے ہم اپنے ماضی، اپنے اسلاف کی شاندار روایات کو بھول گئے ہیں۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تو سراپا رحمت ہیں دشمنوں تک سے بدلہ نہیں لیتے۔ کانٹے بچھانے والوں کی عیادت کو چلے جاتے ہیں جادوگر اور ساحر کہنے والوں کا بوجھ اپنے کندھوں پہ اٹھا لیتے ہیں گالیاں دینے والوں تک کو دعائیں دیتے ہیں

کھا کے اغیار سے پتھر وہ دعا دیتے ہیں
رحمتِ عام کا پیغام سنا دیتے ہیں

حدیث پاک ہے راوی حضرت ابوسعید خدری ہیں کہ ایک دفعہ بارگاہِ نبوی میں مال غنیمت آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حسب حاجت وضرورت صحابہ کرام میں تقسیم فرما رہے ہیں دریں اثنا قبیلہ بنو تمیم کا ایک شخص ذوالخولسیرہ کھڑا ہو جاتا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں مخاطب ہوتا ہے

اِعْدِل یا محمد اِتق اللہ

اب بات تو دین کی تھی تقویٰ کے مطابق تھی لیکن اس میں توقیر و تعظیم، ادب و محبت کا فقدان تھا مرتبہ ومقام کا لحاظ نہ تھا لہٰذا بات دین سے خارج ہو گئی کیونکہ ایمان کی حلاوت تو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مضمر ہے۔ اس قبیح جسارت پر حضرت عمر فاروق ؓ تلوار کھینچ لیتے ہیں اور سر قلم کرنا چاہتے

ہیں لیکن سراپا رحمت، عفو و کرم، نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم روک دیتے ہیں کہ لوگ کہیں گے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروکاروں اور ساتھیوں کو قتل کرواتے ہیں اور فرمایا

''اس کے بہت سے ساتھی ہیں جن کی نمازوں اور روزوں کو دیکھ کر تم اپنی نمازوں اور روزوں کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ان ساری ظاہری خوبیوں کے باد جود وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے''۔(مشکواۃ شریف)

یہ منافقین کا گروہ تھا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی برداشت کیا آج کا کوئی حاکم ہوتا تو فوراً گردن اڑا دیتا تنقید اور اختلاف برداشت کرنے کے لئے دل گردہ چاہیئے۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا سب سے روشن پہلو تحمل و برداشت رواداری، اخوت ومحبت، مساوات و برابری اور انسان دوستی ہے آج اس پیغام کو عام اور اجاگر کرنے کی ضرورت ہے دوسرا پہلو حسن اخلاق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں آپ کے اخلاق حسنہ تمام جہانوں اور عالموں کے لئے باعث رحمت ہیں ''میری بعثت کا مقصد حسن اخلاق کو مکمل و کامل بنانا ہے'' حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس حسنِ اخلاق کی اکمل صورت ہے آپ خاتم النبین ہیں آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و سیرت کی پیروی، کامیابی وفلاح کا روشن راستہ ہے۔

ہم محلات اور کوٹھیوں میں رہیں نرم و گداز گدوں اور بستروں پر استراحت فرمائیں پر تعیش زندگی انواع واقسام کے کھانے کھائیں اور ان میں بھی خوب اسراف کریں کوئی غریب للچائی نظروں سے دیکھے تو اسے دُھتکار دیں۔ ہمارے دستر خوان پہ چھ سات ڈشوں کے کھانے ہوں اور پڑوسی کی خبر تک نہ ہو اس کی فاقوں پہ گزران ہو اور ہمیں پرواہ تک نہ ہو اور پھر بھی دعوائے عشق اُس ذات کا کریں جن کا قیام حجروں میں رہا، کچی دیواریں کچے فرش، کھجور کے پتوں کی چھت دروازے بغیر طاقوں کے ٹاٹ کے پردے فرش پہ بوریہ اور چٹائی کا بستر کئی کئی دن کے فاقے کئی روز تک چولہا نہ

جلے فاقوں پہ گزارہ موٹے کپڑے کا لباس اور وہ بھی کئی کئی جگہ سے پیوند لگا جن کا فرمانِ ذیشان ہو
الفقر فخری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کس چیز کی کمی تھی یہ بزم کائنات تو سجائی ہی آپ کے
واسطے گئی تھی سب کچھ آپ کے اختیار میں دے دیا گیا تھا۔ آپ کے پاس تو کلی اختیارات تھے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فقر خود اختیار کیا۔

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

آپ محلوں سے جھونپڑیوں میں بے شک نہ آئیں لیکن سنت رسول، حب محبوب اور عشقِ مصطفیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم میں بے وسیلوں کا خیال تو رکھیں غریب، بے نوا، بے سہارا و بے آسرا، بے زر اور
محتاجوں کا وسیلہ اور آسرا تو بنیں۔ ہم برگر و روسٹ کھائیں اور غریب سوکھی کو ترسے اور ہمیں احساس
تک نہ ہو یہ مومن اور عاشق و محبّ کو زیب نہیں دیتا۔ اگر ہمیں محبت کا دعویٰ ہے اگر ہم حضور اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کے عشق کے دعویدار ہیں تو اسوۂ حسنہ کو اپناتے ہوئے یتیموں کے سر پہ دستِ شفقت
ہی رکھ دیں بے نوا اور مسکینوں کے پھیلے ہاتھوں اور دستِ سوال پہ بھی کچھ نہ کچھ رکھ دیں۔ بیماروں
کی عیادت کو جائیں اُن کے دوا دارو علاج معالجے میں مالی معاونت کریں

نعلین شکستہ ہے تو بوسیدہ قبا ہے
یہ بادشاہِ سلطنتِ ارض و سما ہے
قاسم ہے مگر فاقوں پہ کرتا ہے گزارہ
سلطاں ہے مگر مجمع فقرا میں کھڑا ہے

اور پھر

کھانا جو دیکھو جَو کی روٹی ان چھنا آٹا روٹی موٹی
وہ بھی پیٹ بھر نہ کھانا صلی اللہ علیہ وسلم

ہم سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سرورکون

ومکاں حامئ بے کساں صلی اللہ علیہ وسلم تو کھڑے ہی غریبوں کی صف میں نظر آتے ہیں۔

ہم پہ اپنے عرصۂ حیات اور دائرہ زندگی میں چند دن ہی تنگ دستی اور عسرت کے آجائیں تو پچھلے اور کشادہ دنوں کے احسانات بھی بھول جاتے ہیں۔ہم پہ چار دن کی تنگ دستی آجائے ذرا سی مالی حالت میں سختی آجائے تو فوری رازق وخالق کے شکوے شروع کر دیتے ہیں۔ تنگی حالات سے فوری گھبرا جاتے ہیں کشادگی وفراخی کی دعائیں مانگنے لگ جاتے ہیں حالانکہ والی دو جہاں شہنشاہِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کریں تو عیاں ہے کہ آپ کے ہاں کس چیز کی کمی تھی مالک دو جہاں ہیں قاسم رزق ہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں رزق ووسائل کی کنجیاں آپ کے پاس ہیں لیکن فاقوں پہ گزارہ ہے غزوات سے مالِ غنیمت آتا ہے فتح خیبر کے بعد تو غلے کے انبار اونٹوں پہ لدے آتے ہیں لیکن سب کچھ مستحقین میں تقسیم ہو جاتا ہے جب تک تقسیم مکمل نہیں ہو جاتی چین نہیں آتا جب تک سب کچھ ختم نہیں ہو جاتا فکر مند رہتے ہیں۔سب کچھ دسترس میں ہے لیکن اختیار فقر پہ ہے یہ فقر برضا ورغبت خود اختیار کردہ ہے تاکہ قیامت تک آنے والے غربا، یتماء، مساکین آپ کی زندگی سے حوصلہ پائیں حضرت ابو سعید خدری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اُس کی جانب فقر تیزی کے ساتھ آتا ہے جس طرح پہاڑ کے درے سے پانی بہتا ہوا آتا ہے''۔(الشفاء)

حضرت عبداللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب رکھتا ہوں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوچ لے تُو کیا کہہ رہا ہے اُس نے دوبارہ سہ بارہ یہی عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو مجھ سے محبت کرتا ہے تو فقر کے لئے تیار ہو جا اِس کے بعد وہی کلمات ارشاد فرمائے جو ابو سعید خدری کو مندرجہ بالا حدیث میں بیان فرمائے۔(الشفاء)

اُن احادیثِ پاک کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ جس قدر محبت عظیم ہو گی اُسی قدر آزمائش اور امتحانات بھی سخت اور کڑے ہوں گے اونچا جن کا بخت ہوتا ہے اُن کا امتحان بھی سخت ہوتا ہے اسی

لئے تو محبت کا دعویٰ کرنے والے لازماً فقر و فاقہ کے خوگر ہوں صوفی، منش، درویش حال مست ہوتے ہیں اولیاء اللہ کے سوانح پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے طلب زر کبھی نہیں کی۔ دین اور دنیا کے درمیان توازن قائم رکھنا مشکل کام ہے وہ نذرانے قبول کرتے تھے تو شام تک مساکین وغربا میں تقسیم کرکے اٹھتے تھے خود فاقے اور چلّے کرتے تھے لیکن مسافروں اور محتاجوں کے لئے لنگر جاری ہوتے تھے مال و دولت کو منازلِ ولایت میں مانع سمجھتے تھے۔ تہی دامنی کو اثاثہ گردانتے تھے اور پھر اللہ کے دوست (ولی اللہ) اور اُس کے محبوب کے عاشقِ صادق بن جاتے تھے وہ اپنے تکیوں کو کبھی کسبِ زر کی فیکٹریاں نہیں بناتے تھے۔

آج ہم دینی و دنیاوی لحاظ سے رُوبہ تنزل ہیں مسلمانوں کا عظیم ورثہ ہم فراموش کر بیٹھے ہیں ہم میں محنت، دیانتداری، رواداری، فرض شناسی، اخوت و بھائی چارہ، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت اور مدد و معاونت، اصولوں کو سربلند رکھنا اور سمجھوتہ نہ کرنا، رزقِ حلال کمانا یہ وہ زریں اصول تھے جو ہماری تاریخ اور تابناک ماضی تھے ہم اپنی درخشندہ تاریخ اور عظیم ماضی کو بھلا بیٹھے ہیں اور ہماری زندگیوں میں وہ برائیاں راہ پا گئی ہیں جو ہمیں سزاوار نہ تھیں ہمارے اسلاف کا خاصہ نہ تھیں۔

آج ہماری تمام پستیوں، ذلتوں اور مرضوں کا علاج اِسی نسخہ میں مضمر ہے کہ ہم عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کریں دلوں کو اس محبت سے معمور و مزیّن کریں تاکہ ہمیں وہ ماہ و سال میسر آئیں جب امت مسلم کا ستارہ بام عروج پہ تھا۔ قرونِ اولیٰ کے اُن عشاق صحابہ کرام اولیائے عظام کے واقعات اور تذکرے سب تک پہنچائیں انہیں عام کریں جنہوں نے اپنی زندگیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں فنا کردیں اور حُبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے ان مٹ نقوش چھوڑے کہ رہتی دنیا تک مینارۂ نور کا کام دیتے رہیں گے اور بھٹکی ہوئی انسانیت اِن سے رشد و ہدایت حاصل کرتی رہے گی۔ اپنے محبوب علیہ السلام کی محبت میں سرشار ہو کر وہ کارہائے نمایاں سرانجام دیے جو عدیم المثال تھے۔ ہمیں آج انہی کے نقوش پا کو نشان ہائے منزل بنانا ہوگا

اُن کی قائم کردہ راہوں پہ چلنا ہو گا اُن کی اداؤں کو حرزِ جاں بنانا ہو گا۔ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ اِن سرمدی وابدی اصولوں کو اپنا کے متاعِ گم گشتہ کی بازیافت کرنا ہو گی اور یہ کامیابی وسرفرازی کے اصول یہ سربلندی وعروج کی راہیں ہمیں محبتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر سنت واتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہی ملیں گی یہ اصول بلا تردید طے شدہ ہے کہ ہمارے تمام دکھوں کا مداوا اور مرضِ کہن کا چارہ یہی اِتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے ہمیں مسلمانوں کو اِس فلاح کے راستے کی طرف بلانا ہو گا۔ اُن کے دلوں میں عشق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ جلانا ہوں گے انہی راہوں پہ دیے جلا کے چلنا ہو گا۔ تعلقِ غلامی کو پھر سے استوار کرنا ہو گا غلامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پٹہ پھر سے زیب گلو کرنا ہو گا۔ محبت وعشق کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو پھر سے جوڑنا ہو گا انہی عقیدت والفت کے جذبوں کا اعادہ کرنا ہو گا جن سے صحابہ کرام سرشار تھے۔ ہمیں اپنی زندگیوں کا ماحصل پھر سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ٹھہرانا ہو گا۔ اِسی میں ہماری فلاح ہے، کامرانی ہے اور ہمارا درخشندہ مستقبل وابستہ ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اِسمِ محمد سے اُجالا کر دے

ہمیں کھوئے ہوئے مقام کے حصول کے لئے بارگاہِ رسالتمآب اور دہلیز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جبینوں کو پھر سے جھکانا ہو گا اِس در سے نسبت غلامی کو جوڑنا ہو گا۔ ٹوٹے ہوئے ربط کو بحال کرنا ہو گا جذبوں پہ جمی برف کو محبت آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت اور حدت سے پگھلانا ہو گا اگر پھر سے یہ رشتہ محبت بحال ہو گیا تو یقیناً امتِ مسلم میں اِک نئی زندگی انگڑائی لے گی اور اِک نیا انقلاب رونما ہو گا۔

سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کا اعجاز ماورائے بیاں ہے۔ الفاظ میں اتنی سکت ووسعت کہاں کہ تصور کشی کر سکے زبان میں اتنا یارا کہاں کہ بیاں کر سکے ہماری اِس کاوش کا مدعیٰ ومقصود یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناء خوانوں میں شمار ہو جائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

مدح خوانی میں یہ تحریر توشۂ آخرت بن جائے بارگاہِ خداوندی اور بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ ادنٰی سی کاوش پذیرائی پائے اور اسے شرفِ قبولیت عطا ہو جائے آخرت کے لئے زادِراہ بن جائے اور شفاعتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب بن جائے اور روزِ حشر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں شمار ہو جائے اگر سندِ قبولیت عطا ہو گئی تو ہمیں ناز ہوگا کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں۔

آخر میں چند گزارشات اور معروضات مزید آپ کے پیشِ نظر اور گوش گزار کرنا چاہتا ہوں پہلی بات تو یہ کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سیرت کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں کا بیان ایسا ہے کہ جس کا کوئی اختتام نہیں۔ سارے شجر قلم اور سارے سمندر سیاہی بن جائیں تب بھی ممکن نہیں

زندگیاں ختم ہوئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا اِک باب بھی پورا نہ ہوا

میرے پاس بہت سا مواد بچ گیا ہے کتاب کی ضخامت اور حجم کا خیال تھا اور یہ امر بھی ملحوظ تھا کہ کتاب Handy ہونی چاہیے جس کا اٹھانا آسان ہو سنبھالنا مشکل نہ ہو اور پاس رکھنا گراں اور بوجھل نہ ہو اِس لئے مزید مواد کو سمونے اور احاطۂ تحریر میں لانے کو دوسری جلد کے لئے اٹھا رکھا ہے انشاءاللہ اس کتاب کی دوسرے جلد جلد ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہوگی اور عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کی تسکین اور عشق کو مزید نکھارنے اور صیقل کرنے کا موجب ہوگی اور طالبانِ عشق و محبت کی تربیت کا سامان فراہم کرے گی۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ کتاب خود پڑھیں دوستوں کو پڑھائیں اپنی بچیوں، ماؤں، بہنوں کو تحفہ دیں، سکول کالج کے سربراہ حضرات تقسیم انعامات میں بچوں کو انعام کے طور پر دیں ہم نے حبِ رسول اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو عام کرنا ہے اِسی میں ہماری فلاح، تعمیر اور بخشش و مغفرت کا راز پنہاں ہے۔ اِس کتاب کی آمدنی میرے لئے نہیں بلکہ غریب، نادار، بے وسیلہ اور یتیم بچوں کی تعلیمی کفالت کے لئے مختص ہوگی کیونکہ چھوٹے اور معصوم بچوں سے پیار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت عزیز تھا ہم اِسی پہلو کو سنت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر زادِراہ اور مشعل زندگی بنالیں تو شاید ہماری نجات اور بخشش کا سامان اور وسیلہ بن جائے اللہ تعالیٰ ہمیں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے سرفراز فرمائے اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ چلنے کی سعادت نصیب فرمائے (آمین)۔

میں برملا اعتراف کرتا ہوں اور اِسے ناسپاسی سمجھتا ہوں اگر میں عرفان احمد بندھن کمپوزنگ سنٹر کی خدمات کا اعتراف نہ کروں جنہوں نے اِس کتاب کی کمپوزنگ عبادت سمجھ کے کی اور اِسے خوب سے خوب تر بنانے میں مقدور بھر سعی کی اللہ تعالیٰ اُنہیں اِس کام کی جزائے خیر عطا فرمائے۔(آمین)

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

نیازمند غلامی کا دعویدار

پروفیسر احمد بخش مجاہد

گورنمنٹ ڈگری کالج میاں چنوں

A-123عرفان سٹریٹ علامہ اقبال روڈ

لاہور

عشق، محبت کی انتہا

اور

عشق کی معراج، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دین کی اساس، بنائے اسلام، عبادات کا مغز اور خلاصہ ایمان ہے کیونکہ ایمان کا محور و مرکز ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے جب تک کوئی شخص سرورِ انبیاء، محبوب کبریا، خاتم المرسلین، رحمۃ اللعالمین، حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قدر سے اپنی جان، مال، اولاد سے بڑھ کر محبت نہ کرے مومن نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی ہر محبوب شے کی محبت، محبتِ خیر الانام کے تابع نہیں کرتا اور دوسری تمام محبتوں پر اس محبت کو غالب و مقدم نہیں کرتا اُس کا ایمان مکمل نہیں ہو سکتا اور اعمالِ صالحہ کے انبار بھی اُسے مومن کی صفت سے متصف نہیں کر سکتے۔

مغزِ قرآں، روحِ ایماں، جانِ دیں
ہست حُبِ رحمۃ اللعالمین

بقول مولانا ظفر علی خان

نماز اچھی ہے روزہ اچھا حج اچھا زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اِس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ جب تک کٹ مروں میں خواجہ بطحا * کی عزت پر
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

بقول مفکرِ اسلام ڈاکٹر علامہ محمد اقبال

* مولانا صاحب نے یثرب کا لفظ لکھا ہے میں نے بطحا کر دیا ہے چونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب ... [illegible] نبی کا نام دیا اور آئندہ کے لئے یثرب کہنے اور لکھنے سے منع کر دیا۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کُل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

حضرت انس سے روایت ہے ''وہ شخص ایمان کی حلاوت کونہیں پا سکتا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت نہیں کرتا''۔

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف ایمان کی اساس ہے بلکہ معراج وکمال بھی ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ مجھ سے اپنے والدین، اولاد بلکہ تمام انسانوں سے بڑھ کر محبت نہیں کرتا''۔

لایومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہٖ ووالدہٖ والناس اجمعین

عبداللہ بن ہشامؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جارہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ کے فرما رہے تھے ''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ رکھے''۔ (الشفاء)

پھر فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی تمام خواہشات کو میری تعلیم کے تابع نہ کردے''۔

مختلف کتب حدیث میں یہ روایت بھی درج ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرِ فاروق بارگاہِ نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے پوچھا ''اے عمر! تمہیں مجھ سے کتنی محبت ہے؟''۔

حضرت عمرؓ ابھی تربیت کے مراحل سے گزر رہے تھے ابھی محبت خام اور ناتمام تھی اور پھر صحابہ کا ایک وصف یہ بھی تھا کہ تصنع اور بناوٹ سے کام نہ لیتے تھے لگی لپٹی نہ رکھتے تھے جو اندر ہوتا تھا وہی

زبان پہ آتا تھا ظاہرداری قطعاً نہ تھی۔

حضرت عمر عرض گزار ہوئے آقا! مجھے آپ سے بہت زیادہ محبت ہے لیکن رشتہ پدری سے مغلوب ہوں اولاد کی محبت آپ کی محبت سے غالب نظر آتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر! ابھی تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوا۔ حضرت عمر کے دل پہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ کاری ضرب لگا گیا اُن کی قلبی حالت دگرگوں ہوئی کیفیت بدلی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اولاد سے تو بڑھ گئی لیکن اپنی جان سے کم رہی حضرت عمر نے عرض کیا آقا! اب آپ کی محبت اولاد سے تو بڑھ گئی ہے لیکن اپنی جان سے کم ہے مجھے اپنی جان سے محبت آپ کی محبت سے زیادہ غالب نظر آتی ہے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ! ابھی بھی تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ سننا تھا کہ حضرت عمر کی قلبی حالت پھر بدلی اب تو قلب و باطن میں انقلاب آ گیا اور بے ساختہ پکار اٹھے "خدا کی قسم اب آپ کی محبت مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ ہے اور اب یہ قیامت تک کم نہ ہوگی"۔ پھر حضرت عمر پہ اپنے آقا کی محبت اتنی غالب آئی کہ تن من دھن سے زیادہ ہوگئی بلکہ دنیا کی ہر شے پہ غالب آگئی پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کا ہاتھ پکڑ کر یوں فرمایا "اب تمہارا ایمان مکمل ہوا"۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا عشق و محبت جب تک جنون کی حدوں کو نہ چھولے ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق درج ذیل ہیں۔

اطاعت، محبت، اتباع، عظمت و توقیر و تحریم، نصرت، تعزیر، ان آیات میں اسکی وضاحت موجود ہے

یاایہاالذین آمنو أطیعو اللہ وأطیعو الرسول واولی الامر منکم

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ

واطیع اللہ والرسول ان کنتم مومنین

قل إن کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

فالذین أمنو بہٖ وعزروہُ ونصروہُ

لتومنو باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا

اطاعت کا تعلق ذہن سے ہے اِس میں کسی حد تک عقل کا دخل ہوتا ہے انسان جانچ پرکھ کر عقل کے معیار پر تول کر پھر اطاعت کرتا ہے۔ محبت کا تعلق قلب سے ہوتا ہے دِل سے گواہی اور تصدیق ہو جائے تو اعمال میں گہرائی اور گیرائی آجاتی ہے اگر سوچ اور عمل دِل اور ذہن ایک دوسرے کے رفیق اور متفق ہو جائیں تو پھر انسان عشق کے دائرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ عشق ہمیشہ دل کا ترجمان ہوتا ہے اور عقل ذہن کی نمائندہ ہوتی ہے۔ عقل تنقید کرتی ہے اچھے اور برے پہلوؤں کو سامنے رکھتی ہے دلائل مانگتی ہے سود و زیاں پہ نظر رکھتی ہے اِس لئے عقل کے تابع انسان فیصلوں میں دیر لگاتا ہے اور تذبذب کا شکار رہتا ہے دِل ہمیشہ عشق کی ترجمانی کرتا ہے جبکہ عقل ذہن کی ترجمان ہوتی ہے۔ جب آگ کا الاؤ سامنے ہو اور آگ کے شعلے آسمان کو چھو رہے ہوں تو عقل تو یہی کہے گی یہ آگ ہے قدم آگے بڑھاؤ گے تو جل کے راکھ ہو جاؤ گے۔ عقل کے پیشِ نظر مصلحت اور ظاہری اسباب ہوتے ہیں عشق کہتا ہے آگ ہے تو کیا ہوا جلائے گی تو جلانے دو جل کے امر ہو جائیں گے لہٰذا عشق عقلی موشگافیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آگ میں کود پڑا۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

دوسری جگہ حضرت علامہ نے فرمایا

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ زاہد ہے، نہ مُلا، نہ حکیم

جب اطاعت اور محبت اکٹھی ہو جائیں تو رنگ چوکھا ہو جاتا ہے۔ محبت میں اطاعت موجود ہوتی ہے لیکن محبت، اطاعت سے ارفع و اعلیٰ مقام کی حامل ہے۔ محبت فنافی المحبوب مانگتی ہے محبت میں سوائے محبوب کی ذات کے باقی کچھ نظر نہیں آتا۔ محبت میں خلوص ہوتا ہے۔ محبت کو دوئی گوارا نہیں محبت خالص ہوتی ہے اس میں ریاکاری، سطحیت، دکھاوا، مکر و فریب نہیں ہوتا جبکہ اطاعت خام

ہوتی ہے اس میں اِن عناصر کا وجود کسی نہ کسی حد تک موجود ہو سکتا ہے اطاعت میں منافقت ہو سکتی ہے لیکن محبت میں نہیں اور پھر جب محبت میں نکھار آ جائے، پختگی آ جائے تو یہ محبت کا کمال ہوتا ہے اور اِسی کا دوسرا نام عشق ہے۔

اتباع اور اطاعت میں یہ فرق ہے۔ اتباع پیروی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے جب کہ اطاعت اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے لئے ہے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ وجود سے پاک ہے تجسیم و تشکیل سے ماورا ہے غیر مرئی ہے وجود نہیں رکھتا اس لئے دیکھا نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ صرف احکامات صادر فرماتا ہے خود اِن احکام اور اعمال سے ماورا اور مستثنیٰ ہے حکم خداوندی ہے

اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ

''نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو'' لیکن خود اِن اعمال سے بالاتر ہے کیونکہ انسانی شکل اور تجسیم سے پاک ہے۔ اطاعت حکم بجا لانے کا نام ہے اب احکام کو بجا لانے کی صورت کیا ہو اِس کے لئے نمونہ اور ماڈل کیا ہو۔ اطاعت کے لئے حکم صادر ہوا۔ اب نماز کی صورت کیا کس طرح ادا کی جائے مقررہ اوقات کیا ہوں۔ رکعت کی تعداد کتنی ہو۔ اب اِس کے لئے نمونہ چاہیے اور کامل نمونہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے

''صلوا کما رأیتمونی اُصلی''

نماز ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھو یعنی میرا اتباع کرو

اِس طرح حج کے بارے میں حکم خداوندی ہے

''وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ''

اللہ تعالیٰ کے لئے لوگوں پر حج فرض ہے جو اس کی استطاعت رکھتا ہو

اب حج کا طریق کیا ہو مناسکِ حج کیا ہیں۔ اس حکم کی اطاعت کی صورت کیا ہو فرمانِ رسول ہے

''خذوا عنی مناسککم''

مجھ سے مناسک حج سیکھو

اب ماڈل اورنمونہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ٹھہری آپ نے حج کیا جس طرح مناسکِ حج ادا کیے اُسی طرح فرض ٹھہرے یعنی اتباع حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا ٹھہرا پھر قرآن مجید، فرقان حمید میں دین کا خلاصہ اور اصل الاصول یہ بیان فرما دیا۔

ما اتکم الرسول فخذوہ و ما نھا کم عنہ فانتھوا

جو رسول تمہیں دیں وہ لے لو جس سے منع فرمائیں اُس سے باز رہو۔

آج تک نہ کسی نے خدا کو دیکھا نہ کلام سنا نہ جنت دیکھی نہ دوزخ کا مشاہدہ کیا قیامت اور حیات بعد الموت کا ادراک نہیں۔ ہم قرآن کو الہامی کتاب مانتے ہیں یہ کلام الٰہی ہے حالانکہ ادا تو یہ بھی زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے کلامِ الٰہی قرار دیا ہم نے امنا و صدقنا کہا اور مان لیا۔ فرشتوں کا وجود مان لیا یہ سب ایمان بالغیب ہے اور اِس آیت کی عملی تفسیر ہے

وَمَا اٰتٰکُمُ الرسول فخذوہ وَمَا نھا کم عنہ فانتھوا

وہ جس کو ملے ایمان ملا ایمان تو کیا رحمان ملا

قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نورِ ھدیٰ پایا

دل سے تصدیق رسالت ایمان کی غایت ہے صرف زبان سے مان لینا کافی نہیں زبان سے تو منافقین بھی مانتے تھے لیکن دل سے گواہی اور تصدیق نہیں کرتے تھے زبان سے اقرار تو ہر شخص کرتا ہے لیکن دل سے محبت کی گواہی دینا عین ایمان ہے دل سے تصدیقِ رسالت قبولیت عبادات کی سند ہے۔ مفکر و محققِ اسلام حضرت علامہ طاہر القادری اپنی کتاب تذکارِ رسالت میں فرماتے ہیں۔

''جس نے جبینِ نیاز کو درِ رسالت پہ جھکا دیا تمام عظمتوں اور شانوں کو مان لیا اپنے آپ کو غلامیِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دے دیا اپنی گردن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا پٹہ ڈال لیا بس

وہی متقی ہے وہی مومن ہے جو شانِ رسالت کو عقل کے پیمانوں سے ماپتا رہا وہ مسلمان تو ہوسکتا ہے لیکن مومن اور متقی نہیں اگر مومن بننا چاہتے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عظمتوں اور شانوں سے مان لو ایمان تو صرف درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی میں ملتا ہے۔ ایمان خود کو غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دے دینے کا نام ہے اپنے گلے میں غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پٹہ ڈال لینے کا نام ہے خود کو دہلیز مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ جھکا دینے کا نام ہے۔ عقل و خرد کی موشگافیاں ختم کر دینے کا نام ہے نقشِ پا اپنانے کا نام ہے"۔

تیری معراج کہ تو لوح وقلم تک پہنچا
مری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

شہر نبی کی گلیوں میں کتوں کی مانند روتے پھرنے کا نام ایمان ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف فرماتے ہیں

ہوں میں سگ مدینے دی گلی دا
ایہو رتبہ ہے ہر کامل ولی دا

حضرت مولانا جان محمد قدسی فرماتے ہیں

نسبت خود بہ سگت کر دم و بس منفعلم
زآں کہ نسبت بہ سگے کوئے تو شد بے ادبی

اگر درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نسبت نہیں یہ تعلق و ربط نہیں تو جو کچھ ہے وہ فریب ہے مکر ہے دجل ہے منافقت ہے دھوکہ ہے ایمان نہیں۔ ایمان تو فقط یہ ہے کہ خود کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دو۔ عقل کو بہ پیشِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قربان کر دو اور مان لو

اب میری نگاہوں میں جچتا نہیں کوئی
جیسے میری سرکار ہیں ایسا نہیں کوئی

اتباع رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل کی مکمل طور پر پیروی کا نام ہے۔ یہی اتباع عشق

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ہے۔ عشق زبانی کلامی دعووں کا نام نہیں یہ مکمل طور پر غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دے دینے کا نام ہے اور یہی اتباع ہے

منہ سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل

گر دل ونگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

عاشق کی پہلی خاصیت تقلید واتباع محبوب ہے۔ حضرت بایزید نے ساری زندگی خربوزہ نہ کھایا اور اِس تذبذب کا شکار رہے کہ پتہ نہیں میرے محبوب نے کھایا بھی ہے یا نہیں اور کھایا ہے تو کس طرح کھایا ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سوزِدروں بیقراری وتڑپ سب سے بڑی متاع محبت ہے۔ حرف بحرف اتباع کا نام عشق ہے۔ محبوب کے حکم کی اطاعت، محبوب کی اداؤں سے پیار، محبوب کی ہر ادا کو نمونہ اور نشانِ راہ بنالے اسوۂ حسنہ کا رنگ چڑھالے۔ اخلاق وعادات رفتار وگفتار، پسند وناپسند اپنے آپ کو اپنے محبوب کے افعال اقوال وشمائل کو نشانِ منزل اور مقصودِ حیات بنالے آپ کے اسوۂ حسنہ سے روگردانی کرنے والا اطاعت میں کوتاہی کرنے والا عاشق ومومن تو کجا مسلمان بھی نہیں کہلاسکتا۔ عشقِ رسول میں ڈوب کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق کا پرتو اپنے اندر من میں پیدا کر کے مومن اپنی تکمیل ذات کر سکتا ہے کیونکہ عشق نبی ہی اصل ایمان ہے۔ حُب مطلق کا اولیں انداز، حصولِ سوز وگداز ہے سوز صدیق اور گداز علی المرتضیٰ پیدا ہو جائے تو عشق کا دعویٰ ہوسکتا ہے۔ جلوۂ رحمت اللعالمین کے لئے پیروی اسوۂ محبوب رب اللعالمین ضروری ہے جو شخص محبت آقا میں فنا ہو جائے اِسے اپنا شعار اور وقار بنالے اپنے ہادی ورہنما آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واتباع کو اپنا افتخار بنالے تو وہ صحیح معنوں میں عاشق ہے محبت ہے، مومن ہے اور پھر وہ بحر وبرّ پہ حکمرانی کا سزاوار ہو جاتا ہے۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامانِ اوست

بحر وبر در گوشہ دامانِ اوست

محبوب کی صفات کی جھلک اوران کا پرتو محبّ اور عاشق کے کردار اور ذات سے صاف اور واضح نظر

آنا چاہیے محبوب کے صفات کی تصویر اور آئینہ بن جانا چاہیے آقا رحمت اللعالمین ہیں سراسر رحمت وشفقت ہیں تو مومن وعاشق بھی رحمت وشفقت کا آئینہ دار ہو۔ آپ مکارم اخلاق سے متصف تھے تو مومن کو بھی ستودہ صفات اور اخلاق پسندیدہ کا مجسمہ ہونا چاہیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے بغض وحسد نہ رکھتے تھے تو مومن کو بھی ان برائیوں سے مبرا ہونا چاہیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جود وسخا کے مالک تھے تو مومن کو بھی ان کا مظہر ہونا چاہیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مساکین ویتما کے مربی وسرپرست تھے تو مومن کو بھی ان صفات کا حامل ہونا چاہیے غرض یہ کہ معاملات کاروبار، صلہ رحمی، دیانتداری، سچائی، قول وفعل کا عدم تضاد غرض یہ کہ تقلید اتباع سنت کا احیاء اور عمل یہ اوصاف عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیاد، اساس، مرکز ومحور ہیں تو مومن کو بھی ان نقوشِ سیرت کا مکمل نمونہ ہونا چاہیے۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ حسنہ کا کامل اتباع حُبِ رسول کے بنیادی اور اساسی اجزاء ہیں

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

فالذین آمنوبہٖ عزّروہُ ونصروہُ (سورۃ الاعراف)

پس جو لوگ اُس (برگزیدہ رسول) پر ایمان لائیں گے اور اُن کی تعظیم وتوقیر کریں گے اور اُن کے دین کی مدد ونصرت کریں گے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

دوسری جگہ ارشاد ہوا

لتومنوا باللہ ورسولہٖ وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا (سورۃ الفتح)

ان آیات سے ثابت ہوا کہ سرور کائنات، فخر موجودات کی تعظیم وتکریم اور توقیر وتحریم حد سے بڑھ کر کی جائے اور ارفع ترین قرینوں سے کی جائے۔ تعظیم وتوقیر ہمیشہ حدود کے اندر ہوتی ہے اس میں کسی نہ کسی حد تک عقل کا دخل کارفرما ہوتا ہے۔ جب یہ تعظیم وتکریم ان حدود سے بڑھ کر کی جائے اور مبالغ سے کی جائے تو یہ تعظیم وتکریم تعزیر کے زمرے اور دائرے میں داخل ہو جاتی ہے اور عشق کا روپ دھار لیتی ہے۔

حُبّ کے مختلف درجات ہیں۔ جب اِن درجات سے گزرتی ہوئی حُبّ آخری حد کو چھو لے تو یہ عشق کے درجے میں داخل ہو جاتی ہے۔ عشق حب کا ارفع واعلیٰ اور آخری مقام ہے جہاں محبّ اپنے محبوب میں فنا ہو جاتا ہے یعنی عشق محبت کی معراج ہے اور عشق کی معراج عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ عشق وہ آگ ہے جو ماسوا محبوب کے سب کچھ جلا دیتی ہے۔ جینا مرنا صرف محبوب کے لئے ہو جاتا ہے دوستی و دشمنی صرف محبوب کے حوالے سے ترتیب پاتی ہے اپنی ہستی کے سب پندار محبوب کے سامنے توڑنے پڑتے ہیں اپنی عزت وناموس کے معیار اپنے محبوب کی عزت وتوقیر کے سامنے گرانے پڑتے ہیں اپنی ذات کی نفی کرنی پڑتی ہے فنا فی الرسول ہونا پڑتا ہے تب عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حصول ممکن ہوتا ہے۔

تو بچا بچا کے نہ رکھ اِسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز ہمیں صحابہ کی زندگیوں سے ملتا ہے اُن کی رگ وجاں میں یہ عشق رچا ہوا تھا اُن کی نس نس میں یہ عشق سمایا ہوا تھا اُن کی زندگیوں کا ماحصل یہی عشق کی دولت تھی وہ دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا وظیفہ اور والضحیٰ والے مکھڑے کو تکتے رہنا عبادت گردانتے تھے اُن پہ ایک لمحہ کا فراق بھی شاق اور گراں گزرتا تھا۔ ہر حکم کو بجالانا اُن کی متاعِ حیات تھا محبوب کی خوشنودی اُن کا مقصدِ حیات تھا نہ جان کی پرواہ نہ مال کا ملال نہ اولاد کا خیال۔ تعلق بالرسالت کا تقاضا یہی حصولِ عشق ہے۔ محبتِ رسول اس قدر غالب آئے کہ جنوں کی حدوں کو چھونے لگے روم روم میں عشق کی جلوہ گری ہو عقل وخرد اور تنقید وفلسفہ کا دخل نہ ہو کیونکہ عقل وخرد کے پیمانوں سے ماپنے والے سدا کے ابوجہل اور ابولہب ٹھہرتے ہیں اور جو اپنے محبوب پر عشق ومحبت کے معیار پہ ایمان لاتے ہیں اور نقشِ پائے یار کو سجدہ گاہ بنالیتے ہیں وہ ابوقحافہ کے بیٹے سے ابوبکر بلکہ صدیق اکبر بن جاتے ہیں اور عمر بن الخطاب سے فاروق اعظم ٹھہرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے صحابہ کرام پہ عشقِ محبوب کا ایسا رنگ چڑھا کہ اُس نے ذرّوں کو ستاروں کا ہم سر کر دیا اور

خاک نشینوں کو اوج ثریا بخش دیا یہ رنگ ابوبکرؓ نے قبول کیا تو صدیق اکبر بن گئے عمر نے قبول کیا تو فاروق اعظم بن گئے عثمان نے قبول کیا تو غنی اور ذوالنورین بن گئے علی نے قبول کیا تو شیر خدا اور حیدر کرار ٹھہرے خالدؓ نے قبول کیا تو سیف اللہ بن گئے۔

صحابہ کرام محبت وعشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں از خود وارفتہ ہو گئے تھے نہ اُن کی زندگی اپنی رہی اپنی حیات محبوب کے پاس گروی رکھ دی جانوں کا سودا کر لیا جس جس کے محبوب پہ زندگیاں وار دیں گھر بار مال ومتاع قربان کر دیا حتی کہ اولاد کی بھی پرواہ نہ کی عشق کے سودے بھی عجیب ہوتے ہیں عقل اور عشق کے فیصلوں میں کتنا تضاد ہے عقل مال ودولت کی خواہاں اور طلب گار گھر بار سے محبت کی پرچار لیکن عشق کا فیصلہ کہ محبوب کی خاطر مال ودولت گھر بار خویش اقارب، اولاد اور وطن سب کچھ قربان۔ حکم محبوب صادر ہوتا ہے ہجرت کرو صحابہ ہر دم تیار عشق میں عقل کی تاویلیں ختم ہو جاتی ہیں فلسفہ وفکر کی موشگافیاں دم توڑ دیتی ہیں عشق عقل وخرد سے آگے کی منزل ہے یہ سراسر جنوں کی کیفیت مانگتا ہے یہ عقل کی بجائے دل کو رہنما بناتا ہے۔ ایک صحابی کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی صحابہ کرام عیادت اور افسوس کو گئے اس صحابی نے عرض کیا مجھے اب بینائی نہیں چاہیے میں ان آنکھوں سے دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہوتا تھا اب چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً دنیا میں نہیں رہے آپ کا وصال ہو گیا اس لئے اب اگر مجھے ہرن کی آنکھیں بھی مل جائیں تو میں کیا کروں گا۔ مجھے بینائی پا کر بھی ہرگز خوشی نہ ہوگی حضرت عبداللہ بن زید انصاری کھیتوں میں کام کر رہے تھے بیٹے نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر دی آپ وہیں رب کائنات کے حضور دست بدعا ہوئے کہ باری تعالیٰ جو آنکھیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف رہیں اب اُن میں کسی اور کو تکنے کا یارا نہیں یارب! مجھ سے میری بینائی سلب کر لے وہیں بینائی جاتی رہی۔ اب عقل کا فیصلہ ہوگا بینائی بڑی دولت ہے تمام رنگینیاں رعنائیاں اسی کے دم سے ہیں جب کہ عشق کہتا ہے جب محبوب ہی نہ رہا محبوب کے دیدار سے محرومی ہو گئی تو آنکھوں کا مصرف ہی کیا رہ گیا اب بینائی سے محرومی ہی اچھی۔

حضرت حنظلہ کی نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ شب عروسی کی پہلی رات ہے۔ جوانی ہے جذبات کا ہیجان ہے اُسی رات منادی ندا دیتا ہے کہ کفر نے پھر للکارا ہے۔ قریش مدینہ پہ چڑھائی کے لئے آ رہے ہیں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے لئے پکارا ہے۔ یہ آواز حضرت حنظلہ کے کان میں پڑتی ہے۔ حجلہ عروسی سے نکلتے ہیں۔ شب عروسی کو قربان کرتے ہیں مجاہدین کی صف میں شامل ہوتے ہیں اور میدانِ جہاد میں جامِ شہادت نوش فرماتے ہیں اور غسیل الملائکہ ٹھہرتے ہیں۔ جنسی خواہشات کی تسکین میں لذت ہے جنس اور عورت میں اتنی کشش اور طاقت ہے کہ کئی شہنشاہوں نے محبوب کے لئے تخت و تاج قربان کر دیے لیکن یہاں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کشش دیکھیے کہ محبوب کی آواز اور بلاوے پہ حضرت حنظلہ لبیک کہتے ہیں حجلہ عروسی اور تمام ارمانوں، جذبات کو وار دیتے ہیں

- آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق کا نشہ صحابہ کرام پر یوں رنگ لایا کہ انہیں اِک گونہ قرار اور سکون آ گیا اور اِس نشے نے ایسا مدہوش کیا کہ بازو کٹ گیا لیکن درد کی پرواہ نہیں آنکھ کا ڈیلا (قرینہ) باہر آ گیا لیکن احساس تک نہیں۔ بازو کٹ گیا پاؤں کے نیچے دیکر الگ کر دیا کہ رکاوٹ نہ بنے معذور ہونے کا خوف نہیں۔

لامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
سر رہ جائے یا کٹ جائے پرواہ نہیں کرتے

عشق کے راہی دماغ کو خیر باد کہہ دیتے ہیں عقل کہتی ہے آگ ہے جل جاؤ گے عشق کہتا ہے آگ ہے تو کیا ہوا آگے بڑھ ڈرنا عاشقوں کا شیوہ نہیں چھلانگ لگا جان قربان کر کے محبوب ملتا ہے تو سودا مہنگا نہیں عقل کہتی ہے یزید کے پاس طاقت ہے لاؤ لشکر ہے اقتدار ہے مال و دولت ہے ٹکرانے میں سراسر نقصان ہے۔ بیعت کرنے میں سراسر فائدہ ہے وظیفے ملیں گے عشق کہتا ہے آگے بڑھ باطل سے ٹکرا جا حق کو سر بلند رکھ اور امر ہو جا۔

سر کٹ کے چڑھ جائے ترا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

فرداً فرداً صحابہ کرام کی زندگیوں سے عشق ومحبت کے روح پرور مظاہر اور ایمان افروز واقعات کا تذکرہ آپ کتاب کے اگلے صفحات میں مطالعہ کریں گے جو آپ کے ایمان کو تازگی، روح کو سرور اور ذوقِ عشق کو تسکین کا سامان فراہم کریں گے۔ لیکن ان واقعات میں مرکزی کردار ایک یا دو تین صحابہ کرام کا ہوگا۔ یہاں میں صحابہ کرام کے من حیث الجماعت اجتماعی عشق ومحبت کے چند مناظر پیش کرنا چاہتا ہوں۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ عروہ بن مسعود کو جو ابھی ایمان نہ لایا تھا نمائندہ بنا کے بھیجتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ گفت وشنید کریں اور ساتھ ساتھ لشکرِ اسلام کی صورتِ حال کا بھی جائزہ لیں کہ اُن کی تعداد کتنی ہے اُن کے حوصلے کیسے ہیں ان کے پاس سامانِ حرب کی نوعیت کیا ہے۔ عروہ بن مسعود حدیبیہ پہنچ کر سیدھا اُس طرف گیا جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اُس نے دیکھا کہ تقریباً پندرہ سو صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حصار بنائے ہوئے ہیں یہ جانثاران یہ پروانے شمع محمدی کے گرد ہالہ بنائے ہوئے ہیں۔ عروہ کہتے ہیں میں نے دیکھا ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وضو فرماتے تو صحابہ وضو کے پانی پر ٹوٹ پڑتے اور یوں معلوم پڑتا کہ آپس میں لپٹ پڑیں گے۔ (صحیح بخاری)

عروہ بن مسعود آگے چل کے فرماتے ہیں ''اللہ کی قسم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کبھی لعاب دھن یا ناک مبارک سے رطوبت نیچے پھینکی تو صحابہ کرام نے اسے نیچے نہ گرنے دیا دوڑ کر اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اُس کو اپنے چہروں اور جسموں پہ مل لیا''۔

عروہ بن مسعود آگے چل کے مزید کہتے ہیں کہ اسی موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کا خط بنوایا بال مبارک ترشوائے صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھیرا بنا کے کھڑے ہو گئے حجام بال تراشتا جاتا اور صحابہ کرام بال جھولیوں میں لیتے جاتے۔

عروہ مزید کہتے ہیں ''جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی حکم فرماتے تو صحابہ کرام تعمیل میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں جب آقا علیہ السلام گفتگو فرماتے تو صحابہ کرام اپنی آوازوں کو پست کر لیتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ادب و تعظیم کے پیش نظر نگاہ بھر کے نہیں دیکھتے''۔ (بخاری شریف)

واپس جا کر اپنے ساتھیوں کو یوں بتاتے ہیں ''خدا کی قسم! مجھے بادشاہوں کے درباروں میں جانے کا اتفاق ہوا میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے دربار بھی دیکھے ہیں خدا کی قسم! میں نے ہرگز کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اُس کے اصحاب اُس کی اتنی تعظیم کرتے ہوں جتنی تعظیم اصحاب محمد، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے ہیں۔

اِس حدیث پاک میں صحابہ کا عمل اِس آیت کی عملی تفسیر اور تصویر نظر آتا ہے

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ ـــــــــ

پس جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے اور آپ کی حد سے بڑھ کر تعظیم کی اور آپ کی امداد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو آپ کے ساتھ اتارا گیا وہی فلاح پانے والے ہیں

کیا صحابہ کا یہ عمل جو عروہ نے دیکھا حد کے اندر ہے یا حد سے بڑھ کر یقیناً یہ حد سے بڑھ کر ہے یہی تعزیر ہے اور اِسی تعزیر کا نام عشق ہے۔ اب ہم اِس حدیث پاک کا تجزیہ کرتے ہیں وضو کا استعمال شدہ پانی شریعت کے مطابق مکروہ ہے لیکن یہاں صحابہ کرام وضو کا پانی اچک لیتے ہیں زمین پہ نہیں گرنے دیتے اور اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے کہ پانی لینے پر لڑ پڑیں گے یہ عمل ایک دو صحابہ کا نہیں بلکہ تقریباً پندرہ سو صحابہ کا ہے اِن صحابہ کرام میں خلفائے راشدین بھی ہیں بدری صحابی بھی ہیں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں غرض یہ کہ وہ صحابہ ہیں جو ایمان لانے میں سابقون الاولون ہیں افضل ترین مرتبے و مقام کے حامل ہیں اور یہ وہ فضیلت والے صحابہ ہیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پہ بیعت کرتے ہیں تو باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

''بلاشبہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں فی الحقیقت وہ اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ

اُن کے ہاتھ پر ہے"۔

جو کچھ صحابہ کرر ہے ہیں صراحتاً اِس کا حکم نہیں دیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا آپ نے صریحاً ممانعت بھی نہیں فرمائی یہ تعظیم و تکریم یہ توقیر حد سے بڑھ کر ہے۔ اِس میں مبالغہ ہے یہی عشق ہے اور عشق میں وضو کا پانی چہروں پہ ملنا صحابہ کرام کے لئے سعادتِ عظمیٰ سے کم نہیں اب اِسی طرح لعاب دہن اور ناک سے بہنے والی رطوبت کو جسموں پہ مل لینا یہ عمل عام آدمی کرے تو پاکیزگی، نفاست، طہارت اور حسن آداب کے خلاف ہے لیکن یہ عمل کون کر رہا ہے اِس میں ابوبکر صدیق ،عمر فاروق ؓ ،حیدر کرار حضرت علی سب شامل ہیں یہ عمل جید صحابہ کرر ہے ہیں لعاب دھن اور رطوبت آقائے دو جہاں محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور یہ سب اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے لئے کرر ہے ہیں نہ آپ نے منع فرمایا نہ ممانعت میں کوئی وحی اتری یہ تعظیم تکریم حد سے بڑھ کر مبالغے کے ساتھ ہے اور یہ عشق کا مقام ہے۔ صحابہ کرام سراپا عشق و محبت تھے محبوب کے موئے مبارک لینا بھی عاشق باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ اکثر صحابہ کرام موئے مبارک تبرکاً اور برائے حصول خیر و برکت اپنے پاس رکھتے تھے۔ صحابہ کرام کے یہ اعمال اتباع تعزیر اور عشق کے زمرے میں آتے ہیں۔

صحابہ کرام کے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کے انداز جدا جدا ہیں ہر انداز نیا رنگ لئے ہوئے ہے ہر پھول کی خوشبو اپنی الگ ہے۔ ہر منظر کی دلکشی منفرد ہے ہر واقعہ کی تاثیر نرالی ہے لیکن یہاں تو اجتماعی رنگ کی ایک دو جھلکیاں مشتے از خروارے کے مصداق دینا مقصود ہیں ایک جھلک اوپر آپ نے ملاحظہ کی اب منظر بدلتا ہے ایک دوسرا رخ بھی نظارہ کریں اور اندازہ لگائیں کہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز بھی کتنا کیف آور ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے اور راوی حضرت انس ہیں اور روایت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں مبتلا ہوتے ہیں مرض شدت اختیار کرتی ہے نقاہت و کمزوری فزوں تر ہوتی ہے مسجد آنا جانا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبرؓ

کوامامت کے فرائض تفویض فرماتے ہیں بیماری کی شدت میں تین دن تک مسجد تک آنا ممکن نہیں ہوتا ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت میں کچھ بہتری اور مرض میں افاقہ محسوس کرتے ہیں طبیعت ذرا سنبھلتی ہے یہ چہارشنبہ پیر کا دن تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے حجرے کے دروازے تک تشریف لائے۔ دروازے کا پردہ ہٹایا دیکھتے ہیں حضرت ابوبکر دن کی کسی نماز کی امامت فرمارہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ صفیں باندھے اقتداء کررہے ہیں صحابہ فرماتے ہیں ”پس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ مبارک کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہمیں دیکھنے لگے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرارہے تھے اور آپ کا چہرہ مبارک مصحف کا ورق لگ رہا تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الجماعۃ والامامہ)

اب حدیث کے الفاظ پیش نظر رکھیں۔ الفاظ پہ غور کریں جماعت ہو رہی ہے صحابہ قبلہ وکعبہ رخ ہیں۔ حالت نماز و جماعت میں نظریں سجدہ کی جگہ پہ ٹکی ہوتی ہیں اب اِس انداز میں کمی بیشی یا رخ میں فرق آئے تو نماز نہیں ہوتی۔ اب ذرا مسجد نبوی کا محل وقوع بھی ذہن میں رکھیں حاجی حضرات تو نظارہ کرتے ہیں۔ مسجد نبوی میں محراب آگے ہے بائیں جانب جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار مبارک ہے یہاں حجروں کی جائے مقام تھی یعنی محراب آگے حجرے پیچھے اب صحابہ کرام جو حالتِ جماعت میں ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس کیسے دیکھ لیا اور دیکھا بھی جی بھر کے اور بغور تبھی تو چہرۂ اقدس کی پوری کیفیت بیان کردی آپ کا تبسم فرمانا دیکھ لیا اور چہرے کی پوری کیفیت بیان کردی کہ چہرۂ مبارک یوں دکھائی دے رہا تھا جیسا کہ کھلا ہوا قرآن ہو یہ سب کیسے اور کیونکر ممکن ہوا یہ تبھی ممکن ہوا کہ صحابہ کرام نے چہروں کو قبلہ کی طرف سے موڑ لیا تھا اور آپ کے والضحیٰ والے مکھڑے کو تکنے لگ گئے تھے۔ تبھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی پوری کیفیت اور حالت بیان کردی۔ حضرت انسؓ آگے چل کر مزید فرماتے ہیں ”ہم نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو دیکھا تو اس سے اتنی خوشی و مسرت حاصل ہوئی کہ ہمیں اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں نمازیں ہی نہ توڑ دیں“۔ (صحیح بخاری)

عقل اور شریعت کا فیصلہ ہے کہ رخ قبلہ کی طرف سے مڑا تو نماز نہیں رہتی لیکن عشق کب عقل کے فیصلے مانتا ہے وہ تو دل کے تابع ہے عشق کا تو یہ فتویٰ ہے ازل سے۔

اذاں ازل سے تیرے عشق کا ترانہ بنی
نماز اُس کے نظارے کا اِک بہانہ بنی

حضرت علامہ سر محمد اقبال نے اِس شعر میں حضرت بلال کے عشق کی کیفیت بیان کی ہے

اداء دید سراپا نیاز تھی تری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تری

مجھے ہوش کب تھی رکوع کی مجھے کیا خبر تھی سجود کی
ترے نقش پا کی تلاش تھی کہ میں جھک رہا تھا نماز میں

میری زندگی بھی عجیب ہے میری بندگی بھی عجیب ہے
جہاں مل گیا تیرا نقش پا وہیں میں نے کعبہ بنا لیا

نمازیں جو قضا ہوں وہ پھر ادا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

حضرت ابو بکرؓ مصلّٰی چھوڑ کر پیچھے آنے لگے حضرت ابو بکر ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹے تا کہ صف میں مل جائیں انہوں نے سمجھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے باہر تشریف لا رہے ہیں۔ (صحیح بخاری)

جب سماں بدلنے لگا مقتدی نماز بھول گئے اِمام اِمامت بھول گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ

فرماتے ہوئے فرمایا ''اپنی نمازیں مکمل کرلو''۔

یہ تو تھیں ایک دو مثالیں صحابہ کرام کے جمیع طریق کی۔ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صحابہ کی سنت کی۔ وہ بطریق احسن اور پورے یقین سے یہ سمجھتے تھے کہ غلامی رسول ہی دراصل اطاعتِ الٰہی ہے شمع محمدی کے پروانے چہرہ والضحیٰ کو تکتے رہتے تھے ایک پل کی جدائی بھی گوارا نہ تھی آپ کے جمال میں کھوئے رہنا ان کا وظیفہ تھا یہی ان کا دستورِ عشق اور شیوۂ محبت تھا۔ صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اتنے وارفتہ تھے کہ جنوں کی حد تک محبت و عشق کرتے تھے۔ آؤ اب عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پرور مناظر دیکھیں اور اپنے ذوقِ عشق کو تسکین کا سامان فراہم کریں۔ آؤ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان افروز واقعات ملاحظہ کریں تا کہ ایمانوں میں پختگی، حلاوت اور حرارت آئے دعا ہے کہ ہمارے دلوں میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع روشن ہو جائے۔ دلوں میں سوز و ساز رُومی آجائے تا کہ جنون آشنا ہو جائیں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی ست

ماخذات: تذکار رسالت۔ ایمان کا مرکز و محور ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم استحکام ایمان کا واحد ذریعہ از مفکر اسلام، مفسر قرآن، دینی سکالر و محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

خلفائے راشدین

اور

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اور لقب عتیق اور صدیق تھا۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی۔ والدہ ماجدہ کا نام سلمٰی اور کنیت ام الخیر تھی۔ حضور اکرم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ پیارے صحابی حضرت صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال تین ماہ چھوٹے تھے اور اِن کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو برس تین ماہ بعد ہوئی یعنی تریسٹھ برس کی عمر میں؛ یوں وفات میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کا اتباع کیا۔ آٹھویں پشت میں مرّہ بن کعب پر آپ کا شجرہ نسب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو سامان تجارت کے علاوہ چالیس ہزار درہم نقد آپ کے پاس تھے آپ نے وہ سب رسول خدا محمد مصطفٰی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور اسلام کی اشاعت کیلئے خرچ کر دیا۔ آپؐ نے کافی غلام جو دولت ایمان سے مشرف ہو چکے تھے اور ان کے مشرک آقا ان پر ظلم کرتے تھے ان کو خرید کر کے آزاد کر دیا آپ کے آزاد کردہ غلاموں میں حضرت بلال، حضرت عامر بن فہیرہ بنی موصل اور بنت ھدیہ شامل تھے۔ آپ کی تبلیغ و کاوش سے حضرت عثمانِ غنی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمر بن عوف اور حضرت ابوعبیدہ ایسے جید صحابہ کرام دامن اسلام سے وابستہ ہوئے۔ سفرِ ہجرت میں رفاقت کا شرف نصیب ہوا اور یارِ غار کہلائے۔ مکہ میں جنوب کی طرف تین میل کے فاصلے پر غارِ ثور میں پناہ لی تین شب قیام کیا۔ اِس سفر میں حضرت ابوبکر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خدمت کی۔ غارِ ثور کی خلوتوں میں جب کوئی تیسرا موجود نہ تھا تو آپ نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت کے حسین لمحوں کو ہمیشہ کیلئے اپنے قلب و روح میں محفوظ کر لیا ان ساری عظمتوں اور فضیلتوں کے پیچھے جذبۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کارفرما تھا۔ ثابت ہوا جو دل بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہے اور جو قدم بھی اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے مردود

ہے وہ بھی سعادت کونین سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ سفر ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ ثور میں قیام کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے صدیق اکبر نے جا کر غار کو دیکھا۔ صاف کیا تمام سوراخ بند کیے اور مطمئن ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے کی دعوت دی پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لائے اور اپنے یار کے زانو پر سر رکھ کر محوِ استراحت ہو گئے۔ اس دوران ایک سوراخ جو بند ہونے سے رہ گیا تھا وہاں سے ایک زہریلے ناگ نے منہ باہر نکالا جب صدیق اکبر کی نظر پڑی تو اس خیال سے کانپ اٹھے کہ کہیں میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ پہنچائے اور مبادا ان کے آرام میں خلل آئے فوراً اس سوراخ میں پاؤں کا انگوٹھا دے دیا۔ سانپ نے انگوٹھے پہ ڈس لیا۔ زہر نے اثر دکھایا۔ چہرہ متغیر ہوا درد کی ٹیسیں اٹھیں لیکن پاؤں اس وقت تک نہ ہٹایا جب تک آقا صلی اللہ علیہ وسلم خود بیدار نہ ہوئے۔

عہد نبوت کے تیئیس (۲۳) سالوں میں بے شمار کٹھن، حوصلہ شکن اور صبر آزما مرحلے آئے غارِ ثور کی خلوت دار ارقم میں امتحان کے لمحات، شعب ابی طالب میں عسرت کی گھڑیاں لاکھ امتحانات آئے جور وستم کے وار ہوئے مگر کیا مجال کہ آزمائش کی ان گھڑیوں میں پیشانی صدیق پہ شکن تک آئی ہو جادہ حق پر گامزن قدم لمحہ بھر کو ڈگمگائے ہوں۔ ہر آن ہر قدم ہر دم ہر مرحلے میں اپنے محبوب کے ساتھ شانہ بہ شانہ۔

غزوۂ تبوک میں صدیق اکبر نے گھر کا سارا مال اسباب بارگاہِ مصطفوی میں پیش کر دیا خود ٹاٹ کا لباس زیب تن کر لیا۔ ببول کے تکمے لگائے یہ ادا بارگاہِ خداوندی میں اتنی مقبول ہوئی کہ خداوند تعالیٰ کے حکم پر جبریل امیں بارگاہِ رسالت میں حاضری دینے آئے تو انہوں نے بھی یہی لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے استفسار پر گویا ہوئے کہ یا رسول اللہ! مجھ پہ کیا موقوف آج تو ساری مخلوق سماوی نے یہی لباس پہنا ہوا ہے۔

شروع شروع میں جب کوئی حلقہ بگوشِ اسلام ہوتا تو اپنے ایمان لانے کو مخفی اور پوشیدہ رکھتا اور اس کی اجازت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صادر فرما رکھی تھی۔ اس کی چند وجوہات

تھیں ایک تو مسلمان قلیل تعداد اور انتہائی اقلیت میں تھے اور دوسری بات ایمان لانے والوں کی بیشتر تعداد کا تعلق نچلے ،مفلوک الحال اور مفلس طبقے سے ہوتا تھا۔مسلمانوں کی مجلس چوری چھپے دارارقم میں منعقد ہوتی تھی جب مسلمانوں کی تعداد ۳۹ تک پہنچی تو حضرت ابوبکر صدیق نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حرم پاک میں اعلانیہ تبلیغ کی اجازت چاہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ پس وپیش کے بعد اجازت مرحمت فرمادی سارے مسلمان حرم پاک میں جمع ہوئے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبہ دینا شروع کردیا یہ تاریخ اسلام میں پہلا خطبہ تھا۔اسی روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ ایمان لائے۔اور اس سے دو تین روز بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ میں نماز ادا فرمائی۔کفار پل پڑے۔گردن کے گرد چادر لپیٹ کر بل دیے۔جب صدیق اکبرؓ کو اس ظلم کی خبر ہوئی۔دوڑے آئے اور آقا پہ ڈھال بن کے لپٹ گئے۔کفار نے بہت زدوکوب کیا۔آپ پر غشی طاری ہوگئی جب ہوش آیا تو اپنی حالت بھول گئے سب سے پہلے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا اور بارگاہ اقدس میں لیجانے کی خواہش کا اظہار کیا۔دوسری روایت کے مطابق آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبے کی اجازت چاہی جو مرحمت فرمادی گئی۔آپ کا خطبے کا آغاز کرنا ہی تھا کہ قریش آپ پر پل پڑے اور اتنا مارا کہ آپ لہولہان ہوگئے اور آپ کا سارا جسم زخموں سے چور چور ہوگیا آپ کا تعلق بنو تمیم سے تھا کچھ لوگوں نے بنو تمیم قبیلے والوں کو جا کے بتایا وہ دوڑے دوڑے آئے عتبہ بن ربیع کو للکارا اور تمام قریش کو متنبہ کیا کہ اگر انہیں کچھ ہوگیا تو ہم عتبہ کو نہیں چھوڑیں گے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر ان کے گھر لے گئے آپ بیہوش تھے۔ سارے لوگ بمعہ آپ کے والدین (ابوقحافہ اور ام خیر) پریشان تھے شام کو کچھ ہوش آیا تو بولے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔ماں نے کہا مجھے تو کچھ خبر نہیں تو آپ نے ماں سے کہا ام جمیل بنت الخطاب کے پاس جاؤ اور حال دریافت کرو۔ماں ام جمیل (جو ایمان لا چکی تھیں لیکن اسلام کو پوشیدہ رکھا ہوا تھا) کے پاس گئیں ام جمیل نے جواب دیا مجھے کیا خبر تاہم میں آپ کے

ساتھ چلتی ہوں جب حضرت ابوبکر صدیق کا حال دیکھا تو آبدیدہ ہوگئیں آپ کے کان میں کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحیح وسالم ہیں اور دارارقم میں تشریف فرما ہیں آپ نے فوراً کہا مجھے وہاں لے چلیں ماں کی خواہش کہ کچھ کھا پی لیں کہ نقاہت وکمزوری بہت زیادہ ہے لیکن آپ نے قسم کھائی کہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کرلوں۔ آپ کی ماں آپ کو ساتھ لے کر دارارقم پہنچیں حضرت ابوبکر صدیق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی حالتِ زار دیکھ کر بہت روئے اور وہاں موجود مسلمان بھی زاروقطار روئے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کی کہ یہ میری والدہ ہیں آپ ان کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دولتِ ایمان سے سرفراز فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور آپ کی والدہ اسی وقت دولتِ ایمان سے سرفراز ہوگئیں۔

اعلان نبوت سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے حضرت ابوبکر بغرض تجارت یمن گئے وہاں آپ کی ملاقات ایک عمر رسیدہ شخص سے ہوئی۔ اس نے دیکھتے ہی آپ سے پوچھا کیا آپ حرم کعبہ اور مکہ مکرمہ سے تو تشریف نہیں لائے۔ آپ نے ہاں میں جواب دیا پھر اس نے آپ کے قبیلے کے بارے میں استفسار کیا تو آپ نے اپنے قبیلے کا نام ابوتمیم بتایا پھر اس شخص نے آپ کو پیٹ سے کپڑا ہٹانے کو کہا آپ نے اس وقت تک کپڑا اٹھانے سے انکار کر دیا جب تک وجہ نہ بتائی جائے اس پر اس بوڑھے شخص نے کہا کہ اس نے آسمانی کتابوں میں پڑھا ہے کہ مکہ مکرمہ میں نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوگا اس کے ایک پختہ عمر کے رفیق ہونگے جس کے پیٹ کے بائیں جانب ران پر ایک سیاہ تل ہوگا۔ مجھے لگتا ہے آپ وہی شخص ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو واقعی وہ تل موجود تھا اس شخص نے بھی ملاخطہ کیا اس شخص نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند اشعار آپ کے حوالے کیے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بطور نذرانہ پیش کرنے کیلئے کہا آپ فرماتے ہیں جب میں مکہ واپس لوٹا تو مجھے کچھ سردارانِ قریش ملے تو انہوں نے بتایا ابوطالب کے بھتیجے نے اعلانِ نبوت کیا ہے انہوں نے مجھے روکنے کیلئے کہا لیکن

مجھے یقینِ واثق کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلانِ نبوت جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ میں سیدھا در دولت پہ پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں مجھ پر ایمان لائیے اور دوزخ سے نجات پائیے" میں نے ازراہِ دوستی و تعلق یہ کہا کہ کوئی دلیل تو عنایت فرمائیے آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا اس دعویٰ کی دلیل وہ بوڑھا ہے جس سے آپ کی ملاقات یمن میں ہوئی میں نے کہا وہ تو بہت سے بوڑھے اشخاص سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مراد اس بوڑھے سے ہے جس نے آپ کو بارہ اشعار میرے لئے دیے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اشعار بھی سنا دیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فوراً آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور اعلان فرمایا "میں آپ پر اور آپ کے خدا پر بغیر دلیل کے ایمان لاتا ہوں"۔

کائناتِ عالم میں عشق و محبت کی نجانے کتنی داستانیں بکھری پڑی ہیں تاریخ اپنی آغوش میں ہزاروں اربابِ محبت کو سمیٹے ہوئے ہے مگر اس میں عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اپنے اندر ایک انفرادی شان، نمایاں پہچان، الگ حیثیت اور جداگانہ انداز لیے ہوئے ہے ۔اصحابِ رسول کی زندگی عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روح پرور مناظر اور ایمان افروز واقعات سے لبریز نظر آتی ہے۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے "اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ مجھ کو اپنے مال، اولاد اور جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے"۔ فرزند صدیق اکبر (حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر) مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد شفیق باپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں "پدرِ بزرگوار! جنگِ بدر میں ایسی ساعت بھی آئی کہ اگر میں چاہتا تو بڑی آسانی سے آپ کو تہہ تیغ کر سکتا تھا لیکن رشتہ پدری نے میری کلائی تھام لی اور میں ایسا کرنے سے باز رہا"۔ اس پر صدیق اکبر کے جذبہ عشق نے انگڑائی لی اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی آواز آئی "واللہ اگر تم میری تلوار کی زد میں آتے تو محبت رسول غالب آتی اور تلوار اپنا کام کر جاتی"۔

قانونِ قدرت ہے کہ موت نے سلسلہ زندگی منقطع کرنا ہی ہے حضرت صدیق اکبر

وصال سے چند ساعتیں پہلے اپنی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے۔ آپ کا وصال کس دن ہوا دراصل آرزو یہ تھی کہ دمِ مرگ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اور موافقت نصیب ہو۔

اللہ اللہ یہ شوقِ اتباع

کیوں نہ ہو صدیق اکبر تھے

کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ جنت البقیع میں صدیق اکبر کو دفن کیا جائے حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا میرے حجرے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ فرماتی ہیں مجھے غنودگی سی آئی۔ خواب میں آواز آئی حبیب کو حبیب کے پاس لاؤ۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ آواز مسجد نبوی میں موجود سب لوگوں نے سنی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد از مرگ میرے جنازے کو روضہ اقدس کے دروازے پر رکھ دیا جائے۔ السلام علیکم یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے اگر دروازہ کھل جائے تو مجھے اندر لے جایا جائے ورنہ کہیں اور دفن کر دیا جائے یہ آواز دینا تھی کہ دروازہ خود بخود کھل گیا اور ندا آئی حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ۔ صدیق اکبر کا ایمان تھا کہ حضور زندہ ہیں اور تصرف رکھتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مرض الموت میں ایک لشکر حضرت اسامہؓ کی سرکردگی میں روم کے مقابلہ پر بھیج چکے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر اطرافِ مدینہ کے بہت سے لوگ دین اسلام سے پھر گئے اور سیاسی حالات نے ابتری اور سنگینی کی حالت اختیار کر لی بیشتر صحابہ کرام کی رائے تھی کہ لشکر کو واپس بلا لیا جائے لیکن یہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عشق اور محبت رسول تھی کہ آپ نے برملا اعلان فرمایا "قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ابوقحافہ کے بیٹے (ابوبکر) سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس لشکر کو واپس لوٹائے جسے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا ہو خواہ کتے ہماری ٹانگیں کھینچ لیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر میں کبھی واپس نہیں بلا سکتا اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا باندھا ہوا پرچم کھول نہیں سکتا"۔ عشق کا

فیصلہ عقل پہ غالب رہا اور پھر دنیا نے اس فیصلے کا نتیجہ بچشم خود دیکھا کہ ساری سازشیں دم توڑ گئیں دشمن کے حوصلے پست ہوئے اور سیاسی حالات میں خود بخود بہتری اور سدھار آ گیا۔

ہجرت مدینہ کے موقع پر یار غار حضرت صدیق اکبر نے عشق ومحبت اور ایثار وقربانی کی وہ داستان رقم کی جس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر غار کے دہانہ پر پہنچے تو پہلے خود صدیق اکبر غار میں اترے اور اس کی صفائی کی غار کے تمام سوراخوں کو بند کیا پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر بلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر کے زانو پر سر رکھ کر آرام فرمانے لگے صدیق اکبر نے تمام سوراخ کسی نہ کسی چیز سے بند کر دیے ایک سوراخ کو بند کرنے کیلئے کوئی چیز نہ ملی تو اپنے پاؤں کے انگوٹھے کو ڈال کر اسے بند کر دیا۔ سانپ نے انگوٹھے کو ڈس لیا مگر صدیق اکبر نے نہ تو انگوٹھا سرکایا اور نہ ہی تکلیف کی شدت کا اظہار ہونے دیا لبوں کو سی لیا تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل نہ آئے۔ آخر ضبط اور صبر کا پیمانہ چھلک پڑا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جب آنسوؤں کے کچھ قطرے چہرہ اقدس پر گرے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور پوچھا صدیق کیا بات ہے تو آپ نے عرض کیا حضور سانپ نے انگوٹھے پہ ڈس لیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متاثرہ حصے پہ لعاب دھن لگایا تو آپ کو فوراً آرام مل گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ زہر سال میں ایک بار اپنا اثر دکھاتا تھا۔ حضرت صدیق اکبر مسلسل بارہ سال تک اس میں مبتلا رہے اور آخر اسی زہر کے اثر سے آپ نے شہادت پائی۔

غزوہ تبوک کے موقع پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شرکت اپنا ایک الگ اور منفرد انداز لیے ہوئے ہے یہ سال خشک سالی، تنگ دستی اور زبوں حالی کا سال تھا اس لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چندہ کی پرزور اپیل کی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کافی مالدار اور صاحب ثروت تھے انہوں نے بڑی فیاضی سے کام لیا اور گراں قدر مالی معاونت کی۔ حضرت عمر فاروق نے گھر کے اثاثہ کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کیا اور ایک حصہ حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا لیکن جو شرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا وہ کسی دوسرے کو حاصل نہ ہو سکا کہ آپ گھر کا تمام مال و متاع اور اثاثہ اٹھا کر لائے اور بارگاہ نبوی میں پیش کر دیا اس واقعے کو شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبال نے بصورت نظم اپنی شاعری میں رقم کر دیا جس کا آخری بند ہے

پروانوں کو چراغ، عنادل کو پھول بس
صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس

صحیح بخاری شریف میں سہل بن سعد ساعدیؓ سے مروی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ عمرو بن عوف میں صلح کروانے کے واسطے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت ہوا تو موذن نے حضرت ابوبکر صدیق سے پوچھ کر اذان دی اور انہوں نے نماز کی امامت شروع کی اس عرصہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور صف میں قیام فرمایا جب نمازیوں نے آقائے دو جہاں سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو دستک دینے لگے اس غرض سے کہ صدیق اکبرؓ باخبر ہو جائیں کیونکہ آپ کی عادت تھی کہ نماز میں محو اور مستغرق ہو جاتے تھے جب صدیق اکبر نے دستک کی آواز سنی تو دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں لہٰذا پیچھے ہٹنے کا قصد کیا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا کہ اپنی ہی جگہ پہ قائم رہیں۔ صدیق اکبر نے دونوں ہاتھ اٹھائے اس عنایت و کرم پر کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امامت کرنے کا اذن و حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابوبکر! جب میں تمہیں خود اجازت صادر فرما چکا تھا تو تم کو اپنی جگہ پہ کھڑے رہنے سے کون سی چیز مانع تھی۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی قحافہ کا بیٹا (ابوبکر) اس لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑا ہو کے نماز پڑھائے۔

سرور انبیاء، احمد مجتبیٰ، حبیب خدا، شرف انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان

فرماتے ہیں کہ مجھے آج آسمانوں کی سیر کرائی گئی جنت دوزخ دکھائی گئی مجھے معراج پر لے جایا گیا وضو کا پانی بھی بہتا رہا دروازے کی کنڈی بھی ہلتی رہی اور میں دیدار باری تعالیٰ سے مشرف ہوکر واپس بھی آ گیا۔ کفار نے مذاق اڑایا تمسخر کے نشتر چلائے۔ ابوجہل نے اسے دیوانے کی لاف زنی قرار دیا (نعوذ باللہ) حضرت ابوبکر نے ابھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ اعلان سماعت نہیں فرمایا تھا چونکہ ابھی ملاقات ہی نہ ہوئی تھی۔ ابوجہل حضرت ابوبکر کے پاس پہنچ گیا اور کہنے لگا ابوبکر کیا تم نے سنا کہ تمہارا نبی کہتا ہے کہ مجھے معراج ہوئی ہے تم ہی بتاؤ بھلا ایسا کیسے ممکن ہوسکتا ہے کیا تم اس کی تصدیق کرسکتے ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا اگر میرے محبوب، میرے ماویٰ و ملجیٰ، آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان معراج فرمایا ہے تو میں بغیر سنے اس کی تصدیق کرتا ہوں بعد میں تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں باریابی کا شرف نصیب ہوا تو عرض کی آقا کیا آپ نے معراج کا اعلان فرمایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں کیوں کیا بات ہے تو حضرت ابوبکر نے فرمایا کہ ابوجہل آیا تھا مجھ سے تصدیق چاہی تھی تو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے کیا جواب دیا تھا تو حضرت ابوبکر نے عرض کی میں نے فوراً تصدیق کردی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ''صدیق'' ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضور آئے تو صدیق اکبر کو صداقت ملی فاروق اعظم کو عدالت ملی۔ عثمانِ غنی کو شرافت ملی۔ حضرت مولیٰ علی کو شجاعت ملی امامت ملی۔ حسن و حسین کو شہادت ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے کلمے کو وحدت ملی۔ کعبۃ اللہ کو بتوں سے نجات ملی بندوں کو عزت ملی۔ غلاموں کو سیادت ملی۔ امت کو شریعت ملی اور ہم سیہ کاروں، گناہ گاروں، عاصیوں، بدکاروں کو شفاعت ملی۔ بقول نصیر الدین نصیر گولڑوی

مانا کے بے عمل ہوں نہایت برا ہوں میں
کتنے بڑے کریم کے در کا گدا ہوں میں

اور پھر

دامن مصطفیٰ سے جو لپٹا وہ یگانہ ہوگیا
جس کے حضور ہوگئے اس کا زمانہ ہوگیا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وصال فرمایا۔ دنیا سے ظاہراً پردہ فرمایا تو صحابہ کرام کی حالت دیدنی تھی۔ جب صحابہ کرام اور امت محمدیہ میں سے ہر شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر سوگوار تھا اور یاس وحرمان کی تصویر بنا ہوا تھا۔ تمام صحابہ کرام پر غم واندوہ کے بادل چھاگئے۔ غم والم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ چہرے بجھ گئے۔ خوشیاں رخصت ہوئیں۔ جسم بے سکت ہوگئے سکتہ طاری ہوگیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر نے بھی اس غم کا بہت زیادہ اثر لیا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر کے وصال کا سبب بھی یہی ہجر وفراقِ رسول ہی ہے آپ کا جسم اطہر اس صدمے اور فرقت سے لاغر ونخیف ہوگیا تھا۔ ایک مرتبہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں محبوب ومرغوب ہیں

(۱) خوشبو (۲) نیک خاتون (۳) نماز جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

عاشقِ صادق سیدنا صدیق اکبر نے سنتے ہی عرض کیا یارسول اللہ مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں

(۱) آپ کے والضحیٰ والے چہرہ اقدس کو تکتے رہنا۔ (۲) اللہ کا عطا کردہ مال آپ کے قدموں پہ قربان کرنا۔ (۳) اپنی بیٹی کا آپ کے عقد میں دینا

پھر صدیق اکبر کی ان تمناؤں کو کس طرح پذیرائی ملی۔ سفر وحضر میں رفاقت ملی غار ثور میں ہم نشینی کی سعادت ملی۔ اوصلوا الحبیب الی الحبیب کی اجازت ملی۔ غزوہ تبوک میں گھر کا تمام اثاثہ لا کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے "مجھے جس قدر نفع ابوبکر کے مال نے دیا کسی اور کے مال نے نہیں دیا" اور پھر فرمایا "کسی کا مجھ پر احسان نہیں جس کا میں نے بدلہ نہ دیا ہو سوائے ابوبکر کے کہ اس کے احسانات کا بدلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن خود عطا فرمائے گا" اور میری خواہش کو یوں قبولیت ملی کہ آپ کی بیٹی حضرت عائشہ کو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عقد میں لیا۔

حضرت عمر بن الخطاب
فاروقِ اعظم اور مدعائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عمر فاروق کا دورِ حکومت تاریخ اسلام میں ایک سنہری اور مثالی دورِ حکومت کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام تو ایک طرف تاریخ عالم میں مثال ملنا محال ہے۔ امن وامان، عدل وانصاف، سماجی ومعاشی مساوات، تنقید وباز پرس سب کچھ موجود تھا۔ کسی غیر مسلم یورپین مورخ کا قول ہے کہ اگر تاریخ اسلام میں ایک اور عمر فاروق آجاتا تو تمام عالم پہ مسلمانوں کی حکمرانی ہوتی۔ یہ بادشاہ نہیں خلیفہ ہے، یہ حاکم نہیں خادم ہے، راتوں کو گشت لگاتا ہے کہ کہیں کوئی بھوکا تو نہیں بھرے دربار میں ایک شخص کھڑے ہوکر کہتا ہے کہ امیر المومنین مال غنیمت میں سے جو کپڑا ہمارے حصہ میں آیا ہے اس سے چوغا نہیں بن سکتا آپ کا کیسے بن گیا ابھی آپ کچھ کہنے لگتے ہیں کہ آپ کا بیٹا حضرت عبداللہ کھڑے ہوکر کہتے ہیں کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا بھی اپنے باپ کو دے دیا تھا۔ یہ برداشت، یہ تنقید کا حوصلہ، یہ انداز حکمرانی واقعی عمرؓ فاروق کا حصہ اور امتیاز ہے آج کا کوئی حاکم ہوتا تو اس شخص کی کھال کھنچوا دیتا اسے غائب کروا کے عبرت ناک انجام سے ہمکنار کرتا اسے بولنے کی پاداش میں زبان کھنچوا کے ہمیشہ کیلئے خاموش کرا دیتا لیکن یہ کروفر والا بادشاہ نہیں قوم کا خادم ہے۔ اس کا قول ہے کہ اگر عمر کے دور میں دریائے دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو عمر جواب دہ ہوگا۔ اسی غرض سے راتوں کو گشت لگاتے ہیں تاکہ لوگوں کے احوال سے باخبر رہیں۔ بھوکوں کا پتہ چلے ایک رات اسی طرح معلوماتی گشت پر ہیں کہ ایک گھر میں دیکھا چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی عورت اون کات رہی ہے اور یہ اشعار پڑھ رہی ہے

علی محمد صلوۃ الابرار　　صلی علیہ الطیبون الاخیار

قد کنت قواما بکاء بالاسحار　　یالیت شعری والمنایا اطوار

هل تجمعنی وحبیبی الدار

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے تمام ماننے والوں کی طرف سے سلام ہو اور تمام متقین کی طرف سے بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام اور سحری کے وقت آنسو

بہانے والے تھے ہائے افسوس اسباب موت متعدد ہیں کاش مجھے یقین ہو جائے کہ روز قیامت مجھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو سکے گا"

یہ اشعار سن کر حضرت فاروق اعظمؓ کی حالت غیر ہو گئی۔ کیفیت بدل گئی۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں رواں ہو گئیں۔ اپنے آقا کی یادشدت سے آئی زاروقطار روتے ہوئے دروازے پر دستک دی خاتون نے پوچھا کون ہے؟ آپ نے جواب دیا عمر بن الخطاب۔ خاتون نے کہا راتوں کے ان اوقات میں عمر کو یہاں کیا کام۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھے جزائے خیر دے دروازہ کھول۔ اس نے دروازہ کھول دیا آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور کہا جو اشعار تو پڑھ رہی تھی ان کو دوبارہ پڑھ۔ اس نے دوبارہ اشعار پڑھے تو آپ کہنے لگے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل کر لے یہ کہہ "ہم دونوں کو آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نصیب ہو اور معاف کرنے والے عمر کو معاف کر دے۔

بقول حضرت سلیمان منصور پوری حضرت فاروق اعظمؓ اس کے بعد کئی روز تک بیمار اور صاحب فراش رہے (رحمۃ اللعالمین)

ایک روز حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں " یہ سن کر حضرت عمرؓ نے عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب کہیں تمہارا ایمان مکمل ہوا (صحیح بخاری شریف)

عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت عمر فاروقؓ حجر اسود کے سامنے کھڑے ہیں اور اس سے یوں مخاطب ہیں کہ میں تیری حقیقت سے بخوبی واقف ہوں کہ تو ایک پتھر ہے میں تجھے کبھی نہ چومتا اگر میں نے اپنے محبوب کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا۔

۔ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اقرار اور عشق کا اظہار

فرمانِ خداوندی ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ"۔

عدل دربارِ رسالت ملاحظہ ہو فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ خدا کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیے جاتے۔ ایک فیصلہ دربارِ رسالت میں لایا جاتا ہے ایک فریق یہودی ہے اور دوسرا فریق مسلمان۔ شہادت گواہی اور حقائق و واقعات کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ یہودی کے حق میں صادر فرماتے ہیں مسلمان یہودی سے کہتا ہے کہ ذرا فیصلہ حضرت عمر فاروق سے بھی کروالیا جائے۔ جب مقدمہ حضرت عمر فاروق کے پاس لایا جاتا ہے تو وہ پوچھتے ہیں کہ کیا اس مقدمے میں کسی اور کی رائے بھی لی گئی ہے تو یہودی نے کہا کہ دربارِ رسالت سے فیصلہ میرے حق میں ہوا ہے۔ مسلمان اقرار کرتا ہے۔ حضرت عمر فاروق اندر جاتے ہیں۔ تلوار لاتے ہیں اور اس مسلمان کا سر قلم کر دیتے ہیں اور فرماتے ہیں یہ میرا فیصلہ ہے کیونکہ جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی بخدا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے عدم اتفاق کرنے والا مسلمان نہیں ہے۔ جلال فاروقی مشہور تھا۔ حضرت عمر فاروق کے اس فعل پہ چہ میگوئیاں ہونے لگیں فوراً وحی کا نزول ہوا اور نصِ قرآنی نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس قول پہ مہر تصدیق ثبت کر دی (ضیاء القرآن)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

اس کی ذات سے محبت، اس کے حکم کی اطاعت

یہی زندگی کا مقصد، یہی اصل دین وایمان

بعض مفسرین کرام کے نزدیک اِس آیہ کریمہ کا شانِ نزول حضرت زبیر اور ایک انصاری کے درمیان پانی کی تقسیم کا تنازعہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ حضرت زبیر کے حق میں دیا اور انصاری کو گراں گزرا۔

حضرت عبید بن جریج نے حضرت عمر سے کہا میں نے دیکھا آپ نعل کے دباغت

شدہ چمڑے کا بے بال جوتا پہنتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایسا ہی جوتا پہنا کرتے تھے جس میں بال نہ ہوں اسی لئے میں بھی ایسا ہی جوتا پہننا پسند کرتا ہوں۔ (شمائل ترمذی)

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک ملاحظہ ہو۔ حضرت عمر فاروق نے اپنے دورِ خلافت میں وظیفے مقرر کیے تو حضرت اسامہ کا وظیفہ تین ہزار درہم مقرر کیا اور اپنے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر کا ڈھائی ہزار۔ حضرت عبداللہ نے شکایت کی اور کہا میں تمام غزوات میں شامل رہا ہوں اسامہ سے زیادہ غزوات میں حصہ لیا اور ابا جان آپ بھی ان کے والد زید سے کبھی پیچھے نہیں رہے تو پھر یہ تفریق کیوں؟ یہ سن کر حضرت عمر نے جواب دیا "لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تم سے اور ان کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اس لئے ان کا وظیفہ تم سے زیادہ مقرر کیا ہے"۔

واقعتاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اسامہ سے از حد پیار تھا آپ ان کو گود میں لے کر اسی طرح پیار کرتے تھے جس طرح اپنے نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کو کیا کرتے تھے یہاں تک کہ دو ایک مرتبہ آپ نے امام حسن کے ساتھ اسامہ کو اپنے زانو پر بٹھایا اور فرمایا یاالٰہی مجھے ان سے محبت ہے تو بھی ان سے محبت رکھ۔

حضرت اسامہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ دروازے میں سے گزرتے ہوئے گر پڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا "جلدی سے اٹھ کر بچے کو اٹھانا کہیں چوٹ نہ لگ گئی ہو۔ حضرت عائشہ ابھی اٹھ ہی رہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تیزی سے دوڑ کے اٹھا لیا اور مٹی میں لت پت بچے کو اٹھا کر پیار کیا۔ گرنے سے پیشانی پر زخم آ گیا تھا اس کا خون صاف کیا اور لعاب دھن لگایا۔ حضرت اسامہ بچپن سے ہی بہت خوبصورت تھے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھیل رہے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت سے مسکرا کر فرمایا "عائشہ! اگر اسامہ لڑکی ہوتا تو ہم اسے زیور پہناتے اور خوب بناؤ سنگھار کرتے تا کہ اس کا چرچا ہوتا پھر جگہ

جگہ سے اس کے رشتے کیلئے پیغام آتے"۔ فتح مکہ کے وقت حضرت اسامہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اونٹ پر سوار تھے حضرت بلال، حضرت عثمان بن طلحہ خانہ کعبہ کھلنے پر یہ چاروں اندر داخل ہوئے اور پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔

حضرت اسامہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے لاڈلے اور پیارے تھے کہ جو بات حضرت عائشہ کہتے ہوئے جھجکتی تھیں یہ بلا جھجک کہہ دیتے تھے اس لئے جب کسی کو بڑی سفارش کی ضرورت پڑتی لوگ اسامہ ہی کو تلاش کرتے اور آپ کی وساطت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو چیز اچھی اور بیش قیمت آتی وہ اسامہ کو عنایت فرماتے اور اپنے اہل وعیال اور اسامہ میں کوئی تفریق نہ کرتے۔ حضرت عمر کا غلام زید بن اسلم گدھے پر سوار بازار جا رہا ہے حضرت عمر بھی بازار جانا چاہتے ہیں غلام کو گدھے کو روکنے کیلئے کہتے ہیں غلام خود پیدل چلنے پر اصرار کرتا ہے اور آپ کو سوار ہونے کی درخواست کرتا ہے لیکن آپ غلام کے پیچھے سوار ہو جاتے ہیں مدینے کے باشندے عجب منظر دیکھتے ہیں کہ غلام آگے سوار ہے اور خلیفہ پیچھے۔ بیت المقدس کا دروازہ طویل جنگ کے بعد صلح اور امن کے ذریعے اس شرط پر کھلنا قرار پاتا ہے کہ حضرت عمر بیت المقدس تشریف لائیں۔ آپ بیت المقدس روانہ ہوتے ہیں اونٹ ایک ہے اور ساتھ غلام بھی ہے ایک منزل خلیفہ سوار ہوتا ہے اور ایک منزل غلام اور امیر المومنین مہار تھامتے بیت المقدس میں داخلے کے وقت غلام کی باری ہے اور بیت المقدس میں داخلہ اس شان سے ہوتا ہے کہ حضرت عمر مہار تھامے ہوئے ہیں اور غلام سوار ہے غلام اور فوج ہر چند عزت و وقار اور شوکت اسلام کا واسطہ دیتے ہیں لیکن آپ پرواہ نہیں کرتے اور یوں آپ حقیقی مساوات کا عملی نمونہ اور درس دیتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا یہ عالم تھا۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ تلوار سونت لی اور مسجد میں بیٹھ گئے اور اعلان کر دیا "جو یہ کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا میں اس کو قتل کر دوں گا کیونکہ حضرت موسیٰ کی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا کے پاس گئے ہیں

چالیس روز بعد واپس تشریف لائیں گے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس عجیب اعلان سے صحابہ کرام حیران اور دم بخود ہو گئے۔ حضرت صدیق اکبر اپنی قیام گاہ سے حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لائے اور فرمایا" میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں قسم خدا کی آپ کو دو موتیں نہ ہوں گی یعنی آپ وفات پا گئے ہیں۔ آپ کو دوبارہ موت نہ آئے گی۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں تشریف لائے اور فرمایا"لوگو! تم میں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسکو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا زندہ ہے اور زندہ رہے گا اس کو کبھی موت نہیں"۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں پس کیا وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مر جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو شخص اپنی پچھلی حالت پر لوٹ جائے گا وہ خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور شکر گزاروں کو خدا عنقریب بدلہ دے گا"۔

خدا، اس کے رسول اور دین اسلام سے محبت کی راہ میں مال، اولاد اور دوسرے خونی رشتوں کی محبت آڑے نہیں آنی چاہیے۔ رشتوں سے محبت ایک فطری تقاضا ہے اور ان میں بڑی کشش اور آزمائش ہے۔ عشق کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کبھی ایسے امتحان سے واسطہ پڑے کہ ایک طرف خدا اور رسول کی محبت ہو اور دوسری طرف نسبی رشتوں کی محبت تو ایک مومن اور عاشقِ صادق ان رشتوں کو اللہ اور اس کے محبوب کی محبت پہ قربان کر دیتا ہے۔ واقعہ کربلا اس کی بین مثال ہے جنگ بدر میں لڑائی اور قتال جاری ہے۔ حضرت عمرؓ بے دریغ تلوار کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ آپ کا حقیقی ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ غصہ میں بپھرا ہوا میدان جنگ میں نکلا۔ حضرت عمر فاروق خود مقابلے کو آگے بڑھے ایک طرف حقیقی ماموں اور دوسری طرف بھانجا۔ بھانجے نے تلوار کا ایسا کاری وار کیا کہ تلوار کاٹتی ہوئی عاص کے جبڑے تک اتر گئی۔ فاروق اعظم نے قیامت تک کے لئے مثال قائم کر دی کہ قبیلہ اور نسبی رشتے سب کچھ محبت رسول پہ قربان اور یوں حضرت عمرؓ نے عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صف میں جلی حروف سے اپنا نام درج کروایا۔

حضرت عثمان بن عفان

ملقب بہ غنی وذوالنورین

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم 6ہجری کو عمرہ کے ارادے سے مکہ مکرمہ کا قصد کرتے ہیں جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو قریش کے خوف وہراس کا علم ہوا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو نمائندہ بنا کے بھیجا کہ کفار قریش کو بتائیں کہ ہم جنگ کی غرض سے نہیں آئے اور انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ حضرت عثمان غنی مکہ کی جانب روانہ ہوئے حضرت ابان بن سعید اموی جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے انہوں نے حضرت عثمان کو پناہ وضمانت دی ادھر حدیبیہ میں مقیم مسلمان کہنے لگے کہ حضرت عثمانؓ خوش نصیب ہیں کہ انہیں طواف بیت اللہ نصیب ہوگیا۔ یہ سن کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ عثمان میرے بغیر طواف کریں۔ پھر اسی اثناء میں یہ افواہ اڑگئی کہ حضرت عثمان شہید کردیے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے بیعت لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور ادھر اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو اپنا ہاتھ قرار دیا

یَدُ اللّٰہِ فَوقَ اَیدِیھِم

واپسی پر جب صحابہ کرام نے حضرت عثمان سے طواف کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہء قدرت میں میری جان ہے اگر ایک سال بھی مکہ مکرمہ میں پڑا رہتا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف نہ کرتا حالانکہ قریش نے مجھے طواف کرنے کیلئے کہا تھا لیکن میں نے انکار کردیا''۔ تعظیم وادب کا یہ پاس، محبت وتکریم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا یقین کہ میرا فدائی، میرا جانثار، میرا عاشق ایسا ہرگز نہیں کرسکتا۔ آقا ہو تو ایسا، غلام ہو تو ایسا، رہنما ہو تو ایسا، امام ہو تو ایسا، ہادی ہو تو ایسا اور پھر مقتدی ہو تو ایسا، رہبر ہو تو ایسا اور حواری ہو تو ایسا

محمد کی غلامی دینِ حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک کہ آپس میں دعوتیں اور ضیافتیں حیثیت کے

مطابق کرتے رہا کرو ان میں عزیز و اقارب اور دوست احباب کو مدعو کرو اس سے آپس میں محبت والفت فزوں تر ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عزیز و اقارب اور صحابہ کرام کی ضیافتیں کیا کرتے تھے۔

ایک دن حضرت عثمان غنی نے دعوت کا اہتمام کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور شرکت کی استدعا کی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعوت کو شرف قبولیت بخشا اور صحابہ کرام کو بھی شرکت کا اذن عام دے دیا۔ وقت مقررہ پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی معیت میں پروانوں کے جھرمٹ میں حضرت عثمان کے گھر کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت عثمان اپنے آقا کے پیچھے چل رہے تھے آقا قدم اٹھا رہے ہیں حضرت عثمان قدموں کا شمار کر رہے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب گنتی کی آواز سنی تو دریافت فرمایا اے عثمان! قدموں کا شمار کیوں کر رہے ہو اور قدموں کی تعداد کیوں گن رہے ہو۔ حضرت عثمان عرض گزار ہوئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آقا کے جتنے قدم مبارک اس غلام کے غریب خانے کی طرف اٹھیں گے ہر ہر قدم کی تعظیم وتوقیر میں ہر قدم کے بدلے ایک ایک غلام آزاد کرونگا۔ چنانچہ حضرت عثمان کے گھر تک حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے قدم مبارک اٹھے اتنے ہی غلام حضرت عثمان نے آزاد کیے۔ حضرت عثمان بڑے متمول اور صاحب ثروت تھے۔ آپ جتنے غنی تھے اتنے ہی سخی تھے۔ غلام عموماً نچلے، کمزور اور مفلس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جب کوئی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا اس کا آقا اس پر دائرہ زندگی تنگ کر دیتا۔ ظلم و جبر، تشدد و ایذا کے حربے استعمال کرتا۔ اکثر حضرت عثمان غنی مدد کو آگے بڑھتے اور اپنے وسائل و دولت کے مصرف سے اس مظلوم طبقے کو رہائی دلاتے اس کی کئی مثالیں تاریخ اسلام سے ملتی ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ ایک دن وضو کر کے اٹھے تو مسکرانے لگے حالانکہ اس وقت کوئی دوسرا شخص وہاں موجود نہ تھا اسی اثناء میں ایک شخص کا وہاں سے گزر ہوا اور پوچھا آپ کیوں مسکرا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایک دفعہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ کھڑے تھے اور مسکرا رہے تھے

بس اسی یاد میں گم ہوں اور سنت پہ عمل کر رہا ہوں آپ کی اس ادا کی تجدید کر رہا ہوں اس منظر کے اعادے سے اپنے ایمان کو تازگی دے رہا ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ

سیف اللہ، فاتح خیبر، دامادِ رسول، حیدرِ کرار

حضرت علی شیر خدا، مشکل کشا، مدینۃ العلم کے باب، داماد رسول، بچوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے، سیف اللہ کا خطاب پانے والے، ہر غزوہ میں شریک اور داد شجاعت دینے والے۔ غزوۂ خیبر میں قلعہ فتح نہیں ہو رہا۔ تیسرے روز علَم لشکرِ اسلام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اسی دن خیبر فتح ہو جاتا ہے ادھر مرحب کا سر حضرت علی قلم فرماتے ہیں ادھر یہودی حوصلہ ہار دیتے ہیں اور خیبر کے قلعے پہ علَم اسلام بلند ہو جاتا ہے۔ فتح خیبر کے بعد لشکرِ اسلام واپس ہوتا ہے ایک جگہ پڑاؤ ڈالتا ہے۔ عصر کا وقت ہے ایک روایت میں آتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پہ تھکن کے آثار ہویدا ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر ادا فرمانے کے بعد قصدِ آرام کرتے ہیں۔ حضرت مولیٰ علی کے زانو پہ سر مبارک رکھتے ہیں اور آنکھ لگ جاتی ہے اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ جونہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم زانوئے علی پہ سر رکھ کر دراز ہوتے ہیں تو وحی کا نزول شروع ہو جاتا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابھی نمازِ عصر ادا نہ فرمائی تھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلتی ہے تو حضرت علی کے چہرے پہ حزن وملال کے آثار دیکھتے ہیں استفسار فرماتے ہیں تو حضرت علی جواب دیتے ہیں کہ نمازِ عصر قضا ہو گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انگلی کا اشارہ فرماتے ہیں ڈوبا ہوا سورج واپس عصر پہ آتا ہے حضرت علی کی نماز عصر ادا ہوتی ہے۔ چشمِ فلک نے دیکھا نظام کائنات بدلا وقت کے پیمانے بدلے اور کیوں نہ ہوتا کہ یہ سب کارخانہ قدرت، بزم کائنات، سورج چاند ستاروں کی بارات اور یہ بہاریں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ہی تو سجائی گئی ہیں۔ پھر یہ سب کچھ آپ کے تصرف واختیار میں کیوں نہ ہو

محمد نہ ہوتے خدائی نہ ہوتی

خدا نے یہ دنیا بنائی نہ ہوتی

اس سورج پلٹنے کے واقعے کی گواہی وتصدیق حضرت اسماء بنت عمیس نے دی "میں نے دیکھا کہ سورج ڈوب گیا، اندھیرا چھا گیا اور پھر یکا یک روشنی ہو گئی اور سورج پلٹ آیا"۔

ہجرتِ مدینہ کے وقت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اپنے بستر

پر سلانا جبکہ چاروں طرف دشمن قریش کے جوانوں نے مکان کو گھیرا ہوا تھا۔ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی بیّن مثال ہے۔ حکم محبوب پہ عمل کرتے ہیں۔ اطاعت محبوب میں زندگی کی پرواہ نہیں کرتے پتہ ہے دشمن کا گھیرا اور پہرا ہے دشمن کے ارادوں کا بھی علم ہے وہاں سونا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے اس رات یہ بسترِ استراحت نہ تھا بلکہ کانٹوں کی سیج تھی۔ یہاں سونا از خود اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کرنا تھا لیکن آپ پرواہ نہیں کرتے خطروں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ بستر پہ دراز ہو جاتے ہیں خود حضرت علی کرم اللہ وجہ کا فرمان ہے "میں بستر پر لیٹتے ہی نیند کی آغوش میں چلا گیا اتنی پرسکون نیند آئی کہ شاید زندگی میں کبھی آئی ہو میں خوب سویا چونکہ مجھے یقین تھا کہ دشمن میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا مجھے میرے آقا نے سُلایا ہے۔

غزوہ احد میں ایک وقت اور ایک مقام ایسا بھی آیا کہ مسلمانوں کی فتح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی وجہ سے بظاہر شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر کی سربراہی میں درہ پر متعین دستہ نے جونہی اپنی جگہ چھوڑی مسلمانوں کی صفوں میں ابتری و بدنظمی آگئی۔ دشمن نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دشمن نے افواہ اڑا دی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ شہید ہو گئے۔ یہ سننا تھا کہ حضرت علی نے اپنی جان اور زندگی کو عبث اور فضول گردانا کیونکہ

غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے
جو ہو نہ عشقِ مصطفیٰ تو زندگی فضول ہے

آپ دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ خوب تلوار چلائی۔ دشمن اِدھر اُدھر ہوتا گیا۔ اسی اثناء میں آپ کی نظر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑتی ہے۔ آپ کا نظر آنا تھا کہ حضرت علی کے چہرے پہ بشاشت و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ آپ فرماتے ہیں میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچ گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اشارہ کیا کہ انہیں روکو میں نے تنہا اس جماعت کے حملہ کو روکا۔ پھر ایک اور جتھہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا میں نے یکہ و تنہا اسے

بھی روکا اسی موقع پہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار اور عاشق صادق حضرت علی کے بارے میں فرمایا ''بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں''۔ ایسے عشق کی دولت کسے ملی اور ایسا اعزاز کسے نصیب ہوا۔

اعلانِ نبوت کے بعد حکم خداوندی ہوا

اَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِین

تبلیغ اور ڈرانے کی ابتدا اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے کریں۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ سے دعوت کے انتظام وانصرام کے لیے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا ''ایک صاع کھانا ہو اور اس پر ایک بکری کی بھنی ہوئی ران ہو اور ایک دودھ کا کٹورا ہو''۔ حضرت علی فرماتے ہیں خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ اتنا کھانا تھا کہ صرف ایک آدمی سیر ہو کے کھا سکتا تھا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو خاندانِ عبدالمطلب کو دعوت دی جن کی تعداد چالیس مرد تھے اور ان میں آپ کے چار چچا ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابولہب شامل تھے۔ جب میں نے کھانا لگا دیا تو کھانا شروع ہونے سے پہلے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گوشت کا ٹکڑا ران سے توڑا۔ دانتوں سے چیرا اور دستر خوان پر دوبارہ رکھ دیا۔ سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا۔ کھانا کھانے کے بعد آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب ان کو دودھ پلاؤ۔ وہ دودھ اتنا تھا جو صرف ایک آدمی کیلئے مشکل سے کافی تھا لیکن سب نے سیر ہو کر پیا۔ اس سے پہلے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم دعوتِ اسلام دیتے اور تبلیغ کا آغاز کرتے۔ ابولہب بول اٹھا اور مدعوئین سے مخاطب ہوا اور کہا کہ تم نے میزبان کے جادو کے کمال کو دیکھا کہ معمولی سا کھانا چالیس کیلئے کافی ہوا اور ایک چھوٹا سا کٹورا دودھ کا چالیس آدمیوں کو سیراب کر گیا۔ یہ سنتے ہی سب لوگ اٹھ کر گھروں کو چل دیے آپ مایوس نہ ہوئے اور اگلے دن اتنے ہی کھانے کا مجھے دوبارہ اہتمام کرنے کو کہا میں نے اتنے ہی کھانے کا انتظام وانصرام کیا جب سب کھانا تناول فرما چکے اور دودھ نوشِ جاں کر چکے تو آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنو عبدالمطلب اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ

تمہیں اللہ کے دین کی دعوت دوں۔ میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے نبی اور رسول مبعوث ہوا ہوں تم میں سے کون ہے جو ایک خدا اور میرے پر ایمان لائے اور بتوں کی پوجا کو چھوڑ دے سب خاموش رہے اور کوئی ایمان نہ لایا۔ میں گو بچہ تھا اور سب سے کم عمر تھا میں نے کہا ''میں آپ کا دین قبول کرتا ہوں آپ کا وزیر بنتا ہوں اور آپ کی مدد وحمایت کا وعدہ کرتا ہوں''۔

سرورِ دو جہاں اور آقائے کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کلائی تھام لی اور فرمایا ''تم میرے بھائی ہو اور وصی ہو''۔ یہ اعزاز، یہ مقام، یہ مرتبہ بلند ہر ایک کے نصیب میں کہاں اور یہ سرفرازی و اِکرام ہر ایک کے حصے میں کہاں۔

حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضے

عشق ومحبت کے تقاضے اور شرائط

سورہ توبہ میں ارشاد خداوندی ہے

"آپ فرمادیں اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے تمہارے بھائی، تمہارا کنبہ اور تمہارے کمائے ہوئے مال اور تمہاری پسندیدہ رہائش گاہیں یہ سب اگر تم کو اللہ، اللہ کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ محبوب ہوں تو تم اللہ کے حکم (عذاب) کا انتظار کرو اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔

یہ امر اظہر من الشمس ہے اور اس کی گواہی ہر مذہب، ہر قوم، ہر فرد، ہر ملک اور ہر علاقہ دیتا ہے کہ انسان کو خواہ وہ کسی علاقے کا مکین ہو کسی مذہب سے اس کا تعلق ہو اپنے والدین، بہن بھائی، بیوی، اولاد، خاندان، مال وجائیداد، تجارت اور مکان وغیرہ سے محبت فطری ہوتی ہے اور یہ قدرتی چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ خدائے بزرگ وبرتر اپنے بندوں کو خبردار وآگاہ فرماتا ہے کہ اگر تمہارے اندر مذکورہ بالا چیزوں کی محبت میری اور میرے محبوب کی محبت سے بڑھ جائے تو اپنے ایمان کی فکر کرو گویا تم خطرہ کی حد میں داخل ہو چکے ہو اور بہت جلد تم کو میرا غضب وعذاب اپنی گرفت میں لے لیگا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اس سے پتہ چلا کہ مومن کی پہچان کا معیار یہ ہے اس کے مومن ہونے کی پرکھ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کس قدر محبت وعشق رکھتا ہے اس سے یہ امر بھی پایہ ثبوت کو پہنچا اور یہ بات مصدقہ ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہ صرف فرض عین ہے بلکہ جان ومال، خویش واقارب، مکان وتجارت سب پر مقدم ہے

؎ جسے نصیب نہیں تیرے عشق کی دولت
وہ بادشاہ بھی مجھ کو غریب لگتا ہے

؎ محمد کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

رشتوں ناطوں اورنسب کی قربانی

پھر خود رسولِ خدا، محمد مصطفیٰ، حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں''۔

اب ذرا تاریخ اسلام پہ نظر ڈالیں، صحابہ کرام کی زندگیوں کا مطالعہ کریں آپ یہ دیکھیں گے کہ صحابہ کرام کی زندگیاں اس آیت مبارکہ اور اس حدیث مقدسہ کی عملی تفسیر و تصویر نظر آتی ہیں

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے جنگ احد میں اپنے والد کو قتل کیا جو قریش کی طرف سے غزوہ احد میں شریک تھے اور ابھی ایمان نہ لائے تھے اور اسی طرح اسی غزوہ میں حضرت حنظلہ مسلمانوں کی طرف سے لڑ رہے تھے اور ان کا باپ ابوعامر قریشِ مکہ کی طرف سے جنگ کر رہا تھا۔ حضرت حنظلہ نے اجازت چاہی کہ سیدھا اپنے باپ پر حملہ کرے لیکن رحمۃ اللعالمین نے بیٹے کو ایسا کرنیکی اجازت نہ دی۔ حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا۔ حضرت عمر نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا۔ حضرت علی اور حضرت حمزہ نے ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کو غزوہ بدر میں قتل کیا جو ان کے قرابت دار تھے۔

مکان کی قربانی

ایک صحابی نے مکان اوراس کے اوپر چوبارہ بنایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو صحابہ سے دریافت فرمایا کہ یہ مکان کس نے بنایا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ فلاں صحابی نے بنوایا ہے آپ آگے چلے گئے جب وہ صحابی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب نہ دیا اس صحابی نے دیگر صحابہ کرام سے ناراضگی کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے سارا واقعہ سنا دیا۔ وہ صحابی گھر گیا اور مکان بمعہ چوبارہ کے فوراً گرا دیا تو اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا ''ہم تو اس دنیا سے جو ناپائیدار اور عارضی ہے جلد چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں اور تو ہے کہ اس میں گم اور کھو جانا چاہتا ہے''۔

مال وجائیداد کی قربانی

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی اپیل کی ہر ایک صحابی نے مقدور بھر چندہ دیا حضرت عثمان غنی کافی مالدار اور متمول تھے کافی چندہ دیا حضرت عمر فاروق نے گھر کے تمام اثاثے کو دو برابر حصوں میں تقسیم کیا۔ آدھا حصہ اٹھا کر بارگاہِ رسالت میں لے آئے اور آدھا گھر کی ضرورتوں کیلئے چھوڑ دیا جب باری آئی یار غار صدیق اکبر کی تو گھر کی کل کائنات تمام متاع واثاثہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لا کے ڈھیر کر دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ گھر میں کیا چھوڑ کر آئے ہو تو صدیق اکبر کا جواب تھا ''خدا اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم''۔

جان کی قربانی

ایک روز حضرت عمر فاروق نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری جان کے علاوہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک مین اس کے نزدیک اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروق نے عرض کیا ''اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی آپ میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں''۔ اس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اب تمہارا ایمان مکمل ہوا''۔ (صحیح بخاری شریف)

اگلے صفحات میں اس کی مثالیں اور تفصیل آئے گی کہ صحابہ کرام شمع محمدی کے پروانوں، ناموس رسالت کے پاسبانوں اور فدائیان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح اپنی جان اور زندگیوں کے نذرانے پیش کیے۔

؂ جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

؂ غلامان محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
سر رہ جائے یا کٹ جائے پرواہ نہیں کرتے

تعظیم وکریم

قرآن ناطق ہے ''بے شک ہم نے آپ کو شاہد، خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا تا کہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح شام اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرو''۔

اس آیہ کریمہ میں ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا مطالبہ کیا گیا ہے اس کے بعد رسول معظم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر اپنی تسبیح کا تقاضا کیا ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے والوں کی کامرانی کا اعلان اس طرح فرماتا ہے ''جو لوگ رسول پر ایمان لائے اور آپ کی تعظیم کی اور آپ کو نصرت وتوانائی دی اور آپ کے ساتھ اترنیوالے نور کی پیروی کی بس یہی لوگ کامیاب ہیں''۔

قرآن مجید کے یہ ارشاداتِ گرامی صحابہ کرام کے پیشِ نظر تھے اس لئے انہوں نے اپنے آقا ومولیٰ کی ایسی تعظیم وتوقیر کی جو بے مثال ہے لاجواب ہے۔ جاںنثاری، ایثار وقربانی کی ایسی مثالیں قائم کیں جو تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں اور تاریخ اسلام کے درخشندہ باب ہیں ایک مجموعی جھلک ملاحظہ ہو۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کے نمائندہ عروہ بن مسعود جو ابھی ایمان نہ لائے تھے صحابہ کرام کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محبت وتوقیر وتعظیم وتکریم کا احوال یوں بیان کرتے ہیں۔

''اے لوگو! خدا کی قسم میں بادشاہوں اور شہنشاہوں کے درباروں میں گیا ہوں۔ قیصر وکسریٰ اور نجاشی کے درباروں میں سفارت کی ہے۔ خدا کی قسم کسی بادشاہ، شہنشاہ یا تاجدار کی اتنی تعظیم ہوتے نہیں دیکھی جتنی تعظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے صحابہ کرتے ہیں۔ وضو کے پانی کے لئے لڑ پڑتے ہیں۔ پسینہ کے قطرے بطور خوشبو اکٹھا کرتے ہیں جب آپ گفتگو کرتے ہیں تو وہ خاموش اور پرسکون رہتے ہیں اور تعظیم وتوقیر کی وجہ سے ان کی طرف نظر بھر کر دیکھتے تک نہیں''۔

صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں کس قدر باادب ومودب رہتے تھے اس کا نقشہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کچھ یوں کھینچا ہے

''جس وقت آپ گفتگو فرماتے آپ کے اصحاب اس طرح سر جھکا لیتے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں''۔

جو کوئی بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتا۔ کلمہ پڑھتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے فیض یاب ہوتا۔ آپ کے اوصافِ حمیدہ کو دیکھتا۔ اخلاقِ حسنہ کو ملاحظہ کرتا۔ دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھوں کو مشرف کرتا ان کی محفل میں مواعظ حسنہ سنتا تو آپ کا گرویدہ ہو جاتا ایسا انقلاب برپا ہوتا کہ سرتاپا بدل جاتا۔ کئی رئیس وامیر بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے تو نانِ جویں پہ گزارہ کیا خوش پوش تھے تو پھٹے پرانے اور رفو شدہ کپڑوں پہ اکتفا کیا۔ تخت نشین تھے تو فرش نشین ہو گئے۔ آرام دہ بستروں پہ لیٹنے والے بوریہ نشین بن گئے۔ خوش خوراک تھے تو کئی کئی دنوں کے فاقے اختیار کیے۔ مالدار تھے تو سارا مال غریبوں مسکینوں پہ راہِ خدا میں لٹا دیا کسی نے راہِ خدا میں خویش واقارب، ماں باپ، بہن بھائی چھوڑے۔ کسی نے مال ومتاع وجائیداد چھوڑی۔ کسی نے غلامی کو آزادی پہ ترجیح دی۔ کسی نے کوڑے کھائے اور اُف نہ کی۔ کوئی انگاروں پہ لٹایا گیا پشت کی چربی اور کھال جل گئی لیکن محبوب کا ذکر الاپتا رہا۔ احد احد اور محمد پکارتا رہا۔ کسی نے سولی کا پھندا عشقِ مصطفیٰ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زیب گلو کر لیا۔ عجیب لوگ تھے طرفہ انقلاب تھا جس نے بھی چہرہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا وہ یکسر بدل گیا۔ خواہ وہ جوان تھا یا بوڑھا۔ پختہ عمر تھا یا کمسن۔ عورت تھی یا مرد یہاں تک کہ بچوں نے دیدار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھوں کو سیراب کیا تو جوانوں سے بڑھ کر کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ سرفروشی وجانبازی کی عدیم المثال داستانیں رقم کیں۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صورت ہادی

عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

حضرت ابو سعید خدری جنگ احد کے وقت کم سن تھے۔ عمر صرف تیرہ سال تھی غزوہ میں شمولیت کے خواہشمند تھے لیکن کم سنی کے باعث واپس کر دیے گئے پھر استدعا کی لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی تم کم سن ہو لیکن باپ نے پھر پکڑ کر پیش کیا مگر والی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی۔ حضرت اسامہ بن زید، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، براء بن عازب، عمرو بن حزم، اسید بن ظہیر انصاری، ابو سعید خدری، عرابہ بن اوس، زید بن ارقم، سعد بن عقیب، سعد بن جتہ، زید بن جاریہ انصاری اور جابر بن عبداللہ سب کو واپس کر دیا گیا۔

غزوات کے حوالے سے
عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مظاہرے

غزوہ بدر

غزوہ بدر کے وقت حضرت انس کی عمر صرف بارہ سال تھی اس لئے واپس کر دیے گئے غزوہ بدر کے وقت عمیر وقاص اور سعد بن جثہ بھی کم سن تھے۔ حضرت سعد جنگ میں شمولیت کیلئے مصر تھے۔ ان کے والد بھی جنگ میں شمولیت کر رہے تھے۔ باپ اور بیٹا دونوں شمولیت پہ بضد تھے۔ آخر معاملہ بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لایا گیا یہ بھی عجیب منظر تھا لوگ حیلوں بہانوں سے جنگ سے کتراتے ہیں جنگ کی ہولنا کیوں سے گھبراتے ہیں لیکن ادھر باپ بیٹا دونوں جنگ میں شمولیت کیلئے بضد ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے جذبہ جہاد کے پیش نظر فیصلہ قرعہ اندازی پہ ڈال دیا۔ قرعہ اندازی ہوئی لیکن قرعہ فال بیٹے یعنی حضرت سعد کے نام نکلا۔ حضرت سعد کو اِذن جہاد ملا خوش نصیبی اور عالی بختی ملاحظہ ہو کہ یہ کم سن مجاہد اسی غزوہ میں شہید ہوا اور سعادت دارین کا حقدار ٹھہرا۔

غزوہ بدر کے وقت عمر بن سعد بن ابی وقاص کی عمر 16 برس تھی۔ جنگ میں شمولیت کے شدید خواہش مند تھے۔ نظریں بچا بچا کے چھپ چھپا رہے تھے کہ کہیں واپس نہ کر دیے جائیں لہٰذا ان کی باری آئی تو انہیں بھی واپس جانے کا حکم ملا انہوں نے رونا شروع کر دیا نبی اکرم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس معصومانہ ادا پہ شمولیت کی اجازت مرحمت فرما دی۔

ایک طرف مکمل کانٹے سے لیس ہزار کا لشکر اور دوسری طرف بے سروسامانی کے عالم میں تین سو تیرہ مجاہدین جن کے پاس 70 اونٹ، دو گھوڑے۔ روانگی کے وقت تین تین مجاہدین کے حصہ میں ایک اونٹ آیا جو باری باری سواری کرتے تھے۔ میدانِ بدر میں ایک طرف ابو جہل ہے جو غرور تکبر میں بدمست ہے طاقت کے نشے سے چُور ہے دوسری جانب آقائے دو جہاں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم چند نہتے جانثاروں کے ساتھ۔ قریش مسلمانوں کو کمزور سمجھ کے مدینہ پر چڑھائی کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو قریش کے مقابلہ کیلئے پکارتے

ہیں آپ کی آواز پر صحابہ کرام اپنی جانوں اور مال و متاع کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ادھر ابو جہل لات و منات کی قسم کھاتا ہے کہ آج مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔ ادھر سرورِ انبیاء، احمد مجتبیٰ، رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہِ ایزدی میں سجدہ ریز ہیں اور دست بدعا ہیں۔

''اگر یہ مٹھی بھر مسلمان مٹ گئے تو قیامت تک تیرا نام لیوا کوئی نہ ہوگا''۔

لشکر کی تیاری اور روانگی کا حکم ہوتا ہے تو کم سن بچوں صغیر السن اور نوخیز نوجوانوں کو واپس بھیج دیا جاتا ہے ان میں ابن عمر، براء بن عازب، انس بن مالک، جابر زید بن حارث اور رافع بن خدیج کو کمسنی کی وجہ سے واپس کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عمیر جنگ میں شمولیت کے بڑے خواہش مند ہیں ان کی عمر 16 سال ہے اور وہ نظر بچا بچا کے چھپتے چھپاتے پھر رہے ہیں کہ کہیں واپس نہ کر دیے جائیں۔ لہٰذا ان کی باری آئی اور ان کو واپسی کا حکم ملا تو یہ کمسن مجاہد زار و قطار رونے لگا۔ ان کا شوق، جذبہ اور خواہش کو دیکھتے ہوئے نبی مکرم، آقائے اعظم، رؤف الرحیم نے اِذنِ جہاد عطا فرما دیا اسی طرح انصار کے دو کمسن بچے عفراء کے لختِ جگر حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما ایڑھیاں اونچی کر کے کھڑے ہیں تاکہ دراز قد لگیں اور اِذنِ جہاد عطا ہو جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جذبہ جہاد دیکھتے ہوئے انہیں اجازت مرحمت فرما دی۔ جب جنگ اپنے عروج پہ پہنچی گھمسان کا رن پڑا جب بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہونے لگے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگتے ہیں تو دو کمسن نوجوان ان کے دائیں بائیں ہیں اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ اگر توانا و تجربہ کار مجاہد اس کے دائیں بائیں ہوتے تو وہ ذرا محفوظ ہوتا۔ اسی اثناء میں دائیں جانب والا نوجوان میرے کان میں پوچھتا ہے کہ ابوجہل کون سا ہے اور کہاں ہے۔ اسی دوران ابوجہل مجھے میدانِ جنگ میں نظر آ جاتا ہے میں اشارے سے اسے بتاتا ہوں۔ میں وجہ پوچھتا ہوں تو وہ جواب دیتا ہے کہ وہ بدبخت ہمارے آقائے معظم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا کلمات کہتا ہے آج ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے ہم نے اسے واصل جہنم

کرنے کی قسم کھائی ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ میرا اشارہ کرنا تھا کہ دونوں بچے غضب ناک باز اور خونخوار شیر کی طرح جھپٹے اور دیکھتے ہی دیکھتے ابوجہل کو زمین پر گرا دیا اور وہ تڑپنے لگا جنگ کے خاتمے پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن مسعود کو ابوجہل کی خبر لانے کیلئے بھیجا تو انہوں نے دیکھا کہ ابوجہل ابھی زندہ ہے انہوں نے اپنی تلوار سے اس دشمنِ خدا اور رسول کا خاتمہ کر دیا جب حضرت معاذ اور معوذ ابوجہل کو گرانے کے بعد پلٹے تو ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اپنے باپ کی مدد کو آیا۔ اس نے حضرت معاذ کے کندھے پر تلوار کا وار کیا اور بازو کاٹ دیا لیکن تسمہ قائم رہا اور بازو لٹکنے لگا۔ حضرت معاذ نے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ بھاگ گیا۔ حضرت معاذ اسی حالت میں لڑتے رہے جب کہ لٹکتا ہاتھ تکلیف دیتا تھا اور لڑائی میں مانع اور حارج ہو رہا تھا۔ آپ نے بازو پاؤں کے نیچے دے کر کھینچ کر الگ کر دیا اور جنگ میں مسلسل مصروف رہے۔ یہ معاذ حضرت عثمان غنی کے دور خلافت تک زندہ رہے۔ چشمِ فلک نے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ولولہ انگیز منظر بھی دیکھا۔

اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

قریش کے مدینہ منورہ پر حملے اور کفار مکہ کی جنگی تیاریوں کی خبر جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے مہاجرین و انصار کو طلب فرمایا تا کہ مشورہ کیا جائے اور سب کو اعتماد میں لیا جائے۔ جب مہاجرین و انصار اکٹھا ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تمام حالات سے آگاہ فرمایا اور سب کی رائے طلب کی اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑی موثر تقریر کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی خطاب فرمایا لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز انصارِ مدینہ کے خیالات و احساسات و جذبات کے اظہار کے منتظر تھے آپ نے کئی بار مشورہ طلب فرمایا تا کہ دیکھا جائے کہ انصار میں سے بھی کوئی بولتا ہے یا نہیں یہ دیکھ کر اور اشارہ پا کر انصار میں

سے حضرت سعد بن عبادہ جو بنوخزرج کے سردار تھے کھڑے ہوئے اور کہا کہ شاید حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہماری طرف ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہی ہے اس پر حضرت سعد کہنے لگے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کہ ہمیں اگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم سمندر میں کود جانے کا حکم صادر فرمائیں گے تو ہم بے دریغ چھلانگیں لگا دیں گے بالکل گریز نہیں کریں گے۔ ان کے بعد حضرت مقداد کھڑے ہوئے اور گویا ہوئے ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم قوم موسیٰ نہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا تم اور تمہارا خدا جا کے فرعون سے لڑے ہم ہرگز نہ جائیں گے بلکہ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں جانب سے لڑیں گے اور آگے پیچھے سے لڑیں گے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جانیں نچھاور کریں گے جس طرح پروانے شمع پر قربان ہوتے ہیں''۔ یہ تھا انصار و مہاجرین کا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ عشق اور یہ تھی انصارِ مدینہ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت۔

بدر کے مقام پر پڑاؤ ڈالنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود میدانِ جنگ کا جائزہ لیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گو عملی طور پر کسی عسکری اکیڈمی میں باقاعدہ تربیت حاصل نہیں کی اور آپ دنیاوی تربیت کے محتاج بھی نہیں تھے آپ کی تعلیم و تربیت باری تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی تھی۔ آپ فوج کی تربیت خود فرماتے جنگی حکمت عملی خود طے کرتے ایسی حربی چالیں چلتے کہ دشمن کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوتا اور دشمن ششدر رہ جاتا۔ اس لئے تاریخ عالم نے آپ کو عظیم سپہ سالار تسلیم کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کے مقابلہ میں غزوۂ بدر میں نفری کم تھی۔ ہتھیاروں کی قلت تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قلیل نفری کو اس طریق سے منظم لڑایا کہ شکست دشمن کا مقدر بنی اور فتح مُبین آپ کے حصہ میں آئی۔ پھر نصرت و تائید ایزدی بھی ہمیشہ آپ کے شامل حال ہوتی۔ جنگ شروع ہونے سے قبل ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مقامات کی نشان دہی فرمادی

کہ فلاں کافر اس مقام پر قتل ہوگا اور فلاں سردار کی مقتل یہ جگہ ہوگی اگلے دن جنگ میں جو سردار مارے گئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اشارہ شدہ جگہ ہی مقتل بنی۔ عین اسی جگہ پر قتل ہوئے جن جگہوں کی طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا تھا۔ اگلے دن صبح سویرے صحابہ کرام نے وضو کر کے نمازِ فجر ادا کی پھر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد پر بلیغ اور جامع خطبہ ارشاد فرمایا پھر حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود اپنی فوج کی صف بندی کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تیر کی لکڑی تھی اور اس کے اشارے پر آگے پیچھے ہونے کا حکم صادر فرما رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہ انصاری ذرا آگے نکلے ہوئے تھے آپ نے ان کے پیٹ پہ ٹھوکہ دے بکے فرمایا ''استو یا سواد'' (یعنی اے سواد برابر ہو جاؤ) اس پر حضرت سواد عرض کرنے لگے ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو حق و انصاف قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے پیٹ پر زور سے ٹھوکا دیا ہے اور مجھے شدید تکلیف ہو رہی ہے میں آپ سے قصاص وانصاف چاہتا ہوں''۔ اس پر آقائے دو جہاں، خواجہ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھا دیا اور شکم مبارک ننگا کر دیا اور حضرت سواد سے فرمایا قصاص لے لو۔ صحابہ کرام ششدر و حیراں اور بعض صحابہ تو جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور رو پڑے لیکن اس عاشق صادق کی ترکیب عدیم المثال بھی دیکھئے کہ حضرت سواد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر بوسہ دیا اور گلے لپٹ گئے۔ اس پر تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے سواد تو نے ایسا کیوں کیا تو سواد نے جواب دیا ''حضور جنگ درپیش ہے کیا خبر کس وقت موت آ جائے میں چاہتا تھا کہ آخر وقت آپ کے جسم اطہر سے مس ہو جاؤں''۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد کیلئے دعا فرمائی۔ حضرت سواد کا یہ تھا انوکھا طریقہ اپنے اظہار عشق کا اور اپنے محبوب کیلئے شوق عقیدت اور وفور جذبات کا۔

غزوۂ احد

3 ہجری

کفار مکہ کو غزوۂ بدر میں عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ قریش کے تقریباً 70 افراد اس غزوہ میں کام آئے۔ یہ ایسا زخم تھا جس کی ٹیسیں قریش مکہ کو چین نہ لینے دیتی تھیں انہیں رہ رہ کے اپنے پیاروں کی موت یاد آتی تھی مکہ کا تقریباً ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا کیونکہ غزوۂ بدر میں تقریباً ہر گھر کا ایک نہ ایک فرد مارا گیا تھا۔ قریش زخمی شیر کی طرح تلملا رہے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے انہیں غزوہ بدر کا منظر بے قرار رکھتا تھا۔ اپنے سرداروں، بہادروں کی تڑپتی لاشیں وہ کیسے بھول سکتے تھے۔ وہ دن رات انتقام کی آگ میں جل رہے تھے آخر انہوں نے غزوۂ احد کیلئے سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ مکہ کے اردگرد کے قبائل کو ساتھ ملایا اور ایک لشکر جرار تیار کر لیا۔ اس لشکر میں تین ہزار بہادر جنگجو جن میں دو سو گھڑ سوار کا برق رفتار دستہ، سات سو زرہ پوش بہادر اور تین ہزار اونٹ شامل تھے۔ یہ لشکرِ جرار مدینہ پہ چڑھائی اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے آیا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس جو ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے اور مکہ میں قیام پذیر تھے۔ انہوں نے ایک قاصد کے ہاتھ ایک خط بھیج کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جہاد کیلئے منادی کرائی۔ ایک ہزار مجاہدین اکٹھا ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر کمان یہ لشکر عازم احد ہوا۔ غزوہ احد دو جہتوں کے حوالے سے بڑا اہم ہے پہلی وجہ اہمیت کی یہ تھی کہ مسلمانوں کو آگاہ، خبردار اور متنبہ کر دیا گیا کہ تم کبھی بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم متابعت نافرمانی یا حکم عدولی نہ کرنا۔ اگر کبھی تم سے یہ غلطی اور خطا سرزد ہوئی تو تمہیں کڑی سزا اور سخت تعزیر سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس غزوہ پہ روانگی کے وقت جوشیلے نوجوانوں سے اس غلطی کا ارتکاب ہوا۔ حضور نبی کریم، رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب لشکرِ قریش کے مدینہ پر چڑھائی کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی مجلس مشاورت طلب کی۔ دشمن کے حملہ کی صورت حال ان کے سامنے رکھی اور ان کی رائے معلوم کی۔ مہاجرین نے مشورہ دیا کہ عورتوں کو باہر قلعوں میں بھیج دیا جائے اور خود مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔ اکابرینِ انصار بھی اس رائے سے متفق تھے۔ عبداللہ بن مسول انصاری نے بھی یہی مشورہ دیا۔ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ مشورہ پسند کیا۔ لیکن جوشیلے نوجوان جن کے خون میں جوانی کی حرارت تھی اور بہادری کے نشے میں سرشار تھے گویا ہوئے کیا ہم قریش سے ڈرتے ہیں یہ بازو ہمارے آزمائے ہوئے ہیں ہم کھلے میدان میں ان کا مقابلہ کریں گے اور قریش کو بتا دیں گے کہ بہادری کیا ہوتی ہے جنگ کیسے لڑی جاتی ہے حوصلوں کی آزمائش کیسے ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر گئے زرہ زیب تن کی اور باہر نکل آئے۔ اب بات عیاں ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی اور منشاء کچھ اور تھی ان کی مرضی پہلی رائے کے حق میں تھی۔ اب نوجوانوں کو ندامت ہوئی۔ معذرت طلب ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہتھیار پہن کے اتار دے۔ احد کے دامن میں دشمن کے مقابلے کو پہنچے۔ لشکر کی صف بندی خود کی۔ ان کی ترتیب و تنظیم کی۔ پچاس تیر اندازوں کا دستہ حضرت عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں درہ پہ متعین کیا اور انہیں حکم دیا کہ فتح ہو یا شکست آپ نے درہ کو نہیں چھوڑنا۔ جب مسلمان فتح سے ہمکنار ہوئے۔ دشمن ساز وسامان چھوڑ کر پسپا ہوا مسلمان مالِ غنیمت اکٹھا کرنے لگے تو یہ تیر انداز دستہ باوجود حضرت عبداللہ کے منع کرنے کے لالچ وحرص کا شکار ہوا۔ اپنی جگہ کو چھوڑا مال غنیمت کی لوٹ مار میں شامل ہو گیا۔ باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم متابعت اور نافرمانی پر کڑی سزا دی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو مکمل شکست تو نہیں ہوئی لیکن مسلمانوں کو نقصان بہت زیادہ اٹھانا پڑا۔ باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو سبق دے دیا کہ تمہاری فلاح وکامرانی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع وفرمانبرداری میں ہے اور عدم اتباع وحکم عدولی میں تمہاری ناکامی وہزیمت ہے۔

اس غزوہ کی دوسری اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے جانثاری وبہادری کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ جب درہ کے تیر اندازوں کی غلطی کی وجہ سے فتح بظاہر شکست میں بدل گئی جیتی ہوئی جنگ کے ہارنے کے آثار پیدا ہو گئے جب خالد بن ولید نے اسی درہ سے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمانوں کی صف بندی ٹوٹ گئی۔ ترتیب درہم برہم ہو گئی بدنظمی میں اپنے پرائے کی پہچان نہ رہی

اور افراتفری مچ گئی۔ قریش کا زیادہ زور اس بات پر تھا کہ نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر کے مسلمانوں کی اصل اور جڑ کاٹ دی جائے۔ اس موقع پر صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ڈھال بن گئے ایک حصار قائم کر دیا۔ صحابہ کرام نے بہادری و جانثاری، ایثار و قربانی کی وہ مثالیں قائم کیں کہ تاریخ عالم میں سنگ میل کی صورت اختیار کر گئیں۔ عشق و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ مناظر دیکھنے میں آئے کہ عقل حیران و دنگ رہ جاتی ہے۔ صحابہ کرام نے مُحیّر العقول جانثاری کی بے مثال داستانیں رقم کیں۔ کسی نے سینے پہ تیر و تلوار کے ۸۰ زخم کھائے۔ کسی نے بازو قلم کروائے کسی نے آنکھوں کی قربانی دی۔ ایک ایک کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان ہوتے رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زک پہنچانے کے دشمن کے عزائم کو ناکام بنا دیا۔ اگلے صفحات میں غزوہ احد کے حوالے سے جان نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و ہمت بہادری و جانثاری کی عدیم المثال نظیریں پیش کی جائیں گی۔

جب قریش کے مدینہ پر چڑھائی کا علم ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو اکٹھا ہونے کی منادی کروائی۔ نوجوان، بوڑھے، بچے اور خواتین تک جان کے نذرانے پیش کرنے کو بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچ گئے۔ آپ نے مجاہدین کا انتخاب کرتے وقت کچھ بچوں اور چند عورتوں کے سوا باقی سب عورتوں اور بچوں کو واپس کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں بھی کم سن بچوں کو واپس کر دیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے وہ اصول متعین کیے کہ آج کی مہذب دنیا بھی پیش نہیں کر سکتی۔ آپ کم سن اور صغیر سن نوجوانوں کو جنگ میں شریک نہ کرتے تھے آج کی حقوق انسانی کی علمبردار تنظیمیں یہ نہیں کہہ سکتیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں تک کو اپنے مقاصد کیلئے جنگ میں جھونک دیا تھا۔ غزوۂ احد میں بھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکل کے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو کم سن نوجوانوں کو واپس کر دیا۔ حضرت اسامہ بن زید، ابن عمر، زید بن ثابت، براء بن عازب، عمرو بن حزم، اسید بن ظہیر انصاری، ابو سعید خدری، عرابہ بن اوس، زید بن ارقم، سعد بن عقیب، سعد بن جتہ، زید بن جاریہ انصاری اور جابر

بن عبداللہ کو واپس کر دیا۔
حضرت رافع بن خدیج جن کی عمر ۱۵ سال تھی کم سنی کی وجہ سے انہیں غزوۂ بدر میں بھی واپس کر دیا گیا تھا۔ اس غزوہ میں شمولیت وہ ہر قیمت پر چاہتا تھا۔ جذبہ جہاد سے سرشار یہ نوجوان لشکر کے کنارے کنارے چلتا تھا تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں نہ آئے۔ آخر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شامل مجاہدین کا خود معائنہ اور ملاحظہ فرمایا۔ حضرت رافع پنجوں کے بل تن کے کھڑے ہو گئے۔ کمر سیدھی، گردن اکڑا کے کھڑے ہو گئے تاکہ دراز قد لگیں عمر کا راز نہ کھلے اور اذنِ جہاد عطا ہو۔ حضرت رافع میں کم سنی کے باوجود ایک وصف یہ بھی تھا کہ یہ اس صغر سنی میں بھی غضب کے تیر انداز تھے اس فنِ حرب میں طاق و ماہر تھے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رافع کے پاس پہنچے اور ان کے لئے واپسی کا حکم صادر فرمایا تو لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت رافع کی تیر اندازی میں مہارت کے بارے میں بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رافع کو شمولیت کی اجازت مرحمت فرما دی۔ آپ نے آگے قدم بڑھائے تو حضرت سمرہ بن جندب کو جن کی عمر ابھی صرف پندرہ سال تھی لشکر میں شامل پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سمرہ کو واپسی کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت سمرہ رونے لگے اور اپنی شمولیت پہ اصرار کرنے لگے۔ آخر اس کم سن مجاہد اور عاشقِ رسول کے دل میں ایک انوکھی اور عجوبہ ترکیب در آئی۔ یہ عرض کرنے لگا آقا آپ نے حضرت رافع کو بھی اِذن جہاد عطا فرمایا ہے جب کہ میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں میرا جسم کسرتی اور توانا ہے میری ان سے کشتی کروا کے دیکھ لیں اگر میں اسے پچھاڑ دوں تو میرا بھی شمولیت کا حق بنتا ہے اور اگر وہ مجھے شکست دے دے تو میں شمولیت پہ اصرار نہیں کروں گا اور میں اسے اپنے مقدر کی کم نصیبی پہ محمول کروں گا۔ آقائے دو جہاں حامی بے کساں صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پہ تبسم نمودار ہوا اور اس انوکھی اور اچھوتی تجویز سے محظوظ ہوئے لہٰذا کشتی کرائی گئی تو حضرت سمرہ نے حضرت رافع کو پچھاڑ دیا۔ ذرا منظر ملاحظہ فرمائیں جنگ درپیش ہے جو زندگیوں کی قربانی مانگتی ہے بڑے بڑے بہادروں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں لوگ حیلوں

بہانوں سے جنگ کی ہولناکیوں سے بچتے ہیں اور اِدھر یہ عالم ہے کہ کم سن بچے بھی اپنے محبوب آقا اور اسلام کی سربلندی کیلئے زندگیوں کا نذرانہ ازخود پیش کرتے ہیں کیا چشمِ عالم نے ایسے منظر دیکھے ہوں گے نہیں ہرگز نہیں یہ اعزاز صرف اور صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں اور عاشقانِ باصفا کے حصہ میں آیا ہے۔

چال واندازِ تفاخرانہ

غرور وتکبر اللہ تعالیٰ اوراس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند ہے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے یہ جو تم اکڑ اکڑ کے چلتے ہو تو کیا تم میرے پہاڑوں کی بلندی کو چھو سکتے ہو کیا تم میری زمین کو پھاڑ سکتے ہو تو پھر تم کس برتے پہ اتراتے ہو۔ غرور وتکبر کے مقابل میں باری تعالیٰ کو عجز وانکسار پسند ہے۔ غرور وتکبر کی مخالفت اور ناپسندیدہ عمل ہونے کے باوجود دو مواقع پہ سید المرسلین فخر الاولین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا ہے۔ فتح خیبر کے بعد سرورِ انبیاء احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ماہ ذیقعد میں قریش مکہ سے معاہدہ کے مطابق عمرہ کا قصد کیا۔ آپ نے ستر اونٹ قربانی کے لئے اور کم وبیش دو ہزار صحابہ کے ساتھ بغرض عمرہ عازم مکہ ہوئے۔ مکہ صحابہ کرام کا آبائی وطن تھا اور کعبۃ اللہ تمام مسلمانوں کا قبلہ تھا۔ مسلمانوں نے ہجرت مدینہ کے موقع پہ گھر بار مال ومتاع جائیداد واثاثہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اپنے آقا کی محبت میں چھوڑ دیا تھا لیکن وطن کی یاد انسانی فطرت ہے اور وطن کی محبت تو ہر دل میں جاگزین رہتی ہے اس لئے مسلمانوں کی نظریں دیدار مکہ کیلئے مضطرب اور بیقرار رہا کرتی تھیں آج انہیں ان کی خواہشوں کو پذیرائی اور دیرینہ خوابوں کو تعبیر مل رہی تھی اور تشنہ آرزؤں کو صورت تکمیل میسر آرہی تھی جب سے مسلمانوں نے مکہ چھوڑا تھا تو قریش مکہ طعنہ دیتے تھے کہ مسلمانوں کو مدینہ منورہ کی آب وہوا راس نہیں آئی اور وہ کمزور وناتواں اور لاغر وبیمار رہنے لگے ہیں ان میں وہ صحت وتندرستی، چستی و طاقت نہیں رہی جو قیام مکہ کے دوران تھی مدینہ میں ان کے جسم لاغر اور چہرے زرد پڑ گئے ہیں۔ لہٰذا اس خیال باطل اور خود ساختہ نظریہ کے بطلان کیلئے حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام مسلمان طواف کے پہلے تین چکر خوب اکڑ اکڑ کے چلیں۔ گردن تان کے اور کندھے ہلا ہلا کے پہلوانوں کی طرح پورے کریں تاکہ کفار کا گمان اور خیال باطل از خود دم توڑ جائے اس ادا کو رَمل کہتے ہیں آج تک اور تا قیامت طواف کے وقت یہ سنت جاری رہے گی آج بھی حاجی پہلے تین

چکروں میں رَمَل کی سنت ادا کرتے ہیں۔ غرور و تکبر کی پسندیدگی کا دوسرا موقع غزوۂ احد میں اُس وقت دیکھنے کو ملا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود لشکرِ اسلام کی صف بندی فرمائی۔ زبیر بن العوام کو رسالے کا افسر مقرر کیا حضرت حمزہ میمنہ پر اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ میسرہ پر، حضرت ابوُ جانہ کو قلبِ لشکر پر مامور کیا۔ حضرت مصعب بن عمیر کو علم بَردار مقرر فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن جُبیر کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ درّہ پر مامور فرمایا اور انہیں تاکید کی کہ درہ کو نہیں چھوڑنا۔ اب حضور مکرّم و محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ہوا میں لہرائی اور فرمایا "ہے کوئی جو اس کا حق ادا کرے"۔ جواب میں بہت سارے ہاتھ بُلند ہوئے اور کیوں نہ ہوتے یہ کوئی چھوٹا اور معمولی اعزاز تھا۔ آپ نے اپنے نام لیواؤں کے اشتیاق کو ملاحظہ فرمایا لیکن تلوار آپ نے ابوُ جانہ کو عطا فرمادی اور ابوُ جانہ کا سر فخر سے بلند ہو گیا اور سر فرازی مقدر پہ اترانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِنتخاب کوئی ایسے ہی نہ تھا سارے عرب جانتے تھے کہ حضرت ابوُ جانہ اپنے وقت کے بہادر اور نامور پہلوان تھے یہ سعادت جب حضرت ابوُ جانہ کے حِصّہ میں آئی تو ان کا انداز ہی بدل گیا ان کے تو فخر و انبساط سے پاؤں زمین پہ نہ ٹکتے تھے وہ فخر و امتیاز کے نشے سے سرشار اکڑ اکڑ کے چلنے لگے۔ سرخ رومال زیبِ سَر بنایا تاکہ نمایاں رہیں اور پتہ چلے کہ انہوں نے اس تلوار کا حق کِس طور ادا کیا ہے۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوُ جانہ کی اس ادا کو دیکھا تو فرمایا گو کہ متکبر آنہ چال، غرور و تفاخر اور فخر و گھمنڈ اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے لیکن آج ابو جانہ کا تکبر اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ آج اُحد کے معرکہ میں اَبوُ جانہ سر پر سرخ رومال باندھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ تلوار کا حق ادا کر رہے تھے تلوار چلاتے لشکر کفار کے ایک سرے سے دوسرے سرے جا پہنچتے۔ صفوں کو چیرتے لاشوں کے انبار لگا رہے تھے۔ یہاں تک کہ عقب میں کفار کی عورتوں تک جا پہنچے اور ھند زوجہ ابوسفیان کے سر پر تلوار لا کے واپس کر لی کہ یہ تلوار اللہ تعالیٰ کے رسول اور محبوب کی ہے اس تلوار کو زیب نہیں کہ وہ ایک عورت پہ چلے اور اس کا خون بہائے۔

جب افراتفری مچی تو جانثاری کی عجب داستانیں رقم ہوئیں

مُبارزت کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت اَبودُجانہ کفار کی صفوں میں گھس گئے اور کشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ وہ نوجوان جنہوں نے کُھلے میدان میں مقابلے کا مشورہ دیا تھا۔ بہادری وسرفروشی سے لڑرہے تھے۔ تلواروں کے جوہر دکھا رہے تھے۔ لشکرِ کفار جانبازوں کی یلغار کی تاب نہ لاسکا۔ میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کی میدان صاف ہوگیا مسلمان مالِ غنیمت سمیٹنے میں لگ گئے۔ ادھر درّہ پہ متعین دستہ بھی حرص وآز کا شکار ہوگیا۔ طمع ولالچ انسانی کمزوری ہے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر کے منع کرنے کے باوجود یہ دستہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کے مالِ غنیمت کی لوٹ میں شامل ہوگیا خالد بن ولید جو ابھی اسلام نہ لائے تھے گھڑسواروں کے دستہ کے ساتھ اُسی درّہ سے مسلمانوں پر عقب سے حملہ آور ہوئے۔ یہ حملہ اچانک اور شدید تھا ادھر کفار کی مفرور فوج بھی واپس پلٹی اس طرح مسلمان دو پاٹوں کے بیچ آگئے۔ مسلمانوں میں افراتفری مچی۔ صفیں ٹوٹیں ترتیب درہم برہم اور بدنظمی ہوئی اپنے پرائے کی پہچان مفقود ہوئی مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان شہید ہونے لگے اسی اثناء میں یہ افواہ پھیلی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ یہ گمان پیدا ہونے کی یہ وجہ تھی کہ حضرت مصعب بن عمیر ہم شکلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لشکرِ اسلام کے علم بردار تھے وہ شہید ہوئے تو اس افواہ کا سبب بنے۔ افراتفری، بدنظمی پہلے ہی مسلمانوں کے پاؤں جمنے نہ دے رہی تھی اُوپر سے اس افواہ نے صورتِ حال اور مایوس کردی۔ مسلمان بددل ہوگئے حضرت عمر، حضرت طلحہ ایسے جیّد اور ممتاز صحابہ بھی مایوس ہوگئے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری آرزؤں کے محور، ہماری محبتوں کے مرکز، ہمارے آقا ومولیٰ، رہبرورہنما، ملجاوماویٰ ہی نہ رہے تو ہم لڑکر کیا کریں گے ادھر دوسری سوچ کی نمائندگی حضرت ابن نضر جو حضرت انس بن مالک کے چچا تھے نے کی انہوں نے کہا کہ جن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی شہید ہوگئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ کہہ کر لشکر کفار میں گھس

گئے۔ خوب تلوار چلائی بہادری کے جوہر دکھائے کئی کفار کو قتل کیا اور آخر کار لڑتے لڑتے خود بھی شہید ہو گئے ان کے جسم پر تلواروں، نیزوں اور تیروں کے ۸۰ زخم تھے۔ جسم زخموں سے چور تھا خون سے لت پت تھا۔ یہاں تک کہ ان کی لاش نا قابل شناخت تھی اس کی بہن نے دانتوں کی خوبصورتی اور انگلی کے نشان سے پہچانا۔ حضرت ابن نضر کی جداگانہ سوچ اور دلیرانہ عمل نے حوصلہ ہارنے والے مسلمانوں کو نیا ولولہ و جوش عطا کیا۔ مایوسی چھٹ گئی اور مسلمان نئے عزم کے ساتھ میدانِ جنگ میں کود پڑے۔ اسی طرح ثابت بن وحداح انصار سے مخاطب ہوئے۔ ”اے انصار! اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے لڑو اللہ تعالیٰ تو حیّ قیوم اور قائم ودائم ہے۔ حوصلہ مجتمع کرو۔ دلوں کو مضبوط کرو اور لڑو“۔ یہ کہتے ہوئے کفار کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے اسی افراتفری میں حضرت کعب بن مالک کی نظر سید المرسلین نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی گو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور مغفر سے ڈھکا ہوا تھا حضرت کعب بلند آواز میں پکارے مسلمانو! تمہیں مبارک ہو کہ رسولِ خدا فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آقا و مولیٰ زندہ و سلامت ہیں اس اعلان کا گوش گزار ہونا تھا کہ تمام مسلمان اس آواز کی طرف لپکے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد حصار بنا لیا جسموں کی دیوار کھڑی کر دی اب یہاں عاشقانِ مصطفیٰ، محبانِ رسولِ خدا، جان نثارانِ محمد مصطفیٰ، شمع محمدی کے پروانوں نے جان نثاری وفدائیت قربانی وایثار کی وہ محیرّ العقول اور فقید المثال داستانیں رقم کیں کہ عقل وخرد حیران اور سوچ کے دائرے ششدر رہ جاتے ہیں۔ حضور فخر الاولین صلی اللہ علیہ وسلم پر پروانے نثار ہو رہے ہیں اور عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ڈھال بن کر جانوں کے نذرانے پیش کر رہے ہیں سر کٹ رہے ہیں ہاتھ جدا ہو رہے ہیں سینے تلواروں نیزوں سے چھلنی ہو رہے ہیں تیروں کی بارش جسموں پہ چلے رہے ہیں لیکن کیا مجال کہ دشمن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک آزادانہ رسائی حاصل کرنے دے رہے ہوں اِکا دُکا وار پھر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔

عبداللہ بن قمیئہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا۔ تلوار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مغفر کی

دو کڑیاں ٹوٹ کے آپ کے چہرۂ اقدس میں دھنس گئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کے نرغے میں تھے۔ لشکر کفار ٹوٹ ٹوٹ کے حملہ آور ہو رہا تھا۔ لشکر کفار کا سارا زور اسی نکتہ پہ مرتکز ہو گیا تھا لیکن قربان جایئے ان پروانوں کی ہمت کے۔ آفریں ہے ان جان نثاروں کے حوصلہ پہ کٹ رہے ہیں لیکن دشمن کو اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے دے رہے۔ حضرت ابودُجانہ ہر آنے والا تیر جسم پر لے رہے ہیں۔ حضرت طلحہ تلوار کے ہر وار کو اپنی ڈھال سے روک رہے تھے۔ عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مارا۔ سیدھا آ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک پہ لگا۔ آپ کا دانت مبارک شہید ہو گیا۔ ہونٹ بھی زخمی ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں بھی گرے حضرت علی اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو جلدی سے سہارا دے کے اٹھایا اور کھڑا کر دیا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح نے خود کا ایک حلقہ نکالا تو ان کا اپنا ایک دانت شہید ہو گیا دوسرا خود نکالا تو دوسرا دانت شہید ہو گیا۔ حضرت ابوسعید خدری کے والد مالک بن سنان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رستا ہوا خون چوس لیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص دشمنوں پر تیر برسا رہے تھے اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقدس سے تیر پکڑا رہے تھے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری بھی زبردست تیر انداز تھے وہ بھی تیر برسا رہے تھے۔ اس دن انہوں نے ایسے تیر برسائے کہ ان کے ہاتھ سے کئی کمانیں ٹوٹ گئیں۔

جان نثار حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ابی بن کعب نے تعاقب کر کے حربہ پھینکنا چاہا لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چھین کر واپس اسی کو مارا معمولی سا زخم آیا وہ چیختا چلاتا کراہتا واپس بھاگا۔ اس کی آہ و زاری اور چیخ و پکار سن کر قریش نے زخم دیکھ کر اسے لعنت ملامت کی کہ معمولی زخم ہے اور بزدلوں کی طرح چیخ و پکار کر رہے ہو۔ لیکن وہ کہتا تھا میں یقیناً مر جاؤں گا۔ زخم کی نوعیت کو نہ دیکھو اس حقیقت کو پہچانو کہ زخم لگایا کس نے ہے۔ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لگایا ہوا زخم ہے میں بچوں گا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مکہ میں ہی کہہ دیا تھا کہ تجھے میں ماروں گا۔ آپ کی زبان سے ادا ہوئے لفظ تو تقدیر معین کر دیتے ہیں اور آخر کار وہ اسی

زخم سے مرا۔

کیا چشم فلک نے ایسے نفوس نظارہ کیے ہوں گے کیا کسی ہادی ورہنما یا دنیاوی بادشاہ کو ایسے جانثار اور سپاہی میسّر آئے ہوں گے کیا تاریخ عالم کو ایسی داستانیں اور سرخیاں دستیاب ہوئی ہوں گی جواب یقیناً نفی میں ہوگا یہ صرف اور صرف نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جسے ایسے جانثار عاشقانِ باوفا ملے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق اور محبت میں ہنس ہنس کے زندگیاں قربان کر دیں۔

غلام حاضر ہے

جب تیر اندازوں نے درہ چھوڑا تو لشکر اسلام کی پشت سے اسی درہ کے ذریعے خالد بن ولید نے حملہ کر دیا لشکر کفار جو میدان جنگ سے فرار ہو گیا تھا وہ بھی واپس پلٹا اب مسلمان دو طرفہ حملے کے درمیان آ گئے۔ لشکر اسلام کی صف بندی ٹوٹ گئی وہ ہڑبونگ اور افراتفری مچی کہ اپنے بیگانے، دوست دشمن حواری یا مخالف کی پہچان مٹ گئی اپنے پرائے کی تمیز نہ رہی۔ لشکر کفار کا سارا زور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر مرکوز ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ہدف، محور و مرکز بنا کے قریش نے ساری طاقت اسی نکتے پہ لگا دی۔ جب کفار کا ہجوم ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعیت قریش میں گھر گئے تو آپ نے فرمایا "کون ہے جو مجھ پر اپنی جان قربان کرتا ہے"۔ حضرت زیاد بن سکن اپنے سات ساتھیوں سمیت پکارے لبیک یا رسول اللہ جان نچھاور کرنے کو آپ کا غلام حاضر ہے پھر یہ ساتوں افراد داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے دیکھا کہ کچھ فاصلے پر ایک شخص زخموں سے چور پڑا ہے اور کراہ رہا ہے آپ اس کے پاس پہنچ گئیں پانی پلایا سانس اکھڑ رہی تھی حضرت ام المومنین کو یوں محسوس ہوا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا ہے آپ رضی اللہ عنہا نے غور سے سنا تو وہ کہہ رہا تھا۔ "اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ان پر اللہ عزوجل کی رحمتیں ہوں کاش کوئی ان تک پیغام پہنچا دے کہ ان کا غلام زیاد اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہے۔

جاں بلب کی چارہ فرمائی کرو
جانِ عیسیٰ ہو مسیحائی کرو

حضرت ام المومنین نے مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت تک رسائی حاصل کی اور حضرت زیاد کا پیغام بارگاہ رسالت مآب میں پہنچایا۔ والی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زخمی فدائی کے سرہانے تشریف لائے رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے لب ہائے مبارکہ کو جنبش ہوئی رحمت کے

پھول جھڑنے لگے فرمایا ''زیاد! آنکھیں کھولو دیکھو کون آیا ہے تیری پذیرائی کو میں خود آ گیا ہوں''۔ حضرت زیادؓ نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھوں نے محبوب کا دیدار کیا۔ تشنہ روح نے شربت وصل پیا۔ محبوب کو یوں سامنے مجسم دیکھا تو اپنی کرب واذیت بھول گئے تکلیف کا احساس مٹ گیا۔ درد کے آثار واحساسات جاتے رہے۔ اک گونہ کیف وسرور آ گیا۔ وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جلوۂ جاناں میں گم ہو گئے۔ رحمت مجسم کا والضحیٰ والا چہرہ اور حضرت زیاد کی پیاسی آنکھیں بھلا کیونکر تشفی ہوتی آخر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زیاد! کوئی آخری تمنا''۔ حضرت زیادؓ نے صرف اتنا عرض کیا حضور میری تمناؤں کے ماحصل آپ ہیں پھر تمنا کے اظہار سے پہلے گھسٹتے ہوئے محبوب کے قدموں تک آن پہنچے اور سر قدموں میں رکھ دیا۔ ابھی ہونٹ نحیف سی آواز میں حرکت کر رہے تھے اور یہ الفاظ لبوں سے ادا ہو رہے تھے۔ اللہ عزوجل سے رب عزوجل ہونے کے باعث اور اسلام کے دین ہونے کے طور پر اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نبی ہونے کی حیثیت سے میں راضی ہوں''۔ پھر فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَه رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا ابھی بھی سانسوں کی ڈور جڑی تھی ابھی جسم وجاں کا رشتہ ٹوٹا نہ تھا ابھی زندگی کی رمق باقی تھی فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَه کہتے ہوئے اپنا چہرہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پہ رکھ دیا مقصودِ کائنات فخرِ موجودات آقائے ارض وسماوات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار اپنے عاشق اپنے فدائی کے سر پر دست شفقت وراحت پھیرا آخری منظر یوں تھا کہ عاشق کا سر اور محبوب کے قدم کہ اس فدائی نے جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دی یہ بھی کیا سماں ہو گا کیسا منظر ہو گا حضرت زیاد کے مُقدّر اور سرفرازی قسمت پہ ملائکہ بھی رشک کر رہے ہوں گے۔

تیری چوکھٹ پہ سر ہو اور تارِ زندگی ٹوٹے
یہی انجام الفت ہے یہی مرنے کا حاصل ہے

محبوب کے قدم عاشق کا سر

غزوۂ اُحد جان نثاران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کڑی آزمائش تھا۔ اس میں عاشقان کے عشق کو پرکھا گیا کہ کیا وہ عشق میں پختہ ہیں یا ابھی خام ہیں کیا عشق میں خُلوص و گہرائی ہے یا زبانی کلامی دعووں کے حامل ہیں۔ ان کے حوصلے کو آزمایا گیا انہیں عشق کی بھٹی میں سے گزارا گیا تا کہ کُندن بن جائیں آزمائشوں، دکھوں، تکلیفوں کے مقناطیس سے پرکھا گیا تا کہ کھوٹے اور کھرے کی پہچان ہو سکے لیکن عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتحان اور آزمائش پہ پورے اترے انہوں نے ایثار و قربانی، عشق و محبت کی وہ لازوال داستانیں رقم کیں کہ تاریخ عالم میں ان کی نظیر ملنا محال ہے۔ اگر تاریخ مذاہب پر نظر ڈالیں تو کسی بھی نبی کے پیروکار اور حواری، جانثاری کی ایسی مثالوں سے تہی دامن نظر آتے ہیں۔ حضرت عمارہ بن زیاد غزوہ احد میں شریک ہیں یہ بہادری وجرات کے پیکر ہیں۔ لڑتے لڑتے دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں ناگہاں ایک تیر آ کے لگتا ہے جسم میں پیوست ہو جاتا ہے اور پھنس جاتا ہے ساتھیوں کی کوشش کے باوجود نہیں نکلتا۔ ضرب کاری تھی خون تھا کہ فوارے کی طرح بہہ رہا تھا۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے کمزوری بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ موت کی گھڑی آن پہنچی۔ اسی جان کنی کی حالت میں گھسٹتے ہوئے سرکار کے قدموں تک پہنچے۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

سر قدموں پہ رکھا پیشانی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا سے رگڑا نقشِ پا کی دُھول کو آنکھوں کا سرمہ بنایا اس خاک پا کو پیشانی کا جھومر بنایا اور جان خالق حقیقی کے حضور پیش کر دی

گر وقت اجل سر تیری چوکھٹ پہ دھرا ہو
جتنی ہو قضا، ایک ہی سجدے میں ادا ہو

بہادری وایثار کی بے نظیر مثال

غزوۂ احد میں عشق ومحبت، ایثار وقربانی، عزم وحوصلہ، بہادری وجرات کے عجیب منظر دیکھنے کو ملتے ہیں کہ خرد کے پیمانوں پہ ماپیں تو دل مانتا نہیں عشق کے معیار پہ پرکھیں تو عشق کی دنیا میں سب کچھ جائز ہے

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

؎ عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین وآسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

یہ ایسے مناظر ہیں جو عاشقوں کو تسکین، دلوں کو حوصلے اور ایمان کو تازگی مہیا کرتے ہیں غزوۂ احد کا معرکہ ہے ہر عاشق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ہاتھوں کی زنجیر جسموں کا حصار اور تن کو ڈھال بنائے ہوئے ہے۔ حضرت قتادہ بن نعمان اس معرکے میں شریک ہیں بہادری کے نئے باب رقم کر رہے ہیں تلوار چلانے کے فن کے جوہر دکھا رہے ہیں دورانِ جنگ ایک تیر آ کے سیدھا آنکھ میں پیوست ہو جاتا ہے آنکھ کا ڈھیلا باہر آ جاتا ہے۔ حضرت قتادہ اسے ہاتھ میں تھامے ہوئے ہیں اسی حالت میں بارگاہِ رسالت مآب تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ شاہِ دوسرا، ملجیٰ وماویٰ، سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آنکھ کا ڈھیلا حضرت قتادہ سے لے کے دوبارہ آنکھ میں رکھ دیتے ہیں اسی وقت آنکھ ٹھیک ہو جاتی ہے بلکہ حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ اس آنکھ کی بینائی دوسری آنکھ سے کہیں زیادہ تھی اگر آنکھیں دُکھتی تو یہ آنکھ کبھی نہ دکھتی۔

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

انوکھا ہنی مون

جوانی کا دور بڑا ہیجان انگیز اور جذباتی ہوتا ہے۔ خون میں جدّت، کیف و مستی کا نشہ امنگیں جواں اور جذبے توانا ہوتے ہیں۔ جوانی میں جنسی طاقت بھی منہ زور ہوتی ہے نہ جان کی پرواہ کرتی ہے اور نہ تاج و تخت کی۔ ماہرین جنسیات کا کہنا ہے کہ جنس بھی ایک طاقتور نشہ ہے۔ جوانی میں شادی جنسی ضرورتوں کو تسکین فراہم کرتی ہے۔ آج کل یورپ نے ہنی مون کی ایک نئی اصطلاح دی ہے۔ لوگ شادی سے لطف اندوز ہونے کیلئے صحت افزا اور خوبصورت مقامات کا رخ کرتے ہیں کئی جوڑے دوسرے ملکوں کی طرف نکل جاتے ہیں۔ غرض یہی ہوتی ہے کہ شادی کے ابتدائی دنوں سے پوری طرح لطف اندوز ہوا جائے اور اس میں تنہائی مُیسّر ہو اور کسی قسم کی مُداخلت نہ ہو۔ اب ایک انوکھا اور عجوبہ ہنی مون بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت حنظلہ بن ابی عامر کی ماں نے حضرت حنظلہ کیلئے عرب قبائل کی لڑکیوں میں سے حسین لڑکی اپنے بیٹے کیلئے تلاش کی۔ ماں نے بڑے ارمانوں سے بیٹے کی شادی کی۔ حضرت حنظلہ کی شادی ہو جاتی ہے جس روز دلہن کو بیاہ کر گھر لاتے ہیں اسی رات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منادی ہوتی ہے کہ کفار مکہ کے مقابلہ کے لئے میدانِ جہاد چلو۔ حضرت حنظلہ حجلہ عروسی میں بیوی کے ساتھ ہیں۔ کانوں میں منادی کی آواز پڑتی ہے اب ایک طرف نئی نئی شادی ہے۔ بیوی کی خوبصورتی ہے جوانی ہے جنسی جذبوں کا ہیجان ہے دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے جہاد کی دعوت ہے اسلام کو اس کی ضرورت ہے۔ آخر حنظلہ فیصلہ جہاد کے حق میں کرتے ہیں گھر سے باہر آتے ہیں لشکرِ اسلام میں شامل ہوتے ہیں اور بجانب احد روانہ ہو جاتے ہیں اور غزوہ میں شہید ہو جاتے ہیں جب لاش تلاش کی جاتی ہے تو وہ غائب ہے تھوڑی دیر کے بعد لاش مل جاتی ہے تو وہ پانی سے تر بہ تر ہوتی ہے اور بالوں سے بھی پانی نچڑ رہا ہوتا ہے اور قطرے ٹپک رہے ہوتے ہیں اس پر سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت حنظلہ کو جہاد پر آتے وقت غسل

جنابت درکار تھا لیکن یہ غسل کے بغیر لشکر کے ساتھ روانہ ہو گئے لہٰذا جب تم لوگوں نے حضرت حنظلہ کی لاش کو غائب پایا تو فرشتے میدان سے اٹھا کے عرش پہ غسل دے رہے تھے اب غسل دینے کے بعد میدان میں چھوڑ گئے ہیں۔ لشکر مدینہ واپس لوٹتا ہے۔ لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تصدیق کے لئے حضرت حنظلہ کی شریکِ حیات سے دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ جہاد کیا تو حنظلہ حالتِ جنابت میں تھے لیکن ابھی غسل نہیں کیا تھا کہ اعلانِ جہاد کی آواز کانوں میں پڑی اسی حالت میں باہر نکل گئے کہ کہیں لیٹ نہ ہو جائیں اور نافرمانوں میں لکھے جائیں۔ حضرت حنظلہ جوان ہیں نئی نئی شادی ہے لیکن حضرت حنظلہ سب کچھ تج کے لشکر کے ساتھ شمولیت اختیار کرتے ہیں۔ شہید ہوتے ہیں اور غسیلِ ملائکہ کا لقب پا جاتے ہیں لیکن ادھر شریک حیات کے ارمان، خواہشات کا ہیجان، جذبات کا طوفان اس کی قربانی بھی کوئی کم نہ تھی اس نے جذبات کا واسطہ نہیں دیا۔ خواہشات کی تسکین کے لئے روکا نہیں راستے کی دیوار نہیں بنی صرف دمِ رخصت یہی کہا حنظلہ جاؤ تمہیں اللہ اور اس کے رسول نے جہاد کے لئے پکارا ہے صرف اتنا یاد رکھنا کہ اگر دورانِ جہاد شہید ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ شہید بغیر کسی حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا تو جنت میں اپنی رفیقہ حیات کو بھول نہ جانا اسے بھی یاد رکھنا۔

کیا ایسا ہنی مون بھی کسی جوڑے نے منایا ہوگا۔ تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ حضرت حنظلہ جذبہ جہاد اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر سرشار تھے کہ ان کے والد ابو عامر ابھی ایمان نہ لائے تھے قریش کی طرف سے اس غزوہ میں شریک تھے۔ حضرت حنظلہ سے سامنا ہوا۔ حضرت حنظلہ نے اجازت چاہی کہ باپ پر حملہ آور ہوں لیکن حضور رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی۔ پھر حضرت حنظلہ نے ابو سفیان پر حملہ کیا ان کی تلوار ابو سفیان کا کام تمام کرنے والی تھی کہ پہلو میں شداد بن الاسود نے ان کے وار کو روک دیا اور ان کو شہید کر دیا۔

تیرے رستے میں مرمٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں
تیرے کوچہ میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا
تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

دُعا کا عجب انداز

غزوۂ اُحد کا معرکہ درپیش ہے مسلمانوں کا لشکر بھی اُحد پہنچ چکا ہے۔ غزوۂ احد کے وقوع سے ایک دن قبل کا واقعہ ہے حضرت عبداللہ بن جحش نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے کہا کہ سعد آؤ مل کر دُعا کریں ہر شخص اپنی خواہش اور ضرورت کے مطابق دُعا کرے اور دوسرا آمین کہے۔ دعا میں تندرستی مانگی جاتی ہے صحت مانگی جاتی ہے مال وزر مانگا جاتا ہے کشادگی رزق کی دعا کی جاتی ہے بھلے دنوں کی آرزو کی جاتی ہے اگر مشکل وقت ہو کوئی آزمائش درپیش ہو کوئی لڑائی یا معرکہ درپیش ہو تو اس میں فتح ونصرت اور کامیابی کی دعا کی جاتی ہے جان کی سلامتی مانگی جاتی ہے آیئے دیکھتے ہیں یہ نفوس برگزیدہ اور عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیا دُعا مانگتے ہیں اوّل حضرت سعد نے دعا کو ہاتھ اٹھائے اور بارگاہِ ایزدی میں دعا کی۔ ”یا باری تعالیٰ یا میرے خالق و مالک یا میرے پروردگار جب کل معرکہ احد برپا ہو لڑائی کا آغاز ہو تو میرے مقابل توانا و مضبوط قوی و بہادر کافر آئے میں اسے تیرے راستے میں قتل کروں تو مجھے اتنا حوصلہ اور طاقت دے کہ میں اسے زیر کروں اور واصل جہنم کروں“۔ حضرت عبداللہ نے آمین کہی۔ اس کے بعد حضرت عبداللہ اپنے مالک کی بارگاہ میں دست بدُعا ہوئے۔ ”اے ربِ ذوالجلال کل جب میدان کارزار گرم ہو تو میرا مقابلہ اور سامنا ایک بہادر سے کروائیو جو طاقتور ہو لیکن اسے قتل میرے ہاتھوں کروانا پھر مجھے ہمت دینا کہ میں کافروں میں گھس جاؤں اور پھر اَن گنت کافروں کو قتل کروں اور پھر خود بھی راہِ حق میں اسلام کی سربلندی اور محبوب کی محبت میں شہید ہو جاؤں اور پھر کافر میرے ناک کان کاٹ لیں اور میں اسی حالت میں بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوں اور میں کہوں یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں پہنچا ہوں تیری راہ میں ناک کان کٹوائے ہیں پھر تو کہہ دے کہ ہاں یہ تو سچ ہے“۔ دوسرے دن لڑائی ہوئی قتال ہوا تو دونوں کی دعائیں من وعن اسی طرح قبول ہوئیں۔ حضرت عبداللہ کی لاش کا کافروں نے مُثلہ بنایا بمشکل بہن نے کچھ نشانیوں سے لاش کو پہچانا۔

اِنَّهُ مِنِّی وَ اَنَا مِنْهُ

جب مسلمانوں کو غزوہ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی اور نافرمانی کی سزا ملی اور فتح عارضی شکست میں تبدیل ہوگئی۔ افراتفری مچی ترتیب ٹوٹ گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود کفار کے نرغے میں آگئے اور پھر افواہ پھیلی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ مسلمانوں میں مایوسی اور بددلی پھیلی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں نظر نہ آئے تو میں نے اوّل زندوں میں تلاش کیا آپ نظر نہ آئے پھر میں شہیدوں میں دیکھا ایک ایک شہید کا چہرہ دیکھا آپ مجھے وہاں بھی نہ ملے تو میں نے سوچا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں اٹھالیا ہے محبوب کا کہیں بھی دیدار نہ پا کر میں نے فیصلہ کیا کہ میرے لئے اب بہتر صورت یہ ہے کہ زندہ رہ کر بھی کیا کروں گا۔ دشمن کی صفوں میں گھس جاؤں اور لڑتا ہوا شہید ہو جاؤں مجھے زندگی کی آرزو نہ رہی بے دریغ تلوار چلانا شروع کی میرے حملے کی تاب نہ لا کر کفار اِدھر اُدھر ہوتے گئے جب رَش کم ہوا گھمسان ٹوٹا تو میری نگاہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو مقصودِ حیات کو پا کر میں نے سوچا کہ کفار کے نرغے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر زندہ رہے تو مجھے خیال آیا یقیناً ملائکہ نے حفاظت کی ہوگی۔ میں بے اختیار کھنچتا چلا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پہنچ گیا مجھے دیکھ کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی ان کو روکو۔ میں ڈٹ گیا اور تنہا کفار کا مقابلہ کیا بعض کو قتل کیا بعض اِدھر اُدھر ہوگئے اسی اثناء میں کفار کی ایک تازہ دم جماعت حملہ آور ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت علیؓ کو اشارہ کیا میں پھر سپر اور ڈھال بن گیا۔ میں نے جماعت کا تنہا مقابلہ کیا اس کے بعد جبریل نے آکر حضرت علیؓ کی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اِنَّهُ مِنِّی وَ اَنَا مِنْهُ" (بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں) تو حضرت جبریل نے عرض کی (وَ اَنَا مِنْكُمَا) اور میں تم دونوں میں سے ہوں۔

سدا وہی سہاگن جو پیا من بھائی

بار ہا ایسا بھی ہوا ہے کہ کوئی دیر سے آیا لیکن سب سے بازی لے گیا۔ حضرت وہب بن قابوس گاؤں میں رہتے تھے۔ بھیڑ بکریاں پالنا ذریعہ معاش تھا وہیں گاؤں میں مقدر نے یاوری کی اپنے طور پر اسلام کی کشش نے کام کیا۔ دل میں انقلاب برپا ہوا اندر کی دنیا میں ہل چل مچی۔ جانب مدینہ رواں ہوئے بکریاں بھی ہمراہ اور ایک بھتیجا حارث بن عقبہ بھی ساتھ۔ مدینہ پہنچ کے بارگاہِ رسالت میں باریابی چاہی۔ مسجد نبوی میں گئے لیکن زیارت سے فیض یاب نہ ہوسکے دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو معرکہ احد پہ جاچکے ہیں بکریوں کو وہیں چھوڑا۔ بھتیجے کو سنگ لیا اور میدانِ اُحد پہنچ گئے۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ کفار کی ایک جماعت حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیلئے آپ کے نزدیک پہنچ گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" ہے کوئی جوان جو ان کو روکے، منتشر کرے اور جنت میں میری رفاقت ومعیت حاصل کرے"۔ حضرت وہب پکارے میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یہ غلام حاضر ہے اور پھر آناً فاناً حضرت وہب تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ کفار تاب نہ لاسکے اور پیچھے ہٹ گئے۔ ایسا تین دفعہ ہوا کہ دشمن آگے بڑھتا لیکن حضرت وہب اس کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن جاتے۔ اس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وہب کو جنت کی بشارت دی۔ اس کے مقدر پہ کیوں نہ رشک کریں جسے جنت کی بشارت سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اسی دنیا میں دے دیں۔ اسی خوشی ومسرت میں سرمست حضرت وہب پھر کفار کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے لڑتے جامِ شہادت نوش فرما گئے اور ابدی سعادتیں دامن میں سمیٹ لے گئے آپ کا بھتیجا بھی سرخرو ٹھہرا اور ان کے ساتھ ہی شہید ہوا۔ دونوں چچا بھتیجا سرفروشانِ اسلام شیدائیانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہوگئے اور فلاح دارین پاگئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے وہب ایسی بہادری کبھی نہ دیکھی بعد از شہادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سرہانے تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں "میں تم سے راضی ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ بھی تم سے راضی ہے"۔ اور پھر سرکار دو جہاں والی کونین مالک ارض وسما صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں تدفین فرمائی حالانکہ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم خود زخمی تھے۔ حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں کہ مجھے کسی کے عمل پہ اتنا رشک نہیں آیا جتنا حضرت وہب ؓ کے عمل، مقدر اور خوش نصیبی پہ آیا۔

حضرت وہب ؓ کے مقدر پہ کیوں نہ رشک کریں ان کی قسمت پہ کیوں نہ ناز کریں کہ آئے تاخیر سے لیکن سب میلہ لوٹ کر لے گئے۔ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جان دی زندگی وار دی صلہ کیا ملا جنت کی بشارت مل گئی بہشت کی کلید مل گئی اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک و مقدس ہاتھوں تدفین ہوئی۔ مرتبہ بلند جس کے نصیب میں تھا اسے مل گیا ہر ایک کے حصے میں کہاں۔

جنت کی خوشبو

غزوۂ احد میں مسلمانوں کے ایمان، شجاعت و بہادری، عزم و ہمت، حوصلہ و جانثاری
اور عشق و محبت کی کڑی آزمائش تھی اور خاص کر جب دشمن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر پے در پے
حملے کر رہا تھا اور نعوذ باللہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے پورے جتن کر رہا تھا تو
مسلمانوں نے بہادری، ایثار اور قربانی کی وہ مثالیں قائم کیں اور وہ داستانیں رقم کیں کہ تاریخ
انسانی نے اس کی نظیر نہ دیکھی ہوگی۔ جب جنگ تھمی۔ زور ٹوٹا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
جانثاروں کے بارے میں فرداً فرداً معلوم کر رہے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروانوں کو
بھولتے نہ تھے بلکہ ہر گھڑی ہر آن ان کے بارے میں باخبر رہتے تھے جنگ کا منظر ذرا صاف ہوا تو
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ربیع صحابی کے بارے میں دریافت فرمایا جو اس غزوہ میں شریک
تھے۔ صحابہ سے پوچھا تو انہوں نے لاعلمی اور بے خبری کا اظہار کیا اس پر حضرت زید بن ثابتؓ نے
کہا میں ان کو تلاش کرتا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ملاقات ہو جائے تو میرا اسلام
کہنا اور پوچھنا کیسے ہو۔ حضرت زید نے سعد بن ربیع کو شہدا میں تلاش کیا آپ نہ ملے پھر آوازیں
دیں کہ زندوں میں ہو تو جواب دو۔ کہیں سے جواب نہ آیا تو حضرت زید نے پھر بہ آواز بلند اعلان
کیا کہ مجھے سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خبر لانے کیلئے بھیجا ہے تو ایک کمزور و نحیف سی
آواز آئی۔ حضرت زید اس آواز کی طرف لپکے تو دیکھا کہ حضرت سعد بن ربیع زخموں سے چُور
(تیر اور تلوار کے ستر سے زیادہ زخم) سات مقتولین میں پڑے ہیں۔ سانسوں کا سلسلہ کوئی دم میں
ٹوٹنے والا ہے۔ جسم و جاں کا رشتہ ختم ہوا چاہتا ہے۔ جب حضرت زید قریب پہنچے تو حضرت سعد
نے فرمایا اللہ کے رسول کی خدمت میں میرا اسلام کہنا تم پر بھی میرا اسلام ہو اور حضور کی بارگاہِ بے کس
پناہ میں عرض کرنا میں جنت کی خوشبو پا رہا ہوں۔ مسلمانوں خصوصاً انصار بھائیوں کو میرا اسلام کہنا
اور پیغام دینا کہ اگر کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور تم زندہ رہے تو تمہارے پاس کوئی عذر

نہ ہوگا اور روح قفسِ عنصری سے سوئے جنت پرواز کر گئی۔

پرخلوص جذبے کی قدر

غزوۂ احد میں دنیاوی حساب سے ظاہراً مسلمانوں کو ہزیمت اٹھانا پڑی حکم عدولی رسول کی وجہ سے مسلمانوں کا بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا۔ مسلمانوں کو ذرا سی غلطی کا بہت زیادہ خمیازہ بھگتنا پڑا کڑی آزمائش اور مشکل وقت سے گزرنا پڑا لیکن وقتی ہزیمت کو مکمل شکست پہ محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اگر جنگی اصولوں کے مطابق اس غزوہ کا جائزہ لیا جائے تو فتح و شکست کسی فریق کی بھی نہ ہوئی تھی کفار غالب ہونے کے باوجود میدانِ جنگ چھوڑ گئے فتح یاب گروہ فتح سے جو مفادات حاصل کرتا ہے وہ حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ کفار میں باوجود مسلمانوں کی ہزیمت کے آگے مدینہ کی جانب پیش قدمی کی جرات نہ ہوئی۔ بظاہر کفار کا پلڑا بھاری رہا لیکن وہ اتنا خوفزدہ سراسیمہ اور نفسیاتی طور پر دباؤ میں رہے کہ بجائے پیش قدمی کرنے کے انہوں نے واپسی میں عافیت جانی۔

لشکر کفار واپسی پر حمراالاسد کے مقام پر پہنچا تو ابوسفیان کو خیال آیا کہ مسلمانوں کو تو شکست ہوگئی تھی ہمیں تو اس لڑائی کو انجام تک پہنچانا چاہیے تھا ہم تو اسے بلا نتیجہ چھوڑ آئے۔ لہٰذا ہمیں واپس ہونا چاہیے اور مسلمانوں پر ایک ضربِ کاری لگانی چاہیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کر کے روز روز کا قضیہ چکا دینا چاہیے۔ کفار کے ارادے اور صلاح مشورے کا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو اس وقت مسلمان تھکے ہارے اور بیشتر زخمی احد سے مدینہ پہنچ چکے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ اس موقع پہ ہمیں کمزوری نہیں دکھانی چاہیے ورنہ دشمن کو دوبارہ حملہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ وہی مسلمان جو غزوۂ احد میں شمولیت فرما چکے ہیں فوراً اکٹھا ہو جائیں اور میرے ساتھ دشمن کے تعاقب میں نکلیں مسلمان اپنی تھکاوٹ اور زخموں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دوبارہ نکل کھڑے ہوئے اس موقع پر حضرت جابر نے عرض کی ''یا رسول اللہ! میری تمنا اور خواہش تھی کہ غزوۂ احد میں

شمولیت کی سعادت حاصل کرتا لیکن چونکہ میری سات بہنیں ہیں میں اکیلا بھائی ہوں والد صاحب نے فرمایا ہم دونوں میں سے ایک مرد کا گھر میں رہنا ضروری ہے تو جوان ہے تجھے ایسے مواقع پھر بھی مل جائیں گے لیکن میں عمر کے اس حصہ میں ہوں کہ شاید مجھے پھر جہاد کا موقع ملے یا نہ ملے لہٰذا میں غزوہ میں شمولیت کرتا ہوں اور تم گھر پر رہو۔ حضور میں والد صاحب کا فرمان ٹال نہ سکا مجھے والد صاحب کی حکم عدولی کا یارا نہ تھا۔ میرے والد صاحب کی تمنا اور آرزو پوری ہوئی اور وہ اس غزوہ میں شہید ہو گئے یہ تھی میری عدم شمولیت کی وجہ۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اِجازت مَرحمت فرمائیں تا کہ میں اب کی بار بھی اس سعادت سے محروم نہ رہ جاؤں''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کے اس جذبہ کی قدر کرتے ہوئے اجازت عطا فرما دی ورنہ باقی لوگ وہی تھے جو غزوہ احد میں شمولیت فرما چکے تھے۔

رنگ نسل وجہ افتخار نہیں، معیار حسنِ اعمال ہے

جبش کی آب وہوا۔ صحرائی زندگی، گرم ہواؤں کے تھپیڑے، آگ برساتی گرمی اس لئے وہاں کے مکینوں کے رنگ کالے، ہونٹ موٹے، ڈیل ڈول بے تکا، جسمانی اعضاء غیر مناسب اس لئے کسی طور ان کو خوبصورت نہیں کہا جاسکتا تھا۔ معاشی طور پر بدحال ماں باپ اولاد کو بیچنے تک مجبور ہو جاتے تھے۔ اس لئے بیشتر غلامی ورثے میں لے کے پیدا ہوتے یہ لوگ معاشی اور معاشرتی طور پر ٹھکرائے ہوئے، انسانی قدو منزلت کے لحاظ سے سب سے نچلی سطح پر یہ مظلوم ٹھکرایا ہوا طبقہ بھی دل میں ارمان رکھتا تھا کہ انہیں بھی انسان گردانا جاتا۔ انہیں بھی نسل انسانی اور ابنِ آدم کے ناطے مساوی عزت وتوقیر دی جاتی۔ سب سے پہلے مساوات کی تعلیم اسلام نے پیش کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کالوں کو سینے سے لگایا اور وہ عزت واحترام دیا کہ کالے وقت کے امام بنے۔ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے یہ دعوت دی کہ سب انسان برابر ہیں کہ سب نسلِ آدم سے ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں انسانی فضیلت وبرتری نہ رنگ نہ نسل نہ مال ودولت اور نہ خاندانی تفاخر پر ہے بلکہ حُسنِ اعمال پر ہے۔ اس تعلیم نے کالوں کو حوصلہ دیا وہ اسلام کی طرف کھنچے چلے آئے اور بڑی فضیلت اور اعلیٰ درجے کا کمال پایا۔ حضرت بلال حبشیؓ کی مثال آپ کے سامنے ہے۔ ایک دن تین غلام حضرت بلال حبشیؓ، صہیب رومیؓ اور سلمان فارسیؓ بیٹھے ہوئے تھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ حضرت بلال نے کوئی بات کی حضرت عمر قریب سے گزر رہے تھے آپ نے حضرت بلالؓ کی بات سن کر کہا بلال آخر ہو تو تم غلام۔ حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو کہا اے عمر تو نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل دکھایا۔ حضرت عمر فوراً واپس پلٹے اور حضرت بلال سے معافی مانگی ایک دن یہی تینوں غلام بیٹھے تھے کہ وہاں سے ابوسفیان کا گزر ہوا جو ابھی ایمان نہ لایا تھا اور تجدید معاہدہ کے لئے مدینہ منورہ آیا ہوا تھا اسے دیکھتے ہی حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ نہ جانے یہ دشمنِ دین اور دشمنِ رسول جنگ بدر میں ہماری تلواروں سے کیسے بچ گیا پاس سے حضرت

صدیق اکبر گزر رہے تھے یہ بات سن کر بولے اے بلال! کچھ تو خیال کرو آخر ابوسفیان سرداران قریش میں سے ہے اور یہاں سفارت کاری کے لئے آیا ہے۔ اور پھر حضرت ابوبکر صدیق نے خود یہی بات جا کر بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی عرض کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق کیا تو نے بلال کو آزردہ تو نہیں کیا خدا کی قسم اگر بلال ناراض ہو گیا تو خدا بھی ناراض ہو جائے گا۔ غور فرمایئے یہ بات بعد از رسول سب سے برگزیدہ اور فضیلت والی ہستی حضرت ابوبکر صدیق سے کہی جارہی ہے۔ ذرا مقام بلال تو ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت صدیق اکبر فوراً واپس دوڑے اور حضرت بلال کے پاؤں پڑ کے معافی مانگی یہ ہے عزت و وقار، تعظیم و تکریم جو کالوں کو سرکار مدنی صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہونے کی بنا پہ ملی۔

حبش میں سعد نام (بعض نے عبداللہ لکھا ہے) کا ایک نوجوان تھا۔ رنگ کالا ہونے کی وجہ سے لوگ اسود کہتے تھے۔ غلامی کی زندگی، شکل بھی عجیب بے ڈھنگی لوگ تمسخر اڑاتے، مذاق کرتے مجبور تھا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ لگی بندھی محکومی و غلامی کی زندگی بسر کرنے پہ مجبور تھا۔ کہیں سے پتہ چلا کہ مدینہ میں ایک ایسی ہستی وارد ہوئی ہے جو نبی آخر الزمان ہونے کی دعویدار ہے۔ اس کی دعوت اور تعلیمات میں مظلوموں، غلاموں، زیردستوں اور مسکینوں کے لئے ارفع و اعلیٰ مقام کی نوید ہے وہ ایسے ستم رسیدہ اور مفلوک الحال لوگوں کو اپنے دامنِ رحمت میں لے لیتے ہیں عزت و احترام کا مقام ارفع عطا کرتے ہیں۔

سعد الاسود کو پہلے تو ایسی باتوں پر یقین نہ آیا کہ ایسے قبائلی و سرداری نظام میں ایسا شخص بھی ہو سکتا ہے جو مظلوموں، مسکینوں اور ٹھکرائے ہوئے لوگوں کو گلے لگائے اور عزت نفس دے۔ پھر دل یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مدینہ کے درمیان کونسا سمندر حائل ہے جا کر دیکھ لیتے ہیں آزمانے میں کیا حرج ہے۔

شوق فزوں تر ہوا۔ مدینہ جانے کی تیاریاں شروع کر دیں لیکن زادِ راہ کی عدم دستیابی اور راہوں سے ناآشنائی سدِ راہ تھی۔ آخر ایک قافلے کے ساتھ ہو لئے جو حجاز جا رہا تھا شب و روز فاصلے طے

کرتے سرزمین حجاز پر پہنچ گئے۔ قافلے نے مکہ جانا تھا انہوں نے اسے مدینہ کی راہ لگا دیا آخر سعد الاسود مدینہ پہنچ گئے مدینہ کی گلیوں میں گوہر مقصود کی تلاش میں سرگرداں ہے ایک فرد اسے مسجد نبوی کے دروازے پر چھوڑ جاتا ہے۔ مسجد میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں یہ قریب سے گزرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے نوجوان! دنیا کی نظروں میں تو لاکھ بدشکل سہی لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیرا رنگ جنت میں داخلے سے مانع نہ ہوگا اس ذاتِ بزرگ و برتر کے سامنے شکل نہیں حسنِ اعمال معیار ہے"۔ اس نے کہا واقعی اللہ تعالیٰ کے ہاں رنگ، نسل، خوبصورتی معیار پسندیدگی نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقیناً ایسا ہی ہے ان کے ہاں گورے کالے کی کوئی تمیز نہیں وہ سب کو یکساں نوازتا ہے۔ سعد الاسود نے فوراً کلمہ پڑھا اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

کئی روز کے بعد پھر آقائے دو جہاں سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف باریابی حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا سعد کیسے ہو عرض کیا آقا! آپ کے قدموں سے وابستہ ہونے کے بعد وہ عزت و توقیر ملی ہے کہ میں نے کبھی اس کا سوچا ہی نہ تھا۔ میری دنیا و آخرت سنور گئی ہے دنیا میں احترام ملا آخرت میں بخشش کی نوید ملی بھلا اب اور کیا چاہیے اب صرف ایک آرزو رہ گئی ہے کہ میرا بھی گھر بن جاتا۔ مجھے زندگی کا ساتھی مل جاتا۔ حضور! اب شادی کی خواہش ہے کئی جگہ پیغام بھجوائے لیکن اس سیاہ فام حبشی کو جس کے پاس نہ خوبصورتی، نہ گھر، نہ روزگار بھلا کون اپنی لڑکی دیتا کئی جگہ پیغام بھجوائے لیکن ناکامی ہی مقدر بنی۔ آج ناچار اپنی یہ خواہش آپ کے حضور پیش کر دی ہے اور میرا یہ ایمان ہے کہ آپ کا در وہ در ہے جہاں ہر آرزو پوری ہوتی ہے یہاں کسی سائل کو ناکامی تو ہوتی ہی نہیں یہ سننا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے رحمت مجسم کو پیار آ گیا اور فرمایا تیری شادی کا اہتمام ہم کریں گے جا اور عمرو بن وہب ثقفی سے میرا سلام کہہ اور اسے بیٹی کے رشتے کا پیغام دے اور اسے بتا کہ رشتہ میں نے نہیں بلکہ میرے آقا نے بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی سعد الاسود خوش ہو گئے وہ جانتے تھے کہ حضور کے پروانے جو اپنی متاعِ زندگی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ نچھاور کرنے کو سعادت سمجھتے ہیں وہ بھلا لڑکی دینے سے کہاں انکار کریں گے۔ حضرت سعد خوشی خوشی مسرتوں کے دوش پہ سوار عمر بن وہب کے گھر پہنچا اور شادی کا پیغام دیا۔ یہ سن کر عمر بن وہب ساکت و جامد ہو گیا۔ حیرت و کشمکش میں ڈوب گیا ایک طرف حضور کا فرمانِ عالیشان اور دوسری طرف حسین و جمیل بیٹی کا مستقبل۔ لب گنگ ہو گئے جواب کا یارا نہ تھا۔ حضرت سعد سمجھ گئے کہ انہیں رشتہ منظور نہیں ناچار واپس پلٹے ابھی چند قدم چلے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی آقا کے قاصد واپس آ مجھے یہ پیغام منظور ہے۔ یہ الفاظ عمرو بن وہب کی بیٹی کے تھے جو دروازے کی اوٹ سے یہ ساری گفتگو سن رہی تھی۔ سعادت مند بیٹی نے باپ سے کہا۔ "ابا جان! آپ نے نسلی غرور تکبر میں آ کر رشتے سے انکار کر دیا۔ اس سے پہلے کہ اس انکار کی وجہ سے اللہ آپ کو رسوا کر دے اپنی نجات کی فکر کر آپ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی پرواہ نہیں کی ان کے ایلچی کے ساتھ ناروا سلوک روا رکھا۔ آپ نے سوچا کہاں یہ کالا غلام نہ حسب نہ نسب، نہ مال نہ دولت، نہ گھر نہ بار اور کہاں میری حسین و جمیل بیٹی اور نازوں سے پلی لختِ جگر آپ یہ کیوں نہیں سمجھتے اور بیٹی کے مقدر پہ ناز کرتے کہ اس کا پیغامِ نکاح سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ یہ نہ اعزاز کسی اور کو ملا ہے نہ ملے گا۔ یہ اعزاز صرف آپ کی بیٹی کے حصہ میں آیا ہے حالانکہ لڑکیوں کی کیا کمی تھی میں تو اپنی قسمت پہ ناز کرتی ہوں اور روز حشر بھی اس پہ ناز کروں گی"۔ بیٹی کی یہ گفتگو سن کر باپ نادم ہوا باپ کا اندازِ سوچ ہی بدل گیا دراصل انہیں ڈر تھا کہ میں ہاں کہہ دوں اور بیٹی کہیں انکار نہ کر دے اس جواب سے حوصلہ پا کے حضرت سعد نے جواب دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سر آنکھوں پر جس وقت چاہیں آ کے عقد پڑھا دیں۔ حضرت سعد مسرتوں سے سرشار امنگوں اور جذبوں میں ڈوبے اور شادی کی آمدہ خوشیوں میں مگن واپس لوٹے اور بارگاہِ بے کس پناہ میں پیغام کی منظوری کی نوید دی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب دیر کا ہے کی جاؤ نکاح اور شادی کی تیاری کرو اور مونسِ غم گساراں صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ درہم بھی عنایت فرمائے کہ شادی کا سامان خرید و۔ حضرت سعد خوشی سے سرشار جانب بازار روانہ ہوئے۔

بازار پہنچے چیزوں کو پسند فرمارہے ہیں۔ذہن میں اشیاء کی فہرست تیار ہورہی ہے کہ منادی کی آواز کانوں میں پڑتی ہے مجاہدوغازیو دشمنانِ اسلام نے پھر غازیوں کو للکارا ہے عاشقوں کا پھر امتحان مقصود ہے سرفروشوں کو پھر اسلام نے پکارا ہے دشمنانِ اسلام اک بار پھر اسلام کو مٹانے کے لئے جانب مدینہ بڑھ رہے ہیں۔سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کو لشکر میں شمولیت کے لئے پکارا ہے۔غازیو! آؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہ لبیک کہو سروں پہ کفن باندھ لو اپنا اسلحہ اکٹھا کرلو اور دشمن کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جاؤ۔اس آواز کا حضرت سعد کے کان میں پڑنا تھا سامان کی خریداری کو ترک کیا۔اپنی خوشیوں کو موقوف کیا۔عطا کردہ رقم سے سامانِ حرب خریدا دل میں خیال کیا کہ اگر اسلام سلامت رہا تو مسرتوں کے ایسے لاکھ مواقع آئیں گے لیکن اگر خدانخواستہ اسلام کو زک پہنچی تو ایسی خوشیوں کا کیا فائدہ شادی کا ارادہ پسِ پشت ڈالا اپنے ارمانوں کی تکمیل کو ملتوی کیا اسی رقم سے تلوار زرہ اور سواری خریدی اور لشکر کے اجتماع میں پہنچ گیا۔لشکر روانہ ہوا لیکن یہ لشکر کے کنارے کنارے چلتے گئے کہ مبادا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں نہ آجائیں آپ پہچان نہ لیں اور واپس کردیں آخر میدانِ جنگ تک پہنچ گئے۔بے جگری سے لڑے تلوار کے خوب کرتب دکھائے ہاتھوں کا انداز بتارہا تھا کہ ہونہ ہو یہ سعد الاسود ہیں کالے کمبل میں لپٹا یہ شخص لشکر میں سب سے الگ اور نمایاں نظر آرہا تھا۔مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔شہدا کی لاشوں میں سعد الاسود کی لاش بھی تھی گردن پر زخم کے نشان لیکن چہرہ مسکراتا ہوا آقائے کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کی لاش دیکھ کر آبدیدہ ہوگئے اور فرمایا۔"واہ سعد! تم نے خوب شادی رچائی اب تمہارے لئے جنت میں حجلہ عروسی سجایا جارہا ہے۔اور حورانِ بہشت تمہارا انتظار کررہی ہیں"۔عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمائیں جوشِ ایمانی جذبہ بقائے اسلام اور حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی غرض پہ غالب آیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہ شمولیتِ جہاد کو جنسی خواہشات پہ فوقیت دی۔شادی کے ارمان عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان کردیے۔

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم
خواتین کا جذبہ ایثار و محبت

زندگی بھر کا اثاثہ، پورا کنبہ پیش کر دیا

غزوۂ احد میں خواتینِ اسلام نے بھی حصہ لیا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ احد میں مَیں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ام سلیم (حضرت انس کی ماں) کو پائنچے چڑھائے پانی کی مشک بھر کر لاتے دیکھا اور زخمیوں کو پانی پلاتے دیکھا۔ ایک اور روایت کے مطابق حضرت ابو سعید خدریؓ کی ماں ام سلیط رضی اللہ عنہا بھی جنگ میں زخمیوں کو پانی پلانے کی خدمت سرانجام دے رہی تھیں۔ حضرت ام ایمن (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ) اور حمنہ بنت جحش (ام المومنین حضرت زینب کی ہمشیرہ) یہ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں جب غزوۂ احد میں گھمسان کا رن پڑا۔ کفار اور قریش کی ساری طاقت اور جنگ کا نکتہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر مرکوز ہو گیا۔ وہ جھکموں کی صورت میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوئے تھے اور صحابہ تھے کہ دفاع کر رہے تھے اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد اپنے جسموں کا حصار بنائے ہوئے تھے صحابہ کرام تلواروں، نیزوں، تیروں کے وار اپنے جسموں کی ڈھال سے روک رہے تھے۔ دورانِ لڑائی ایک موقع ایسا آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چند جانثار رہ گئے اور کافروں کی جانب سے شدید حملوں کا سلسلہ جاری تھا۔ حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا کفار کی صفوں کو چیرتی ہوئی حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع میں صحابہ کے شانہ بشانہ کفار کا مقابلہ کیا۔

حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا وہ خوش نصیب مجاہدہ ہیں جو اپنے پورے خاندان، اپنی پوری کائنات اور سارے کنبے کے ساتھ عملی طور پر غزوۂ احد میں شریک ہوئیں اپنے شوہر زید بن عاصم اور اپنے دو بیٹوں حضرت عمارہ اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما کے ہمراہ میدان میں اتریں جب کفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کیا تو آپ تلوار لے کر دشمن کے وار کو روکتی تھیں۔ ابن قمیہ ملعون و بدبخت نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار سے حملہ کیا تو آپ نے اپنی

پشت پر وار روکا چنانچہ آپ کے کندھے پر زخم سے ایک گڑھا پڑ گیا۔ آپ نے بھی قمیہ پر تلوار سے بھرپور وار کیا لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لئے وار کارگر نہ ہوا۔ اس معرکے میں حضرت عمارہ کے جسم پر تیرہ زخم آئے آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ مجھے ایک کافر نے زخمی کر دیا۔ خون بند نہ ہوتا تھا۔ میری والدہ حضرت ام عمارہ نے کپڑا پھاڑ کر زخم کو باندھ دیا اور مجھے فرمایا اٹھ زخم کی پرواہ نہ کر پھر سر دھڑ کی بازی لگا۔ اتفاق سے اسی کافر جس نے حضرت عبداللہ کو زخمی کیا تھا کا ادھر سے گزر ہوا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام عمارہ تیرے بیٹے کو زخمی کرنے والا یہی کافر ہے۔ یہ اشارہ پا کر شیرنی کی طرح دشمن پر لپکیں اور اس کی ٹانگ میں تلوار سے وار کیا۔ وہ کافر لنگڑاتا گرتا پڑتا راہِ فرار اختیار کر گیا۔ یہ منظر دیکھ کر آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پہ بشاشت و مسکراہٹ آئی اور فرمایا۔ ”اے امِ عمارہ! تو خدا کا شکر ادا کر کہ اس رحمان و رحیم نے تجھے اتنی طاقت عطا کی کہ تو نے خدا کی راہ میں جہاد کیا“۔ حضرت ام عمارہ نے عرض کیا۔ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ جنت میں بھی آپ کی خدمت کا شرف عطا فرمائے“۔ اس وقت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ ” اَجْعَلْهُمْ رُفَقَائِی فِی الْجَنَّةِ “ (یا اللہ ان سب کو (ماں، بیٹوں اور شوہر) جنت میں میرا رفیق بنا دے)۔ حضرت عمارہ فخریہ فرمایا کرتی تھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کے بعد میں نے کبھی بڑی سے بڑی تکلیف و مصیبت کو بھی خاطر میں نہ لایا عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار اور حب رسول میں سرمست یہ عورت بھی کتنے نصیبے والی تھی کہ اپنا زندگی بھر کا اثاثہ یعنی پورا کنبہ اللہ اور اللہ تعالیٰ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں قربان کرنے کو پیش کر دیا اور پھر وہ مقام ملا جس پہ جتنا بھی ناز کرے کم ہے۔

بھائی تو بہنوں کا مان ہوتے ہیں

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں۔ جب مسلمانوں کی شکست کے بارے میں سنا تو نیزہ لے کر آئیں۔ میدانِ جنگ سے پسپا ہونے والے مسلمانوں کے منہ پر مارتی تھیں اور کہتی تھیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگتے ہو۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بیٹے سے فرمایا کہ صفیہ اپنے بھائی حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھنے پائے لیکن حضرت صفیہ رضی عنہا گویا ہوئیں کہ میں نے سب کچھ سن لیا ہے اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ یہ بھائی کی مسخ شدہ لاش پر گئیں۔ ٹکڑے دیکھ کر دل بھر آیا۔ آخر بہن تھی اور بھائی تو بہنوں کو بہت پیارے ہوتے ہیں لیکن جب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب کچھ برداشت کیا بھائی کا ناقابل دید مسخ شدہ لاشہ بھی گوارا کیا۔ کوئی بین نہیں کیے کوئی بالوں میں مٹی نہیں ڈالی۔ کوئی چیخ وپکار نہیں کی صرف انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور دعائے مغفرت کی۔ یہ صرف اور صرف عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز تھا کہ صبر کا دامن نہ چھوڑا۔

عورت کے لئے شوہر آخری سہارا

خونی اور نسبی رشتے اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دین اسلام کی راہ میں مانع اور حارج ہوں تو ان کو ٹھکرا دینا چاہیے۔ ''آپ فرما دیں اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہارے مال، تمہاری تجارت، تمہاری پسندیدہ رہائش گاہیں یہ سب کچھ اگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں حارج ہوں تو پھر تم اللہ کے حکم (عذاب) کا انتظار کرو''۔ ہم نے اس آیت کی عملی تفسیر عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار و عمل میں دیکھی۔ بیٹا باپ کے مقابل، بھائی بھائی کے مقابل غزوات میں کھڑا ہے اور پھر ہم نے دیکھا کہ بیٹا باپ کو اور بھائی بھائی کو قتل کرتا ہے اور راہِ اسلام میں یہ رشتے حارج نہیں ہوتے حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا میدان جنگ میں پہنچتی ہیں ان کو خبر دی جاتی ہے کہ تیرے بھائی عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے یہ سن کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتی ہیں پھر بتایا گیا کہ حمزہ شہید ہو گئے یہ سن کر آپ انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتی ہیں پھر بتایا گیا کہ تیرا خاوند حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اس پر آپ کی آنکھیں بھر آتی ہیں اور رونے لگتی ہیں۔ اس پر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''یہ بالکل سچ ہے کہ عورت اپنے خاوند کی خبر برداشت نہیں کر سکتی کیونکہ اس کی زندگی کا ٹھکانا اور آخری سہارا خاوند ہی ہوتا ہے''۔

میں بھی، شوہر، باپ، برادر سب فدا

یہ واقعہ جو میں رقم کرنے لگا ہوں یہ تو ایمان کی تکمیل کی معراج ہے اور عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مثال ہے جو ایمان کو تازگی اور حلاوت مہیا کرتی ہے۔ غزوۂ اُحد میں ایک بوڑھی صحابیہ ھند زوجہ عمرو ابن الجموع انصاری۔ انصار کے قبیلہ بنو دینار سے آپ کا تعلق۔ آپ کے باپ، بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ لشکرِ اسلام کی واپسی کے وقت راستے میں بیٹھی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت کے بارے میں بیقرار و مضطرب ہے اسے بتایا گیا کہ تیرے باپ، بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ قطعاً پرواہ نہ کی۔ یہی پوچھتی رہی کہ مجھے یہ بتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں جب اسے بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحمد اللہ بخیریت ہیں تو بولی کہ مجھے دکھاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا۔ جب چہرۂ اقدس وانور پہ نظر پڑی تو یوں گویا ہوئی۔

بڑھ کر رخِ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم
میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

تنکے اور چھوٹی لکڑیاں الاؤ بھڑکانے کا کام دیتی ہیں

رات کا پچھلا پہر ہے مخلوقِ خدا نیند کے مزے لے رہی ہے ہر طرف محو کا عالم ہے۔
رات اختتام کی جانب گامزن ہے۔ اذانِ فجر کا وقت ہوا چاہتا ہے کہ ایک منادی ندا دیتا ہے۔
اسلام کو پھر اِک امتحان درکار ہے دشمن نے پھر فرزندانِ توحید کو للکارا ہے۔ دشمن جانب مدینہ بڑھا
چلا آرہا ہے۔ توحید کے پرستارو، شمع محمدی کے پروانو، آقائے رحمت کے غلامو اٹھو مسجد نبوی میں
پہنچو۔ مجاہدین کا لشکر تیار ہو رہا ہے جس کی کمان خود کملی والے آقا فرما رہے ہیں مائیں اپنے جوان
بیٹوں کو لے کر پہنچیں۔ ماں کی ممتا کو آڑے نہ آنے دیں۔ ایک عورت اپنے چھ سالہ بیٹے کو پہلو میں
لٹائے محوِ خواب ہے۔ منادی کی اس ندا پہ اس کی آنکھ کھل جاتی ہے آواز پر غور کرتی ہے تو آواز جانی
پہچانی لگتی ہے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ آواز تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ہے۔ عورت بیوہ ہے کمسن
بچہ یتیم ہے اس کا باپ غزوۂ بدر میں اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم
کے عشق میں قربان کر چکا ہے زمرۂ شہدا میں شامل ہو چکا ہے۔ اس کی واحد نشانی یہ کم سن بچہ ہے۔
منادی کی آواز پہ نیند تو اکھڑ ہی چکی تھی وہ سوچنے لگی کہ کتنی خوش قسمت مائیں ہونگیں جو اپنے جوان
بیٹوں کو لیکر بارگاہِ رسالت میں پہنچیں گی۔ میرا بیٹا تو ابھی چھ سات سال کا ہے۔ کاش یہ جوان ہوتا
اور میں اسے نذرِ سرکار کر کے سرخرو ہوتی۔ یہ حسرت، یہ ارمان، یہ چبھن، یہ گمان بیقرار کر دیتا ہے۔
بے اختیار آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی ہے۔ کچھ آنسو اس محوِ استراحت بچے کی پیشانی پر بھی گرتے
ہیں معاً اس کی نیند کھل جاتی ہے۔ وہ ماں کی حالت کو دیکھتا ہے۔ آخر پوچھتا ہے ماں تیری آنکھوں
سے آنسو۔ ذرا مجھے بھی اپنی پریشانی اور دکھ بتا۔ ماں بتاتی ہے میرے لختِ جگر، میری امیدوں کے
محور، میرے مستقبل کے سہارے! آج پھر دشمن مدینہ پہ حملہ کے لئے بدمست ہاتھی کی طرح بڑھا
آرہا ہے۔ آج پھر اسلام کا پودا تازہ خون کی آبیاری مانگ رہا ہے۔ مائیں اپنے جوان بیٹوں کو لے
کے خدمتِ سرکار میں پیش کر رہی ہیں میں سوچ رہی ہوں میں اپنے سرتاج کو تو ایک سال پہلے

غزوہ بدر میں اسلام کی بقا اور تحفظ آبن آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان کر چکی ہوں۔ اب میرا سرمایہ حیات آپ ہیں اور آپ ابھی کم سن ہیں تلوار اٹھا نہیں سکتے کاش تو جوان ہوتا تو آج میں بھی سرخرو ہو جاتی۔ بیٹے نے جواب دیا گو میں کمسن ہوں لیکن آپ مجھے بارگاہ آقا میں لے تو چلیں آخر میں بھی ایک شہید کا بیٹا ہوں اور ایک عاشق رسول ماں کا لخت جگر ہوں شاید آپ کی پیشکش بھی قبول ہو جائے اور آقا مجھے اذن جہاد عطا فرما دیں۔ آخر ماں تیار ہو گئی بیٹے کو نہلایا۔ نئے کپڑے پہنائے۔ خوشبو لگائی اور انگلی تھامے دربار رسالت میں پہنچ گئیں۔ لوگوں کا ہجوم، اسلحہ کا ڈھیر، خوراک ورسد کا ذخیرہ مجاہدین کی مردم شماری۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی کے احکامات اور جنگی حکمت عملی کے بارے میں بتا رہے ہیں۔ یہ عورت بھی اپنے لخت جگر کا ہاتھ تھامے ایک طرف کھڑی ہے سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور عورت سے آنے کی غرض کے بارے میں جاننے کیلئے بھیجا۔ حضرت بلال گئے اور عورت سے آمد کی وجہ پوچھی۔ وہ خاتون آنکھوں سے برستے آنسوؤں کے ساتھ بولی میں نے آج آپ کا اعلان جہاد سنا ہے۔ میرے پاس کوئی جوان بیٹا نہیں خاوند پہلے ہی غزوۂ بدر میں قربان کر چکی ہوں اب میری کل کائنات کل اثاثہ یہ چھ سات سال کا بچہ ہے جسے اسلام اور ناموس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان کرنے لے آئی ہوں۔ حضرت بلال بچہ کو اٹھائے اور اس خاتون کو ساتھ لیے بارگاہ رسالت مآب میں لے آئے اور سارا ماجرا سنایا۔

بے کسوں کے والی، یتیموں کے ماویٰ نے فرمایا بیٹا ابھی تم کم سن ہو جنگ جوانوں کے کس بل مانگتی ہے۔ تم ماں کی گود میں پلو بڑھو جب جوان ہو جاؤ گے تو قربان ہونے کے بڑے مواقع آئیں گے۔ بچہ بھی کیا ذہین تھا کم سنی میں کیا جواب دیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں دیکھتا ہوں میری ماں روزانہ چولہے میں آگ جلاتی ہے پہلے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں اور تنکے آگ پہ ڈالتی ہے جب آگ بھڑک اٹھتی ہے تو بڑی بڑی لکڑیاں آگ پہ رکھتی ہے اس طرح آگ خوب بھڑک اٹھتی ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

جنگ میں جوش لانے کیلئے جذبوں کو بھڑکانے کے لئے ہم ایسے نغموں سے کام لیا جا سکتا ہے۔ مجھے قبول فرمائیں میری ماں کا مان رہ جائے گا"۔

اس زیرک جواب پہ ہر کوئی ششدر رہ گیا اور سارا مجمع آبدیدہ ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِس جواب پہ خوش ہوئے اور فرمایا بیٹا جاؤ تم عدم شمولیت کے باوجود غازی ہو اور تمہاری ماں جو پہلے شہید کی بیوہ تھی اب غازی کی ماں بھی کہلانے کی حقدار ہے۔

میں عورت ہوں

قیصر سلطنت رومہ کا بادشاہ تھا۔ آغاز اسلام کے وقت روم بہت بڑی سلطنت اور طاقت تھی۔ مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے یہ لوگ خائف تھے۔ مسلمانوں کو سلطنت روما سے کئی جنگیں لڑنا پڑیں لیکن طاقت کے لحاظ سے کوئی موازنہ نہ تھا یہ تو ممولوں کا شہباز سے ٹکرانے والی بات تھی رومیوں سے کئی جنگیں ہوئیں جنگ یرموک اور جنگ قادسیہ اس کی مثال ہیں۔ ایک طرف لاکھوں کی تعداد اور دوسری طرف نہتے ہزاروں میں لیکن مسلمانوں نے قوت ایمانی سے سرشار جرات و بہادری کی وہ مثالیں قائم کیں کہ عقل حیران رہ جاتی کہ اسے کیا کہیں۔

ایک لڑائی میں ضرار بن ازور کی نظر رومی سردار وردان پر پڑی۔ حضرت ضرار باز اور چیتے کی طرح اپنے شکار پر جھپٹے۔ وردان کا لڑکا بھی باپ کے ہمراہ تھا۔ جوان تھا، ماہر جنگجو تھا۔ مقابلے پر آیا لیکن حضرت ضرار نے ایسا تاک کے نیزہ مارا جو کہ زرہ کو چیرتا ہوا سینے تک اتر گیا۔ حضرت ضرار نے پوری قوت سے نیزہ کھینچا لیکن نیزے کی انی سینے میں رہ گئی اور دستہ ضرار کے ہاتھ میں۔ اب نہتے ہو گئے۔ غیر مسلح پا کر دشمن نے گھیر لیا اور جنگی قیدی بنا لیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے گرفتار ہونے کا پتہ چلا تو لشکر سے ان کی رہائی کیلئے زوردار حملہ کیا۔ حضرت خالد نے دیکھا کہ یکا یک ایک زرہ پوش سوار گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آیا اور دشمن پہ ٹوٹ پڑا۔ تن تنہا دشمن سے نبرد آزما، حملہ کرتا دشمن کی صفوں کو درہم برہم کرتا ایک سرے سے دوسرے سرے جا نکلتا۔ دشمن اس جانباز کی دلیری پہ حیران تھا آخر یہ سوار حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے نزدیک آیا۔ حضرت خالد نے پوچھا اے جوان تو کون ہے اپنا نام بتا اور تعارف کروا لیکن اُدھر سے مسلسل خاموشی۔ آخر اُسے بتایا گیا کہ سالار لشکر کے سوالوں کا جواب نہ دینا حکم عدولی کے زمرے میں آتا ہے۔ اب سوار بولا میری خاموشی کو حکم عدولی پہ محمول نہ کیا جائے میری خاموشی میری شرم وحیا کی بنا پہ ہے دراصل میں ایک عورت ہوں میرا نام خولہ بنت ازور ہے اور ضرار کی بہن ہوں

۔پردہ نشین ہوں لیکن بھائی ضرار بن ازور کی گرفتاری کا سن کر مجبوراً میدانِ جنگ میں کودنا پڑا۔میں لڑتے لڑتے تلوار چلاتے میدانِ جنگ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گئی لیکن مجھے بھائی کا نشان نہیں ملا۔بعد میں حضرت خالد بن ولید کو پتہ چلا کہ حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو قافلے کے ہمراہ قیصر روم کے دربار میں بھیجا جارہا ہے۔مسلمانوں نے درمیانِ راہ حملہ کیا اور حضرت ضرار رضی اللہ عنہ کو رہائی دلائی۔

ماں اور ممتا کا جذبہ

ماں ایک ایسا لفظ ہے جس کے سنتے ہی دل کو ایک تسکین ہی ہوتی ہے ماں کا نام آتے ہی سر پہ ایک چھتر سنا یہ سا بن جاتا ہے اک سائبان کا احساس ہوتا ہے باری تعالیٰ نے ماں کے اندر ممتا کا جذبہ ایسا رکھا ہے جس کی مثال اور کسی رشتے میں نہیں ملتی۔ ماں کی محبت میں کبھی کھوٹ نہیں ہوتا ماں ایسی ہستی ہے کہ جس کی دعائیں بلائیں ٹال دیتی ہیں اس کی محبت میں گہرائی اور سچائی ہوتی ہے یہ کسی قسم کے طمع ولالچ سے پاک ہوتی ہے اس کی دعاؤں میں ہمیشہ خلوص ہوتا ہے ماں کی محبت بھی کیا محبت ہوتی ہے کہ خود باری تعالیٰ بھی اپنی مخلوق کے ساتھ محبت کو ماں کی محبت سے مثال دیتا ہے ماں ہر دم اپنی اولاد کے لئے درازی عمر کی دعائیں مانگتی ہے بلکہ وہ تو یہاں تک تیار ہوتی ہے کہ اس کی عمر بھی اس کی اولاد کو لگ جائے۔ اسی لئے تو شاعر نے کہا ہے۔

اک مدت سے میری ماں سوئی نہیں تابش
میں نے اک بار کہا تھا مجھے ڈر لگتا ہے

تاریخ اسلام میں ایک ایسی مثال بھی ملتی ہے جو خود اپنے بیٹوں کو موت کے لئے بھیجتی ہے زندگی کے لئے نہیں وہ شہادت کے حصول کی تاکید کرتی ہے۔ وہ خود کہتی ہے بیٹو جاؤ راہ حق میں توحید کی سربلندی کے لئے اور ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کی خاطر اپنی زندگیاں وار دو۔ ثابت ہوا کہ ماں کی ممتا کے جذبہ سے بھی قوی تر جذبہ موجود ہے اور وہ جذبہ ہے عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مائیں اس جذبہ سے سرشار ہوئیں انہوں نے اپنے بیٹوں کو اپنے ہاتھوں تیار کر کے شہادت کے لئے بھیجا ایک ماں ہے بیٹوں کو نصیحت کرتی ہے کہ دنیا چند روزہ ہے، فانی ہے، ناپائیدار ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے جاؤ اور دشمن دین کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ آن وشان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ زندگیاں وار دو اس ماں کا نام حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ہے یہ پڑھی لکھی خاتون تھیں بلکہ شاعرہ بھی تھیں یہ اپنے قبیلے کے چند افراد کے ہمراہ مدینہ آئیں اور

شرف بہ اسلام ہوئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت 16 ہجری میں جنگ قادسیہ ہوئی یہ خاتون ہمراہ اپنے بیٹوں کے اس جنگ میں شریک ہوئیں اسی جنگ میں ان کا ہر بیٹا آگے بڑھتا رجز یہ شعر پڑھتا تلوار کے جوہر دکھاتا اور جام شہادت نوش فرماتا یہاں تک کہ کل متاع، کل اثاثہ، سارا سرمایہ حیات اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب کی راہ میں قربان کر دیا۔ جب چاروں بیٹوں کے شہید ہونے کی اطلاع اس عظیم ماں اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہستی کو ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اسے شہیدوں کی ماں کہلانے کا اعزاز نصیب ہوا اور دعا کی کہ ان شہیدوں کے ساتھ اُن کی ماں کو بھی دامانِ رحمت میں جگہ عطا فرما۔

پورا کنبہ راہِ حق میں نکلتا

حضرت ام عمارہ نسیبہ رضی اللہ عنہا کعب کی بیٹی تھیں ان کا تعلق مدینہ کے مشہور قبیلہ بنی مازن بن نجار سے تھا۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں 73 مرد اور 2 خواتین مدینہ منورہ سے اس بیعت میں شمولیت کے لئے تشریف لائے اُن دو عورتوں میں سے ایک حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب تھیں۔ یہ انصاریہ تھیں اور دوسری خاتون اسما بنت عمرو بن عدی۔

ان کے خاوند جب کبھی بھی راہِ حق میں جہاد کے لئے نکلتے تو یہ خوش بخت خاتون اپنے دو بیٹوں حبیب اور عبداللہ کے ساتھ جو ابھی کمسن تھے ہمیشہ اپنے خاوند کے ہمراہ ہوتیں۔ ایک مرتبہ اُن کے بیٹے حضرت حبیب کو مسیلمہ کذاب نے گرفتار کر لیا۔ جبر و تشدد کی انتہا کر دی ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے مگر مجال اس عاشق صادق کے پائے استقلال میں لغزش آئی ہو۔ مسیلمہ پوچھتا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں یہ فدائی جواب دیتا ہاں جب مسیلمہ پوچھتا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ مسیلمہ اللہ کا سچا رسول ہے تو یہ عاشق صادق جرات سے جواب دیتا ہرگز نہیں تم جھوٹے ہو تم کذاب ہو۔ مسیلمہ سوال کرتا اور اس جری و نڈر نوجوان کا ایک عضو کاٹ دیتا۔ سوال ہوتے رہے بے خوف جواب آتے رہے اور اس سرفروش اسلام، جانثار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک کر کے عضو کٹتے رہے۔ یہ شیدائی، یہ حُبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ اپنے اعضاء کا نذرانہ پیش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی عشق و محبت کی سرشاری اور نشے میں جام شہادت نوش فرمایا اور ابدی زندگی پائی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں لشکر بھیجا گیا۔ لشکر اسلام فتح و نصرت سے ہمکنار ہوا مسیلمہ کذاب قتل ہو کر اپنے انجام کو پہنچا۔ اس معرکے میں یہ شیر دل جری و غیور خاتون بھی لشکر اسلام میں شامل تھیں۔ معرکے کے اختتام پہ دیکھا گیا کہ ام عمارہ نسیبہ کے جسم پہ تلوار و نیزے کے بارہ زخم تھے۔

لیکن اس غازیہ کو قطعاً زخموں کی پروا نہ تھی وہ پر مسرت و شاداں و فرحاں تھیں۔

غزوۂ اُحد کے بعد کا واقعہ

عشق کی انتہا۔ عدیم المثال واقعہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو تین سالہ دورِ تبلیغ میں صرف تیس یا چالیس حواری پیدا کیے اور وہ بھی کڑے وقت اور آزمائش اور مصیبت و امتحان کی گھڑی میں ساتھ چھوڑ گئے۔ ایک حواری یہودہ نے چند ٹکوں اور سکوں کی خاطر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف مخبری کی۔ ایک اور حواری پطرس نے قسم کھا کر بلکہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر لعنت بھیج کر آپ سے اپنے تعلق کی نفی کی۔ ایک طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کا یہ حال اور کردار دوسری طرف شمع محمدی کے پروانوں کو دیکھیے۔ حضرت زیدؓ بن دثنہ، حضرت خباب بن الارت، حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت بلالؓ جب یہ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے تو ان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ انگاروں پر لٹایا گیا۔ گرم سلاخوں سے داغا گیا۔ تپتی ریت پہ لٹا کے سینے پہ پتھر رکھ دیے جاتے۔ غرض یہ کہ کونسا ستم تھا جو روا نہ رکھا گیا۔ کونسا جور و ظلم کا ایسا طریقہ تھا جو آزمایا نہ گیا ہو لیکن اِن جانثارانِ اسلام، عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ کفار نے ظلم کی حد کر دی اور اِن خادمانِ وفدایانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی انتہا کر دی۔ آپ کے ایمان کی جلا اور ذوقِ عشق کی تسکین کیلئے ایک واقعہ نقل اور زیبِ کتاب کر رہا ہوں۔

ماہِ صفر 4 ہجری میں بنو عضل اور بنو قارہ قریش کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مختلف روایتیں ہیں ایک روایت کے مطابق سلافہ نامی عورت جس کے دو بیٹے غزوۂ احد میں مارے گئے تھے۔ اُس نے منت مانی کہ اگر مرے بیٹوں کے قاتل حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر مجھے ملا تو اُس کھوپڑی کا پیالہ بنا کے اُس میں شراب پیوں گی۔ اُس نے اعلان کیا جو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا سر مجھے لا کے دے گا میں اسے دو سو اونٹ انعام میں دوں گی۔ سفیان بن خالد نے اِن اونٹوں کے لالچ میں قبیلہ عضل وقارہ کے چند آدمیوں کو مدینہ بھیجا۔

دوسری روایت کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ یا دس صحابہ کی جماعت اہل مکہ کی خبر لانے کو بھیجی راستہ میں بنولحیان کے دو سو آدمیوں سے مقابلہ ہوا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ کافروں نے اُحد کا بدلہ لینے کیلئے فریب سے اپنے یہاں بلایا۔ بنوعضل اور بنوقارہ قریش قبائل کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمارے قبائل نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آپ چند معلمین ہمارے ساتھ بھیجیں تا کہ وہ ہمارے قبائل کو اسلام سکھائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب صفہ میں سے دس صحابہ کو اُن کے ساتھ بھیج دیا۔ اُن کے سردار حضرت عاصم بن ثابت تھے۔ جب یہ قافلہ مقام رجیع پر پہنچا تو اِن کو لیجانے والوں نے غداری کی قبیلہ بنولحیان کو ان کی ہلاکت کا اشارہ کیا وہ دو سو آدمیوں کے ساتھ حملہ آور ہوئے اور ان میں سے ایک سو ماہر اور پختہ کار تیر انداز تھے۔ صحابہ نے فدفد پہاڑی پر پناہ لی۔ انہوں نے کہا اُتر آؤ ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں لیکن حضرت عاصم نے کہا ہم مشرکوں کی پناہ نہیں لیتے۔ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کی "اے خدا! ہمارے پیغمبر کو اس بات کی خبر کر دے"۔ حضرت عاصم سات صحابہ کے ساتھ تیروں سے شہید ہو گئے اہل قریش نے آدمی بھیجے کہ شناخت کیلئے حضرت عاصم شہید کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ لائیں۔ اللہ تعالیٰ کو گوارہ نہ ہوا لہٰذا شہد کی مکھیوں نے شہید کی لاش پر پہرہ ڈالے رکھا اور دشمن ناکام واپس لوٹ گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ بھڑوں کا غول آیا اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش پہ اُترا رہا اور دشمن کو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش نہ اٹھانے دی کہ وہ لاش کی بے حرمتی کریں۔ پھر بارش برسی اور پانی کی ایک رَو آئی اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کی لاش کو بہا لے گئی۔

تین صحابہ حضرت خبیب، حضرت زید بن دثنہ اور حضرت عبداللہ بن طارق نے کافروں کے وعدے کا اعتبار کر لیا اور ٹیلے سے نیچے اتر آئے انہیں گرفتار کر لیا اور غلام بنا کر قریش مکہ کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ جنگ بدر میں حضرت خبیب نے حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لئے جوش انتقام میں حارث کے بیٹوں نے خرید لیا تا کہ باپ کے قتل کا بدلہ لیں لیا۔ سے اپنے

گھر لے گئے اور بھوکا پیاسا رکھ کر قید میں ڈال دیا۔ حارث کی نواسی ہاتھ میں چھری لیے ہوئے کھیلتی ہوئی حضرت خبیبؓ کے پاس چلی گئی۔ حضرت خبیب نے چھری پکڑ کر پاس رکھ لی اور بچی کو پاس بٹھالیا۔ بچی کی ماں نے جب دیکھا تو خوف سے چیخ نکل گئی وہ سمجھی تھی کہ ہم حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو اذیتیں دے رہے ہیں اور بھوکا پیاسا رکھ رہے ہیں تو یہ بچی کو یقیناً قتل کرے گا۔ حضرت خبیبؓ بولے کہ ہم مسلمان ہیں ہم لوگ غلامانِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم بچوں کو قتل نہیں کرتے۔ اِن کو شہید کرنے کیلئے حدودِ حرم سے باہر لیجایا گیا آپ نے آخری خواہش کے طور پر دو رکعت نماز نفل ادا کرنے کی اجازت مانگی جو دے دی گئی۔ آپ نے جلدی جلدی نماز ختم کرلی اور کہا "میں نے اس لئے دیر نہیں لگائی کہ کہیں دشمن یہ نہ سمجھے کہ موت سے ڈر گیا ہے"۔ خبیب شہید کر دیے گئے۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھا کر جسم کے ہر حصے پر نیزوں کے چرکے لگائے گئے لیکن اِس عاشقِ رسول نے اف تک نہ کی۔ ایک ظالم نے نیزہ لا کر جگر پر مارا اور کہا کہ اب تم پسند کرتے ہو گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پھنس جائیں اور میں چھوٹ جاؤں تو حضرت خبیب نے کہا "خدا جانتا ہے کہ میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان کے بچنے کے عوض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھے"۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لڑکی کی ماں کہا کرتی تھی کہ کوئی قیدی حضرت خبیب سے بہتر میں نے نہیں دیکھا۔ مکہ میں اُس وقت پھلوں کا نام و نشان تک نہ تھا اور خبیب کے پاس پھر بھی انگوروں کے خوشے ہوتے تھے وہ کھاتا تھا یقیناً اللہ تعالیٰ اسے اپنے پاس سے رزق پہنچاتا تھا۔ حضرت خبیب نے تختہ دار پہ کھڑے کھڑے اہل مکہ کے لئے بددعا کی۔ حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ نے مجھے زمین پر لٹا دیا کیونکہ اُن کا خیال تھا اس طرح بددعا کا اثر نہیں ہوتا۔ اِس بددعا سے ابوسفیان پر اضطرابی کیفیت طاری ہوگئی ایک سال کے

اندر اندر جتنے آدمی بھی سولی پر چڑھاتے وقت موجود تھے سب مرکھپ گئے۔ سعید بن عامر بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ تختہ دار پر حضرت خبیبؓ نے فرمایا "اے اللہ! ہم نے اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ پر عمل کیا۔ یہاں کوئی بھی نہیں جو میرا پیغام اُن تک پہنچا دے تو قادر و قیوم ہے میرا اسلام اُن تک پہنچا دے"۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "میں مدینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ آثار وحی ظاہر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وعلیہ السلام ورحمتہ اللہ" اس کے بعد آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور بتایا کہ خداوند تعالیٰ نے خبیب رضی اللہ عنہ کا سلام مجھے پہنچایا ہے آپ نے بشارت دی جو شخص حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو تختہ دار سے نیچے اُتارے گا اس کا مقام بہشت ہے"۔

غلامانِ محمد جان دینے سے نہیں ڈرتے
سَر رہ جائے یا کٹ جائے پرواہ نہیں کرتے

حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صفوان بن امیہ نے اس لئے خریدا کہ انہوں نے صفوان کے دو بیٹوں کو جنگ بدر میں قتل کیا تھا تا کہ اُس کے بدلے اسے قتل کر سکے۔ صفوان نے اپنے غلام نسطاس کو بھیجا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو حدودِ حرم سے باہر لے جا کر شہید کر دے۔ راستے میں نسطاس پوچھنے لگا کہ کیا تم خوش نہ ہوتے اگر تمہاری جگہ ہم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرتے تو حضرت زید نے جرات مندانہ جواب دیا کہ مجھے تو یہ بھی پسند نہیں ہے کہ جس مقام پر اس وقت آپ ہیں انہیں کوئی کانٹا بھی چبھے۔ یہ سن کر ابوسفیان بولا کہ میں نے کسی شخص کو کسی کے ساتھ ایسی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنی محبت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اُن سے کرتے ہیں اس کے بعد نسطاس نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو تلوار سے شہید کر دیا۔

غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے
جو ہو نہ عشقِ مصطفیٰ تو زندگی فضول ہے

سردار کی بیٹی تھی شایانِ شان رُتبہ ملا

بنوخزاعہ قریش مکہ کے حلیف تھے۔اُن کی ایک شاخ بنومصطلق مدینہ سے 9 منزل کی مسافت پر مریسیع کے مقام پر آباد تھی جن کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا۔انہوں نے مدینہ پر چڑھائی اور حملہ کی منصوبہ بندی اور تیاری شروع کی۔حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو مصدقہ اطلاع مل گئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجاہدین کے ساتھ مورخہ 3 شعبان 5 ہجری کو روانہ ہوئے۔اس مہم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی آپ کی خدمت کے لئے ہمراہ تھیں۔مریسیع کے مقام پر مقابلہ ہوا۔مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔اس غزوہ میں بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔مال غنیمت میں دو ہزار بکریاں، پانچ ہزار اونٹ اور چھ سو قیدی شامل تھے۔اِن قیدیوں میں حارث بن ابی ضرار سردارِ قبیلہ کی بیٹی جویریہ بھی تھی۔مالِ غنیمت جب تقسیم ہوا تو جویریہ ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئیں۔یہ چونکہ سردار کی بیٹی تھی کنیز بن کے رہنا انہیں گوارا نہ تھا۔انہوں نے ثابت بن قیس کو اس بات پہ راضی کر لیا کہ وہ معاوضہ لے کر اُسے آزاد کر دے۔اِن کا خیال تھا کہ چندہ وغیرہ کر کے انہیں رقم ادا کر دونگی۔یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چندہ کے سلسلہ میں گئیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہ تمہارے ساتھ بہتر سلوک کیا جائے کہ رقم میں اپنے پاس سے ادا کر دوں اور تم سے نکاح کر لوں جویریہ نے منظور فرما لیا۔سردار کی بیٹی تھی سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اس کے شایانِ شان اسے رتبہ دے رہے تھے۔اس کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔مالِ غنیمت میں کنیز بن کے آئی اور اُمہات المومنین میں جگہ مل گئی۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو رقم ادا کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔چند دن کے بعد جویریہ کے والد اپنی بیٹی کو چھڑانے کے لئے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جویریہ سے پوچھ لو اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتی ہے تو ہم آزاد کیے دیتے ہیں آپ لے جائیں۔حضرت جویریہ نے باپ کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔اس کے بعد حارث بن ابی

ضرار بھی مسلمان ہو گیا۔ چند دن بیٹی کے پاس مہمان رہا اور پھر واپس چلا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے 9 اوقیہ سونا حضرت جویریہ کے عوض ادا کیا۔ حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ السلام کے ساتھیوں کو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا علم ہوا تو تمام لوگوں نے وہ اسیرانِ جنگ جو اُن کے حصہ میں آئے تھے فوراً رہا کر دیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرال والے اب غلام نہیں ہو سکتے۔

باپ منافق بیٹا سچا عاشق

عبداللہ بن ابی سلول منافق تھا اور کئی مواقع پہ منافقت کا اظہار کر چکا تھا۔ غزوۂ بنو المصطلق میں ایک چشمے پر ایک مہاجر اور ایک انصاری میں لڑائی ہوگئی۔ مہاجر اور انصار اپنے اپنے فرد کے حمایتی اور طرفدار ہو گئے۔ عبداللہ بن سلول نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے انصار کو خوب بھڑکایا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے۔ عبداللہ بن ابی نے کہا یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے اگر ہم مدینہ پہنچ گئے تو ہم عزت والے اِن ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم ابھی بچہ تھے انہوں نے یہ بات سن لی اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری بات بتائی عبداللہ بن ابی سلول مکر گیا انصار کے لوگوں نے اس کے بارے میں سفارش بھی کی اِس موقع پہ سورۂ منافقون کا نزول ہوا۔

حضرت عمرؓ نے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی کہ اگر مجھے اجازت ہو تو میں عبداللہ بن ابی کی گردن اڑا دوں لیکن رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر کیا تم پسند کرتے ہو کہ لوگ کہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں اس پر حضرت عمر خاموش ہو گئے۔

عبداللہ بن ابی کے بیٹے کا نام بھی عبداللہ تھا جتنا منافق اِن کا باپ تھا اتنا ہی بیٹا مخلص اور سچا پکا مسلمان تھا اور عاشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔ اُسے پتہ چلا کہ اُس کا باپ رئیس المنافقین ہے۔ اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کلمات کہے ہیں اس نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ اگر میرا باپ واجب القتل ہے تو آپ حکم صادر فرمائیں بجا آوری کو میں خود حاضر ہوں میں ابھی سر قلم کر کے حاضر خدمت کر دیتا ہوں بجائے اِس کے کہ کوئی دوسرا قتل کرے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تسلی دی کہ نہیں میں تمہارے باپ سے بہتر سلوک کرنے والا ہوں پھر بھی حضرت عبداللہ جنگ سے واپسی پر ہاتھ میں تلوار لے کر

مدینہ سے باہر راہ میں کھڑے ہو گئے باپ کے آنے پر اس سے کہا کہ تو کہہ میں ذلیل ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم عزیز ہیں۔ یہ تھا ایک عاشقِ رسول بیٹے کا اپنے منافق باپ سے برتاؤ۔

غزوۂ خندق (۵ ہجری)

فتح خیبر (۷ ہجری)

غزوۂ تبوک (۹ ہجری)

جنگیں بہادروں کے حوصلے کا امتحان ہوتی ہیں پرانے وقتوں میں بہادری کا اُس وقت پتہ چلتا تھا جب دو بدو لڑائی ہوتی تھی۔ تیر کمان، تلوار، نیزے ہتھیار تھے اب جوان کی مہارت اور بہادری کا پتہ چلتا تھا۔ آج کل کی جنگوں کا کیا ہے سائنسی ہتھیاروں، ایٹم ہائیڈروجن نیپام ڈیزی کٹر بموں کا زمانہ ہے۔ میزائلوں کا دور ہے گھر بیٹھے بچے بوڑھے جوان اِن کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں۔ جنگ، میدانِ جنگ یا شریک فوج تک محدود نہیں رہتی بلکہ ہسپتال، سکول تک محفوظ نہیں رہتے۔

غزوۂ خندق میں ایک طرف دس بارہ ہزار کا لشکر مدینہ کے باہر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ قریش تمام قبائل عرب کو ملا کے فیصلہ کن جنگ لڑنے آئے ہیں۔ اُدھر مدینہ کے اندر بنو قریظہ یہود کی ہمدردیاں بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ مسلمان کل تین ہزار کی نفری وہ بھی دو پاٹوں کے درمیان پھنسی ہوئی۔ باہر کی طرف دشمن ڈیرہ ڈالے ہوئے، اندر یہود کی ریشہ دوانیاں اور موجودگی اِس پہ مستزاد یہ کہ منافقین بھی موقع کی تلاش میں۔ وہ گھرا اکیلا ہونے کے بہانے گھروں کو روانہ ہونے کی اجازت مانگ رہے ہیں اور سرورِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو روک نہیں رہے۔ جب غزوۂ خندق میں محاصرہ طول پکڑتا ہے تو ایک دن زور کی آندھی چلتی ہے۔ خیموں کی طنابیں اکھڑ اور رسے ٹوٹ جاتے ہیں ہوا کے زور سے پتھر برستے ہیں۔ اندھیرا چھا جاتا ہے۔

منزل ملی، مراد ملی، مدعا ملا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اِسی اندھیرے اور تاریکی میں ہم تقریباً تین سو صحابہ اپنی جگہ پہ قائم ہیں کہ آقا و مولا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوتا ہے اور ایک ایک کا حال دریافت فرماتے ہیں اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری یہ حالت تھی کہ سردی سے بچاؤ کے لئے کوئی کپڑا نہ تھا صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جو اوڑھنے میں گھٹنوں تک آتی تھی وہ بھی میری نہیں بلکہ میری بیوی کی تھی میں اسے اوڑھے گھٹنوں کے بل زمین سے چمٹا ہوا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہوئے ''تو کون ہے؟''۔ میں نے عرض کی ''آپ کا غلام حذیفہ''۔ آپ نے فرمایا ''جاؤ جا کے دشمن کا حال معلوم کرو'' اور پھر میرے لئے دعا فرمائی ''باری تعالیٰ تو اس کی حفاظت فرما سامنے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے، نیچے سے''۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا تھا کہ میرا خوف، ڈر اور سردی کا احساس سب کچھ جاتا رہا۔ میں جانب دشمن روانہ ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چلتے وقت فرمایا تھا کہ صرف دشمن کے احوال کا پتہ چلانا ہے اور کوئی اشتعال یا جذباتی حرکت نہیں کرنا۔ میں بے خطر دشمن کے درمیان پہنچ گیا میں نے دیکھا آگ جل رہی ہے لوگ آگ تاپ رہے ہیں۔ سردی سے ان کا برا حال ہے اور ہر طرف سے صدائیں آ رہی ہیں کہ واپس چلو۔ ہر قبیلے کا سردار اپنے افراد کو پکار کے واپس چلنے کا کہہ رہا ہے ہوا کے زور سے خیموں پہ پتھر برس رہے ہیں اور جانور ہلاک ہو رہے ہیں اِسی دوران ابوسفیان جو اِس لشکر کا سردار تھا وہ بھی آگ تاپ رہا تھا میرا دل چاہا کہ اُس کو ختم کر دوں اور اِس غرض کے لئے تیر بھی ترکش سے نکال لیا پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آ گیا کہ کوئی حرکت نہ کرنا سو میں اُس کے قتل سے باز رہا۔ ابوسفیان کو مجھ پہ شبہ ہوا اور بولا کہ ہم میں ضرور کوئی جاسوس آ گھسا ہے میں نے فوراً ایک دوسرے شخص کا ہاتھ پکڑا اور کہا تو کون ہے اس نے کہا تو مجھے نہیں جانتا میں فلاں بن فلاں ہوں اِس طرح اپنے سے شک کا گمان رفع ہو گیا اور واپس ہوا۔ واپسی میں مجھے

تقریباً 20 افراد ملے جو عمامہ باندھے ہوئے تھے انہوں نے کہا اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دینا کہ اللہ نے آپ کے دشمنوں کا انتظام و انصرام کر دیا ہے۔ یہ غیبی امداد اور نصرت خداوندی کا واضح اشارہ تھا آندھی و طوفان کا آنا، پتھروں کا برسنا، جانوروں کا مرنا اور دشمن کا بزدل ہونا اور دلوں پہ خوف کا طاری ہونا یہ سب نصرت خداوندی کا بیّن ثبوت تھا میں جب واپس پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی سی چادر اوڑھے نماز میں مصروف تھے۔ یہ دوامی خصلت و عادت کریمہ تھی کہ جب کوئی مشکل گھڑی آتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی طرف رجوع فرماتے آپ کی فراغت پہ میں نے سارا احوال بیان کیا آپ نے جب جاسوس سے کارگزاری سنی تو تبسم فرمایا دندان مبارک چمکنے لگے اب ذرا ایک فدائی کی خدمات کا اعتراف اور انعام بھی ملاحظہ فرمائیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے قدموں میں لٹا لیا اور اپنی چادر کا کچھ حصہ مجھ پہ ڈال دیا اور میں شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں سے لپٹ گیا۔

منزل ملی مراد ملی مدعا ملا
مل جائیں گر حضور تو سمجھو خدا ملا

خلوص کا ایک ہی سجدہ

خیبر یہودیوں کی آبادی تھی۔ کچھ یہودی پہلے سے یہاں آباد تھے اور باقی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد مدینہ منورہ سے نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہو گئے تھے۔ خیبر کی زرخیز اور زرعی زمین تھی خوب پیداوار دیتی تھی۔ یہاں کے زیادہ تر یہود زراعت پیشہ تھے اور خاصے خوش حال اور مالدار تھے۔ یہیں ایک یہودی غلام تھا۔ چرواہا تھا لوگوں کی بھیڑ بکریاں چراتا تھا۔ رنگ کالا، موٹے موٹے ہونٹ، بھدا چہرہ، بے ڈول اور غیر متناسب جسم، چھوٹی چھوٹی آنکھیں اور مستزاد یہ کہ غلام۔ مفلوک الحال اور قابلِ نفریں طبقے سے تعلق۔ سدا سے طوقِ غلامی گلے میں لیکن پھر بھی تھا تو انسان۔ جذبات واحساسات کا مرقع اُس کے دِل میں بھی ارمان تھے کہ کاش ہمیں بھی احترام ملتا ہمیں بھی سماجی مقام دیا جاتا۔ انسانیت کے ناطے ہمیں بھی احترام آدمیت دیا جاتا لیکن یہ سب خواب اور خیال تھا۔ یہ ایسے مظلوم اور حقیر طبقے سے تعلق رکھتا تھا کہ ہر کوئی نفرت کرتا حقارت سے دیکھتا۔ یہ تو خیر جہالت کے دور کی بات تھی آج بھی اِس ترقی یافتہ اور مہذب دور میں بھی انسانیت طبقاتی اونچ نیچ سے باہر نہیں نکلی۔ آج بھی یورپ میں کالوں کو دوسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں معاشرہ چار طبقوں میں بٹا ہوا ہے۔ شودروں کو اِنسان نہیں سمجھا جاتا اس قدر حقیر گردانا جاتا ہے کہ انہیں مندروں میں جانے کی اجازت نہیں سب سے پہلے انسان کو احترام آدمیت بخشا آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ فرمادیا سب مسلمان بھائی بھائی ہیں کالے گورے، امیر غریب، آقا غلام کی کوئی تفریق نہیں جو اسلام میں داخل ہو گیا وہ مسلم معاشرے کا فرد بن گیا وہ اب دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پہ انحصار
قوتِ مذہب سے ہے مستحکم جمعیت تیری

لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہندوانہ میل جول کے نتیجہ میں ہندوانہ معاشرہ میں مدتوں رہنے کی وجہ سے ہمارے ہاں بھی دستی اور فنی کام کرنے والوں کو کمی کمین سمجھا جاتا ہے۔ معاشرے میں انہیں حقیر اور کم تر گردانا جاتا ہے حالانکہ یہ رزق حلال ہاتھوں سے، اپنے خون پسینے سے اور کمال فن سے کماتے ہیں یہ ہم سے کہیں معزز اور محترم ہیں۔

غلام کا نام اسود راعی ہے۔ باہر بکریاں چراتا شام کو آبادی میں آیا تو ایک ہلچل مچی دیکھی سارے یہودی تلواروں کو صیقل کر رہے ہیں۔ تیر کمان درست کر رہے ہیں زرہیں نکال رہے ہیں جگہ جگہ نوجوانوں کے ٹھٹھ نظر آ رہے تھے۔ زندگی معمول سے ہٹ کے تھی اُسے اندازہ لگانے میں دیر نہ لگی کہ جنگی مہم درپیش ہے اُس نے ایک یہودی سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ یہودی نے جواب دیا مکہ میں ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے خود کہتا ہے میں نبی ہوں عربوں نے انہیں مکہ سے نکال دیا اب مدینہ میں آباد ہے۔ چند دیوانے اور سر پھرے اُس پر ایمان لے آئے ہیں اب وہی دیوانوں کی فوج خیبر پر حملہ آور ہو رہی ہے ان کا لشکر فلاں وادی میں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے ہم اُسی سے مقابلہ کی تیاری کر رہے ہیں آج یا کل اُن کی فوجیں خیبر تک پہنچنے والی ہیں۔

اُس نے یہ باتیں سنیں اس کے دل میں حق کی تلاش پہلے سے موجود تھی۔ یہودیوں کے ظلم اور ناانصافیوں کا چشم دید گواہ تھا اُس کے دل میں تڑپ اور خواہش تھی کہ کاش کوئی اُن مظلوموں کا بھی حامی ہوتا۔ اُس نے سوچا بلاوجہ کوئی دیوانہ نہیں ہوتا اور دیوانوں کی فوج اکٹھی نہیں کر سکتا جو جان کی بازی ہارنے اس کے سنگ ہو جائیں ہو نہ ہو یہ سچا پیغمبر دکھائی دیتا ہے۔ وہ چھپ چھپاتے اپنے ریوڑ کو ہانکتے اُس طرف نکل گیا جس طرف مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑاؤ ڈالے تھا اِس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچ گیا۔ پہنچتے ہی سوال کیا '' آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں آپ کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور محور کیا ہے''۔ آپ نے فرمایا'' میں دعوت

دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب عبادتیں اور سجدے اُسی کے لائق ہیں اُس ذات نے لوگوں کو ہدایت اور راہِ مستقیم دکھانے کے لئے رسول بھیجے۔ میں اِس سلسلے کی آخری کڑی ہوں"۔ اب اُس نے دوسرا سوال کیا "اگر میں ایمان لے آؤں تو مجھے صلہ کیا ملے گا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آخرت کی آسائش و سرخروئی"۔ اب اُس نے تیسرا سوال کیا "میں حبشی غلام ہوں راندۂ جہاں اور ٹھکرایا ہوا رنگ سیاہ اور چہرہ کریہہ اور بدصورت معاشرے میں حقیر اور قابلِ نفریں نوکر اور چرواہا بدن سے اٹھتے پسینے کی بدبو کے بھبکے۔ لوگ مجھ سے بات کرنا تک اپنی توہین اور ہتک سمجھیں اگر میں آپ پر ایمان لے آؤں آپ کے دیوانوں، فرزانوں، پرستاروں، نام لیواؤں میں شامل ہو جاؤں آپ کے غلاموں میں شامل ہو کے اِس جنگ میں حصہ لوں اور مارا جاؤں تو کیا مجھے بھی جنت ملے گی اور کیا وہاں تو معاشرتی تفریق اور اونچ نیچ تو نہ ہوگی کالے گورے، آقا و غلام، مالک و نوکر، سردار اور کمی کمین کی تقسیم تو وہاں نہ ہوگی"۔ شافع محشر، ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری جماعت میں گورے کو کالے پر اور آقا کو غلام پر کوئی فوقیت و برتری نہیں اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی سب برابر ہوں گے وہاں رنگ و نسل کو نہیں دیکھا جائے گا وہاں اعمال اور خلوص کو پرکھا جائے گا۔ جنت کی آسائشوں میں بھی کسی قسم کی کوئی تفریق و امتیاز نہ ہوگا"۔

یہ خوشخبری سنتے ہی وہ شادکام ہو گیا کلمہ پڑھا اور حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔ اب بکریوں کے بارے میں دریافت کیا جو وہ ساتھ ہانک لایا تھا۔ نبی رحمت، خلقِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ انہیں کا حق ہے جن کی یہ ملکیت ہیں ہم دوسروں کا مال ناحق نہیں لیتے انہیں لے جا کر آبادی کے پاس ہنکار دو یہ اپنے مالکوں کے پاس چلی جائیں گی۔ اُس نے ایسا ہی کیا اور خود فوراً واپس آ کر سرفروشانِ اسلام اور عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو گیا۔ خیبر کے معرکے میں بے جگری سے لڑا۔ خوب تلوار چلائی بہادری کے جوہر دکھائے۔ آخر چاروں طرف سے تلواروں کے نرغے میں آ گیا زخم پہ زخم کھائے آخر گھائل ہوا۔ زخموں سے چُور ہو کر گرا اور جان اللہ کی راہ میں

قربان کردی۔ لڑائی ختم ہوئی۔ فتح مسلمانوں کے حصہ میں آئی شہیدوں کی لاشوں کو اکٹھا کیا گیا تو اُن میں اِس خوش نصیب، بیدار بخت کی لاش بھی تھی اُسے اٹھا کر بارگاہِ بے کس پناہ میں لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کتنا خوشِ نصیب ہے مقدر کا سکندر ہے کہ نجات و کامیابی کی منزلیں کتنی سرعت سے طے کرلیں۔ تھا تو کالا لیکن اب پیشانی کی چاندنی پر ملائکہ بھی رشک کر رہے ہیں پسینے کی بو ایسی خوشبو میں بدلی ہے کہ حورانِ بہشت چہروں پہ مَل رہی ہیں اِدھر روح نے جسم کا ساتھ چھوڑا اور اُدھر بہشت نے استقبال کیا۔

صحابہ کرام ورطۂ حیرت میں کہ کیسا خوش نصیب تھا کہ نامہ اعمال میں ایک بھی نماز نہیں جبیں پہ ایک سجدے کا نشان نہیں، نہ روزہ، نہ صدقہ وخیرات آیا اور آن واحد میں ہم سے بازی لے گیا عارفوں نے سچ کہا ہے کہ خلوص کا ایک سجدہ ریاکاری کے ہزاروں سجدوں سے بہتر ہے۔ بڑھ کے جس نے اٹھا لیا جام اُسی کا ہے۔

ادب پہلا قرینہ ہے

7 ہجری میں خیبر فتح ہوا جو یہودیوں کا مضبوط گڑھ تھا۔ فتح خیبر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ وادی القراء کو روانہ ہوئے۔ وادی القراء ''تیماء'' اور ''فدک'' کے درمیان واقع ہے یہ وادی یہود قبائل کی چند بستیوں پر مشتمل تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں جنگ کے ارادے سے نہ آئے تھے۔ مگر یہاں کے یہودی جنگ کے لئے پہلے سے تیار تھے۔ اس لئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسانا شروع کر دیے۔ چنانچہ آپ کے ایک غلام حضرت مدعم رضی اللہ عنہ جو اونٹ کا کجاوہ اتار رہے تھے تیر لگنے سے شہید ہو گئے۔ پھر بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہودیوں کو اسلام کی دعوت دی جس کا جواب اِن بدبختوں نے تیر تلوار اور نیزوں سے دیا۔ مجبوراً مسلمانوں کو جنگ کرنا پڑی۔ چار دن تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ جاری رکھا لیکن برابر اسلام کی دعوت بھی دیتے رہے۔ لیکن یہ جنگ کرتے رہے۔ اِس جنگ میں دس یہودی قتل ہوئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ مسلمانوں کے قبضے میں خیبر کی ساری زمین آ گئی ان کے ساتھ بھی خیبر کے یہودیوں والی شرائط پر صلح ہو گئی۔

یہودی کاشتکاروں نے بٹائی پر زمین رکھ لی۔ فصل کا آدھا حصہ دینا طے ہوا حضرت عبداللہ بن رواحہ جو صحابی ہونے کے ساتھ شاعرِ دربارِ رسالت بھی تھے تقسیم پہ مامور ہوئے۔ جو فصل تیار ہونے پر فصل کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرتے اور یہود کو دعوت دیتے کہ جو ڈھیر مرضی وہ منتخب کر لیں۔ عدل کے اس معیار پر یہودی حیرت زدہ اور دم بخود رہ گئے۔ عدل و انصاف کی تعریف کرتے اور یہ تسلیم کرتے کہ ایسا عدل کہیں نہ دیکھا نہ سنا لیکن پھر بھی شرارتوں سے باز نہ آتے۔ وادی القراء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار روز تک قیام فرمایا۔

مشہور سردار مرحب طاقت کا پہاڑ تھا اور ڈیل ڈول میں ہاتھی ایسا تھا پھر فنِ پہلوانی میں

بھی طاق تھا کشتی اور طاقت کی دھاک پورے علاقے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ یہودیوں کو اُس کی طاقت پہ ناز تھا فتح خیبر کے موقع پر حضرتِ علی کے ہاتھوں قتل ہوا اور ساتھ ہی یہودیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور خیبر کی جنگ مسلمانوں نے جیت لی۔ اسی مرحب کی ایک بھاوج تھی نام تھا زینب اِس خاتون نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کسی غریب سے غریب کی دعوت بھی رد نہ فرماتے تھے لہٰذا اِس خاتون کی دعوت قبول فرمالی۔ اِس یہودی عورت نے بکری کا گوشت پکایا اور بھنے ہوئے گوشت میں زہر ملا دیا۔ سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ چکھتے ہی ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا ”مجھے اِن ہڈیوں نے بتایا ہے کہ اِن میں زہر ملایا گیا ہے“۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لقمہ اندر لے جانے کی بجائے تھوک دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جانثار حضرت بشر رضی اللہ عنہ بھی شریک تھے انہوں نے تین زہر آلود لقمے کھا لیے اِس جانثار فدائی نے اپنی جان تک کی پرواہ نہ کی اور اس زہر کے اثر سے شہید ہو گئے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن) اس فدائی کا لقمے کھانے کے بعد اور مرتبہ شہادت پر فائز ہونے سے پہلے بیان تھا ”زہر کا ذائقہ مجھے معلوم ہو گیا تھا لیکن سرورِ کونین، فخرِ موجودات، تاجدارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میں نے لقمے کو اگلنا خلافِ ادب گردانا اِس لئے میں نے معلوم ہونے کے باوجود لقموں کو کھا لیا“۔ عشق کا پہلا سبق ہی ادب ہے۔ ادب ہی محبت کا پہلا زینہ ہے سچی محبتیں ادب سے ہی دل میں پرورش پاتی ہیں ادب کے طفیل ہی حقیقی عشق پروان چڑھتا ہے۔ دینِ اسلام تو سراسر ادب اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہی تو ہے۔

محمد کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اسلام سراسر ادب سے عبارت ہے ماں باپ کا ادب، بزرگوں کا ادب، استاد کا ادب اور سب سے بڑھ کر محبوبِ پاک حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب جن کے آنے سے حضرتِ انسان کو شرفِ انسانیت کا رتبہ ملا۔ اور جن کی سیرتِ طیبہ نے حضرتِ انسان کو خالق

کائنات کے قریب ہونے کا سلیقہ عطا کیا۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

قیمت میں کم مگر قدر و فضیلت میں گراں بہا

غزوۂ تبوک 9 ہجری میں ہوا۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اپیل پر صحابہ کرام نے مالی ایثار و قربانی کی عدیم النظیر مثالیں قائم کیں۔ حضرت عمر فاروق گھر کا آدھا اثاثہ اٹھا لائے۔ حضرت عثمانِ غنی مالدار اور صاحب ثروت تھے 900 تک اونٹ معہ پالان ایک ہزار دینار نقد اور 200 اوقیہ چاندی بارگاہِ رسالت میں بطور چندہ ونذرانہ پیش کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی کل کائنات گھر کا پورے کا پورا اثاثہ لا کر محبوب کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے ہیں۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو تو عرض کرتے ہیں بس خدا اور خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم گھر چھوڑ آیا ہوں۔

صاحب ثروت اور مالدار صحابہ نے اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق بڑھ چڑھ کر چندہ دیا لیکن عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا انوکھا منفرد ایمان افروز یہ واقعہ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ ایک صحابی تھے ابو طفیل انصاری رضی اللہ عنہ۔ غریب تھے، بے زر تھے، بے مایہ تھے، کچھ پس انداز سرمایہ پاس نہ تھا ہاتھ سے تنگ دست لیکن دل کے سخی تھے۔ دل میں ارمان اور تڑپ کہ کاش میں بھی مالدار اور صاحب ثروت ہوتا تو چندہ میں کچھ حصہ ڈالتا لیکن یہاں تو حالت یہ ہے کہ پس انداز تو کجا آج کی روکھی سوکھی روٹی میسر آئی ہے تو کل کی فکر لاحق ہے کہ کچھ پلے جو نہیں مزدوری کا کیا ملے یا نہ ملے۔ چونکہ دل میں تڑپ تھی سبیل نکل آئی اُن کی قسمت نے یاوری کی اور انہیں رات کی مزدوری مل گئی۔ مزدوری کیا تھی کھیتوں کو رات کو پانی لگانا تھا۔ شب بھر کھیتوں کو پانی لگایا کام کی تکمیل پہ سورج طلوع ہونے پر چار سیر چھوہارے عوضانہ ملا۔ دو سیر گھر میں بیوی کو دے دیئے اور دو سیر لا کے بارگاہِ نبوی میں پیش کر دیے۔ سرکارِ دو جہاں والی بے کساں صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ چھوہارے برکت کے لئے تمام سامان پر بکھیر دینے کا حکم صادر فرمایا۔ حضرت ابو طفیل انصاریؓ کی امداد گو زیادہ قیمتی اور گراں قدر تو نہ تھی لیکن اِس میں جو خلوص، محبت اور عشق کا جذبہ

شامل تھا وہ اپنا ہی نرالا اور اچھوتا انداز لیے ہوئے تھا۔ بعض اوقات حضرت یوسف کے خریداروں میں سوت کی اَنٹی لانے والے بھی کامیاب و کامران ٹھہرتے ہیں۔ اس لئے بارگاہِ رسالت میں جو پذیرائی، سرفرازی و وقعت ابوطفیل کی امداد کو ملی وہ کسی اور کے حصہ میں نہ آئی یہ تو سب سے بازی لے گئے۔

سب کچھ راہِ عشق میں وار دیا

انسانی کمزوری ہے کہ مال کی طلب، اولاد سے محبت، جائیداد کی خواہش اور حصول، اس کی سرشت میں شامل ہے۔ ان چیزوں کی کشش کو دیکھتے ہوئے دینِ اسلام نے اِن قوتوں کی نفی کی۔ آج کل کا مسلمان اِن چیزوں کی محبت میں گم ہو گیا ہے اس لئے اپنے اصلی مرتبے اور مقام سے گر گیا ہے۔ مال، اولاد اور جائیداد کی قربانی کوئی معمولی بات نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے راہِ خدا اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جان، مال، اولاد، جائیداد سب کچھ قربان کر دیا۔

عبداللہ نام ہے۔ ذوالبجادین لقب ہے۔ ابھی بچہ ہی تھے کہ یتیم ہو گئے چچا نے پرورش کی۔ جب جوان ہوئے تو چچا نے اونٹ، بکریاں اور غلام دیکر اُن کی مالی حالت مستحکم کر دی اور کارزارِ حیات میں اور کاروبارِ زندگی میں اپنا مقام پیدا کرنے کیلئے خود مختار کر دیا۔ عبداللہ نے اسلام کے بارے میں سنا۔ دل میں توحیدِ خدا کی حقیقت و اہمیت جاگزیں ہوئی۔ اندر کے انقلاب نے بارگاہِ رسالت میں بازیابی کی تڑپ پیدا کی۔ جب طلب راسخ ہو اور ارادے مصمم ہوں تو منزل دور نہیں رہتی۔ اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اپنے چچا سے اظہار کیا۔ چچا برہم ہوا اُسے یہ ناگوار گزرا۔ اُس نے دھمکی دی کہ اگر تم نے دینِ اسلام قبول کیا تو سب کچھ چھین لونگا۔ عبداللہ نے قطعاً پرواہ نہ کی جواب دیا "چچا جان! سب کچھ چھین لیں۔ مال و متاع چھین لیں، تن کے کپڑے تک اتار لیں لیکن میں دینِ اسلام قبول کرنے سے باز نہیں رہ سکتا"۔ چچا نے واقعتاً ایسا ہی کیا۔ سب کچھ چھین لیا یہاں تک کہ تن کے کپڑے تک اتروا لیے۔ ماں نے ایک کمبل دیا۔ عبداللہ نے اس کے دو ٹکڑے کیے ایک کا تہبند بنایا اور دوسرا ٹکڑا اوپر لے لیا اور کشاں کشاں عازمِ مدینہ ہوا۔ عشق کے راہی راستے کی صعوبتوں کو بھلا کہاں خاطر میں لاتے ہیں۔ منزل بہ منزل طے کرتا علی الصبح مسجدِ نبوی میں پہنچ گیا۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ نبی پاک، صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ

وسلم تشریف لاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو۔ عبداللہ اپنا نام عبدالعزیٰ بتاتا ہے اور عرض گزار ہوتا ہے کہ مفلس و تہی دست ہوں۔ فقیر و مسافر ہوں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے آیا ہوں۔ اسی طلب میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ کملی والے تو کل کی خبریں رکھتے ہیں ان سے کیا مخفی رہ سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تیرا نام عبداللہ ہے لقب ذوالبجادین ہے تم یہیں میرے پاس رہا کرو۔ مسجد نبوی میں ہی قیام کرو لہٰذا عبداللہ اصحاب صفہ میں شامل ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سیکھتا پھر سارا دن قرینے اور سلیقے سے ذوق و شوق کے ساتھ تلاوت کرتا۔ ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ صحن نبوی میں جھوم جھوم کے باآواز بلند تلاوت کر رہے تھے۔ لوگ جماعت کے بعد بقیہ نماز ادا کر رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اعرابی اپنی تلاوت سے لوگوں کی نماز خراب کر رہا ہے نماز میں مخل ہو رہا ہے لوگوں کو نماز میں قرات کرنا دشوار ہو رہی ہے۔ اس پر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اے عمر! اسے [illegible] دیوانہ ہے جو خدا اور رسول کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑ آیا ہے''۔

غزوۂ تبوک کی تیاری ہے۔ صحابہ کرام معہ اپنی سواریوں، زادِراہ اور اسلحے کے شمولیت فرما رہے ہیں۔ عبداللہ بھی بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوتا ہے اور شہید ہونے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ نبی کریم، رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''عبداللہ! جاؤ درخت کا چھلکا لاؤ''۔ جب عبداللہ چھلکا لائے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھلکا لے کر آپ کے بازو پر باندھ دیا اور فرمایا ''جب تم راہ حق میں جہاد کی نیت سے نکلو پھر تم بخار اور تپ سے مر جاؤ تو تم شہید ہی ہوئے''۔ تبوک پہنچے حضرت عبداللہ کے ساتھ یہی ہوا۔ بخار ہوا اور خالق حقیقی سے جا ملے۔ ایک صحابی بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ کے جنازہ کا منظر اور کفن دفن کی کیفیت دیکھی ہے رات کا وقت تھا۔ حضرت بلال کے ہاتھ میں چراغ تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر انہیں لحد میں اتار رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود لحد میں اترے ابوبکر و عمر سے فرما رہے تھے اپنے بھائی کا ادب کرو قبر پر اینٹیں بھی خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھیں اور دعا فرمائی۔

''الٰہی آج کی رات تک میں اس سے خوش رہا ہوں تو بھی اس سے خوش اور راضی ہو جا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں یہ کیا گھڑی تھی یہ کیا سہانی ساعت تھی یہ کیا سعادت کے لمحے تھے میں خواہش کر رہا تھا کہ کاش اس قبر میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی بجائے میں دفن ہوتا۔

میرے آقا کیسے غریبوں، مسکینوں، بے کسوں کو گلے لگاتے ہیں آپ نے نظارہ کیا۔ میرے آقا و مولیٰ، مالک دو جہاں ہیں سرورِ کون و مکاں ہیں۔ قاسم رزق ہیں دو جہاں کی نعمتیں تقسیم فرما رہے ہیں لیکن کھڑے غریبوں کی صف میں نظر آتے ہیں جس کے پاس وسائل نہ ہوں اس کی عاجزی وانکساری چہ معنی دارد لیکن دو جہاں کا مالک ہو اور حالت یہ ہو کہ کئی کئی دن کے فاقے ہوں کمال اس کو کہتے ہیں۔

؎

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

؎

کھانا جو دیکھو جو کی روٹی، ان چھنا آٹا، روٹی موٹی
وہ بھی شکم بھر نہ کھانا صلی اللہ علیہ وسلم

آپ نے عبداللہ ذوالبجادین کے حالات کا مطالعہ کیا۔ آقا نے انہیں کیا مقام واحترام دیا یہ بھی آپ نے ملاحظہ کیا پھر کیوں نہ کہیں جو حضور کے غلام ہوتے ہیں وہ وقت کے امام ہوتے ہیں۔

مل گیا جس کو مدینہ کی گدائی کا شرف
اس کی جھولی میں دو عالم کا خزینہ دیکھا

آسائشات قربان کردیں

غزوۂ تبوک میں مسافت طویل تھی۔ سفر کی طویل صعوبتیں درپیش تھیں۔ موسم سخت تھا۔ جھلسا دینے والی گرمی تھی۔ کسان اور زمیندار کو پکی فصل سمیٹنے کی بڑی فکر ہوتی ہے سال کی روزی اور گزران کا اس پہ دارومدار ہوتا ہے جب تک فصل سمٹ کر گھر نہ آجائے کسان فکر مند رہتا ہے اوپر سے موسم کی بے یقینی اور طوفانِ بادوباراں کا خدشہ ہوتا ہے۔ کہیں سال کی ساری کی ساری فصل ہی نہ جاتی رہے۔ ایسے ہی حالات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی مہم کیلئے اور جہاد کیلئے آواز دی اوپر سے یہ شرط لگادی کہ ہر مجاہد سواری کا خود بندوبست کرے جس کے پاس سواری کا بندوبست نہیں وہ غزوہ میں شمولیت سے اپنے آپ کو قاصر و معذور سمجھے۔

سب مجاہدین نامساعد حالات کے باوجود کشاں کشاں لشکر میں شمولیت کیلئے پہنچے۔ پس پیچھے منافقین رہ گئے یا وہ صحابہ جن کے پاس سواری نہ تھی۔ اس طرح تیس ہزار کا لشکر جانب تبوک روانہ ہوا۔ چار دیگر مخلص مسلمان بھی پیچھے رہ گئے ان کے ایمان تو راسخ اور پختہ تھے صاحب حیثیت بھی تھے نیت میں بھی کوئی کجی اور فتور نہ تھا۔ بس حالات ایسے بنتے گئے پیچھے رہ جانے والے اصحاب کے نام تھے۔ کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارہ بن ربیع اور ابوخیثمہ۔

حضرت ابوخیثمہ کی دو بیویاں تھیں۔ ایک دن دونوں نے گھر کے سامنے باغ میں شامیانہ لگایا۔ گرمی کے موسم میں پانی کے چھڑکاؤ سے شامیانہ کو ٹھنڈا کیا۔ آج کھانے کا بھی خاص اہتمام کیا اور سپیشل کھانا تیار کیا گویا دعوت کا سماں اور ماحول کو خوب رومانوی بنایا۔ دونوں بیویاں ٹھنڈی چھاؤں میں ابوخیثمہ کا انتظار کر رہی تھیں۔ ابوخیثمہ آئے یہ منظر دیکھا سماں واقعی جاذب اور پرکشش تھا دامنِ دل کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ ابوخیثمہ نے اس ماحول سے لطف اندوز ہونا چاہا۔ ابھی دروازہ پر ہی تھے کہ خیال آیا کہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سخت گرمی، جسم کو کاٹتی ہوا اور تپتی دھوپ میں محوِ سفر ہیں۔ موسم کی سختیاں اپنے بدن پہ لے رہے ہیں اور ابوخیثمہ اس ماحول سے لطف

اندوز ہو رہا ہو کچھ زیب نہیں دیتا۔ ابوخیثمہؓ کے عشق و محبت نے گوارا نہ کیا کہ میں تو ٹھنڈی چھاؤں کے مزے لوٹوں اور میرا محبوب سفر کی صعوبتیں برداشت کرے۔

دروازے سے واپس مڑا۔ قدم جہاں تھے وہیں سے پلٹے اونٹنی پہ سوار ہوئے اور جانب تبوک روانہ ہو گئے۔ تبوک میں لوگوں نے دور سے گرد اڑاتا مسافر دیکھا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کن ابوخیثمہ" (تو ابوخیثمہ ہو جا) جب قریب آیا تو صحابہ کرام نے دیکھا وہ واقعی ابوخیثمہ تھا۔ ابوخیثمہ نے بارگاہ رسالت میں باریابی حاصل کی اپنی سستی و کاہلی پہ معافی مانگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔

ابوخیثمہ نے رومانوی ماحول، خیمے کی ٹھنڈی چھاؤں، بیویوں کی کشش، مرغوب کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو سب کچھ اپنے محبوب کے عشق و محبت میں تج دیا۔

الفت کی میزان اور کڑی آزمائش

کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ یہ تینوں مخلص مسلمان تھے۔ بدری صحابی تھے ایمان کی پختگی میں شک نہ تھا لیکن انسان بھی تھے اور انسانی کزوریاں بھی ساتھ تھیں۔ انسانی جبلت کے تحت سستی و کاہلی نے کام دکھایا اور تبوک کے لئے سفر سے پیچھے رہ گئے۔ آج جاتے ہیں کل روانہ ہوتے ہیں اس طرح وقت ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ جھوٹ بول سکتے تھے عذر گھڑ سکتے تھے۔ عدم شمولیت کا کوئی نہ کوئی جواز بنا سکتے تھے لیکن انہوں نے صاف لفظوں میں حقیقت بیان کردی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''فرمانِ خداوندی کا انتظار کرو''۔ اور ان تینوں کے ساتھ سلام و پیام و کلام کا سلسلہ بند کر دیا

قربان جایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت، فراست اور نفسیات فہمی پہ۔ بظاہر یہ سزا معمولی لگتی تھی لیکن انسان ایک معاشرتی اور ناطق حیوان ہے۔ وہ معاشرے میں دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہتا ہے ہر انسان دوسرے سے گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ آپ دوسرے کو بلاتے ہیں اس سے کلام کرنا چاہتے ہیں لیکن کوئی آپ سے بولتا نہیں آپ انسانوں سے بھرے جنگل میں اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتے ہیں یہ بڑی کربناک کیفیت ہوتی ہے۔ یہ صورت حال اور یہ تنہائی انسان کو ہلا کے رکھ دیتی ہے یہ ایسی سزا ہے کہ انسان بلبلا اٹھتا ہے اور تا دیر برداشت نہیں کرسکتا۔ یہی سب کچھ ان صحابہ کے ساتھ ہوا۔

یہ تینوں مسجد جاتے تھے نماز پڑھتے تھے لیکن جب انسانوں کی بھیڑ میں بھی انسان تنہا ہو تو وہ ٹوٹ جاتا ہے بکھر جاتا ہے حضرت مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ تو گھر میں نماز پڑھنے لگے لیکن حضرت کعب بن مالک نوجوان تھے انہوں نے مسجد جانا ترک نہ کیا لیکن فرمانِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کوئی کلام نہ کرتا تھا۔ جب یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر لیتے تھے اس پر مستزاد یہ کہ ایک اور آزمائش آپڑی شاہ

غسان نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو خط بھیجا کہ تم ہمارے دربار میں آ جاؤ تمہیں حسب حال مرتبہ عطا کیا جائے گا۔ حضرت کعب بن مالک بہت روئے کہ میری ایسی صورت ہے کہ دشمن مجھے ورغلانا چاہتا ہے اور خط آگ میں جلا دیا چالیس روز گزرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قاصد پیغام لایا کہ اپنی بیوی سے بھی علیحدہ ہو جاؤ۔ حضرت کعب فرماتے ہیں چونکہ میں جوان آدمی تھا جذبات توانا تھے جوانی ہیجان خیز دور ہوتا ہے اور جوانی تو پھر منہ زور گھوڑے کی مانند ہوتی ہے کہیں ایسا نہ ہو میں اس آزمائش میں ڈگمگا جاؤں۔ میں نے پوچھا کہ کیا میں بیوی کو طلاق دے دوں تو قاصد نے کہا صرف الگ ہونے کا حکم ہے۔ آپؓ نے بیوی سے کہا کہ جب تک میرے بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ نہیں آتا تم میکے چلی جاؤ۔ ہلال بن امیہ بوڑھے تھے ان کی بیوی نے خدمت کرنے کی اجازت چاہی جو اسے دے دی گئی لیکن زیادہ قرب اور پیار محبت کی ممانعت کر دی گئی۔ دس مزید راتیں گزر گئیں۔ حضرت کعب نے پچاسویں رات صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد چھت پر چڑھ کر بتایا کہ تمہارے لئے معافی اور کشادگی آ گئی ہے۔ ہم تینوں کی معافی کا اعلان حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد فرمایا۔

حضرت کعب بن مالک کا بیان ہے میں مسجد میں پہنچا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس خوشی سے دمک رہا تھا۔ "آج میں تمہاری معافی کی خوشخبری دیتا ہوں" میں نے پوچھا "یارسول اللہ! اپنی جانب سے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی جانب سے"۔ میں نے عرض کی "یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میری سچائی قبول کی اور میری توبہ کو قبولیت کا شرف بخشا لہٰذا میں اپنی تمام جائیداد اللہ اور اس کے رسول کے لئے وقف کرتا ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کچھ اپنے لئے بھی رکھ لو"۔ میں نے خیبر والے حصے کو روک لیا سورۂ توبہ کی آیات ۱۱۷ اور ۱۱۸ میں ان کے لئے رحمت کا بیان ہے۔

ذرا غور فرمایئے فطرتِ انسانی کے تحت سستی اور کاہلی ہو گئی ہو جواز اور حیلے بہانے

۔ ٹکڑے جا سکتے تھے۔ جھوٹی قسمیں کھا کے یقین دلایا جا سکتا تھا لیکن ان اصحاب نے اپنے محبوب کے سامنے جھوٹ بولنا گوارہ نہ کیا اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں خوشنودی رسول میں سب مصائب، اذیتیں اور کلفتیں برداشت کر لیں۔ غیروں نے ان کی اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ حضرت کعب کو جاہ و منصب کی پیش کش کی گئی لالچ دیا گیا۔ غسانی بادشاہ نے حضرت کعب کو عہدوں کی پیش کش کی لیکن آپ نے سب کچھ عشق وحب رسول میں ٹھکرا دیا اور سزا کو بسر وچشم قبول کر لیا۔

اشکوں کی اجلی کلیاں ہوں یا جذبوں کے کندن پھول
الفت کی میزان میں مَیں نے جو تھا سب کچھ تول دیا

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے

کائنات میں بڑے بڑے رہبر و پیشوا، ہادی و رہنما آئے۔ اپنے پیروکار ہمنوا اور حواری پیدا کیے لیکن جیسے پیروکار، عاشقان اور پروانے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میسر آئے ویسے کسی کو نہ مل سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موقع ملتے ہی بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ مشکل اور جنگ کی گھڑی میں کہا کہ تم اور تمہارا خدا جا کے فرعون سے لڑے ہم تو اپنی جگہ سے ہلنے والے نہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مشکل وقت پہ حکومتِ وقت کے ڈرانے پہ سب ساتھ چھوڑ گئے بلکہ حکومتِ وقت کے ساتھ مل گئے اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا ''یا خدا! کیا تو نے مجھے یکہ وتنہا چھوڑ دیا ہے''۔ نہ صرف ساتھ چھوڑا بلکہ حکومت وقت سے مل گئے۔ اسی طرح ہر نبیؑ کی قوم کی بدعہدی کی مثالیں موجود ہیں لیکن آقائے کائنات، فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے پروانے ملے ایسے از خود رفتہ دیوانے ملے ایسے عاشق میسر آئے کہ جب کلمہ پڑھ لیا خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کر لیا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر لیا تو پھر مصیبت کے پہاڑ بھی راہ میں آئے تو ان کے ایمان متزلزل نہ ہوئے۔ جانِ جاتی ہے تو چلی جائے لیکن آن وشانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق نہ آئے۔

ابتدائے اسلام میں چند سرکردہ صحابہ کو چھوڑ کے اکثریت ان لوگوں کی ایمان لائی جو معاشرے کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھتی تھی۔ غلام تھے، غریب تھے، بے کس وبے سہارا تھے، مزدور تھے۔ قبل از اسلام عرب میں بھی قبائلی اور سرداری نظام تھا۔ سردار اور ان کا قبیلہ اعلیٰ مرتبت سمجھا جاتا تھا۔ محنت کشوں کو کمی کمین اور نچلا طبقہ گردانا جاتا تھا یہ وہ مظلوم طبقہ تھا جن کی کوئی آواز نہ تھی اور کوئی عزت نہ تھی۔ ہم پلہ یا برتر حیثیت والے پہ زیادتی کرتے وقت آدمی ردِعمل کے تمام پہلوؤں پہ نظر رکھتا ہے۔ بدلے کا خوف ذہن میں ہوتا ہے لیکن کم تر بے حیثیت انسان پہ ظلم وزیادتی کرتے وقت سرداروں اور وڈیروں پہ کوئی دباؤ نہیں ہوتا۔ کوئی قانون ان کا ہاتھ نہیں روکتا جس کی لاٹھی اس

کی بھینس والا معاملہ ہوتا ہے۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤں پہ ظلم کی انتہا کر دی گئی لیکن یہ لوگ عزم و ہمت کی چٹان بن گئے۔ ظلم سہتے فولاد بن گئے۔ کون سا ستم تھا جو ان پہ روا نہ رکھا گیا لیکن جو راہِ حق پہ گامزن ہو گیا پھر اس کے قدم لڑکھڑائے نہیں۔ جادۂ حق کے راہرو باوجود ظلم و ستم سزا و عذاب کے آگے بڑھتے گئے۔ کوڑے کھاتے رہے۔ سینوں پہ انگارے بجھاتے رہے۔ دار پہ چڑھتے رہے لیکن احد اور احمد پکارتے رہے۔ حضرت بلال، حضرت یاسرؓ، حضرت خبیب اور خباب، صہیب رومی، عامر بن فہیرہ ابوفکیہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کس کس کی مثال دیں۔ شمع محمدی کے پروانے ظلم سہتے رہے۔ جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے لیکن جادۂ حق پہ آگے بڑھتے رہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہیں خدا کی وحدانیت و توحید کا پرچار شروع کرتے ہیں تو اس کی خبر مکہ کے اردگرد بسنے والے قبائل تک بھی پہنچتی ہے۔ مکہ کے نواح میں دو بھائی رہتے ہیں۔ قبیلہ غفار سے ان کا تعلق ہے۔ ایک دن ایک بھائی دوسرے سے کہتا ہے کہ مکہ جاؤ اور اس ذات کے بارے میں معلوم کرو جو کہتا ہے کہ مجھ پہ وحی کا نزول ہوتا ہے۔ وہ بھائی مکہ جاتا ہے احوال کا پتہ چلاتا ہے۔ معلومات حاصل کرتا ہے اور واپس آکر بھائی کو بتاتا ہے کہ وہ شخص خود بھی اچھی عادات و اخلاق کا مالک ہے اور ایسی ہی اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے۔ پھر بھائی کی باتوں کی تصدیق کے لئے وہ خود مکہ جاتا ہے۔ مسجد حرام میں پہنچتا ہے لیکن حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار اور ان تک رسائی نہیں ہوتی ویسے بھی وہ شخص اجنبی ہے کسی کو پہنچانتا نہیں اور کسی سے پوچھنا مصلحت کے خلاف گردانتا ہے۔ دو تین دن مکہ کی گلیوں میں گھومتے رہے آخر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ یہ شخص اجنبی دکھائی دیتا ہے شاید مسافر اور پردیسی ہے۔ اسے گھر لے گئے خاطر مدارات کی اور پھر مکہ آنے کی غرض و غایت پوچھی تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عہد و پیمان لینے کے بعد اپنی غرض بتائی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس نوجوان کو مسجد حرام میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لے گئے جب اس شخص کی نظر فخر انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پہ پڑی۔ جلال و جمال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تاب نہ لاتے ہوئے فوراً

اشہد ان لا الہ اللہ زبان سے جاری ہو گیا اور دل نے گواہی دی کہ ایسا شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

دولت ایمان سے مالا مال ہونے پر سرورِ دوجہاں، فخرِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پہ مسکراہٹ و بشاشت کے نقوش ابھرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس نوجوان کو اپنے علاقے اور اپنے قبیلے کی طرف واپسی کا حکم دیتے ہیں اور وہاں تبلیغ کا کام سرانجام دینے کا کہتے ہیں کیونکہ مکہ کے حالات ابھی سازگار نہ تھے۔ اپنے ایمان کو ابھی خفیہ اور پوشیدہ رکھنے کی تاکید فرماتے ہیں کیونکہ یہاں اس کے ساتھ ظلم و تعدی کا احتمال تھا اور انیس الغریبین، بے کسوں کے والی کو یہ صورت گوارا نہ تھی لیکن وہ نوجوان عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تو کلمہ توحید کا اعلان برملا کروں گا اور مسجد حرام میں جا کر با آواز بلند پڑھوں گا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور اس نے ایسا ہی کیا۔ قریش کے لوگ یہ سن کر آپ پر پل پڑے اور آپ کو لہولہان کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس جو ابھی خود بھی ایمان نہ لائے تھے آپ پر لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا ”کیوں ظلم کرتے ہو یہ نوجوان قبیلہ غفار سے تعلق رکھتا ہے جو قبیلہ شام کی راہ میں پڑتا ہے اگر اسے کچھ ہو گیا تو بنو غفار شام سے تمہاری تجارت روک دیں گے“۔ اس لئے انہیں چھوڑ دیا گیا لیکن اس نوجوان نے دوسرے دن بھی یہی اعلان کیا اور سزا پائی اور حضرت عباس نے جان بچائی۔ اس نوجوان کا اعلان ایمان کی حرارت کی وجہ سے تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منع کرنا شفقت و محبت کی بنا پہ تھا۔ اسے رسولِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد آتا ہے اور اپنے قبیلہ کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ وہاں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور ان کی تبلیغ سے قبیلہ کے کئی افراد حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے ہیں۔ آپ یقیناً جان گئے ہوں گے یہ نوجوان کون تھا یہ حضرت ابوذر غفاری تھے۔ آپ کا اصلی نام جندب بن جنادہ تھا۔ جن کا شمار بعد میں صحابہ کرام کے جلیل القدر زاہدوں اور عظیم الرتبت علماء میں ہوتا ہے۔ یہ پہلے سوشلسٹ تھے جو چاہتے تھے کہ مسلمان کو مال و زر جمع کر کے نہیں رکھنا چاہیے اور نہ زیادہ

جائیداد وغیرہ بنانی چاہیے ضرورتوں سے جو بھی وافر ہو وہ مساکین، یتما اور غریبوں کا حق ہے۔
حضرت علی کرم اللہ وجہ کا بیان ہے کہ ابوذر ایسے عالم ہیں کہ ان سا علم لوگوں کے بس میں نہیں مگر انہوں نے اسے محفوظ رکھا۔

غزوۂ تبوک میں مسافت بہت طویل تھی گرمی شدید تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان تھا کہ ہر شخص اپنی سواری کا خود اہتمام کرے۔ حضرت ابوذر فرماتے ہیں معرکہ تبوک کو روانگی کے وقت میرے پاس ایک ہی اونٹ تھا وہ لاغر و کمزور تھا میں نے دو تین دن تک اسے خوب چارہ کھلایا تا کہ اس میں طاقت آئے اور وہ اس سفر کے اہل ہو سکے۔ میرا خیال تھا کہ میں دو تین دن کی تاخیر سے بھی چلا تو بھی لشکر کے ساتھ شامل ہو جاؤنگا۔ میں سفر کے لئے روانہ ہوا لیکن میری شومئی قسمت کہ میرے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ مزید چلنے کے قابل نہ رہا میں نے اونٹ کو وہیں چھوڑا سامان اپنی پشت پہ لادا اور پاپیادہ ہی جانب تبوک روانہ ہوا۔ پیدل سفر پشت پہ زادِ راہ اور ہتھیار سخت گرمی سے واسطہ آخرکار لشکر اسلام کے قریب پہنچا تو لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کوئی شخص پیدل چلا آ رہا ہے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوذر غفاری ہوں گے۔ جب میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خوش رہو ابوذر تم تنہا ہی سفر کرتے ہو تنہا ہی اس دنیا سے جاؤ گے اور تنہا ہی بروز حشر اٹھو گے"۔ کہتے ہیں جب آپ کا وصال ہوا تو آپ تنہا تھے حضرت عبداللہ بن مسعود نے انہیں بحالت وفات پایا تو کہا "سچ فرمایا تھا ہادی برحق نے"۔ ابوذر غفاری کے بارے میں صاحب مستقصی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابوذر کے مزار کی زیارت کی ہے مجھے وہاں وہ جذب و کیف نصیب ہوا جو اور کہیں نہ مل سکا میں نے ان کی قبر کے نزدیک نماز ادا کی جونہی میں سربسجود ہوا تو آپ کی تربت سے مشک و عنبر کی خوشبو نکلی جس نے میرے مشامِ جان تک کو معطر و معنبر کر دیا

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

مہکتے پھول

ہر پھول کی ہیئت اور بناوٹ جدا، رنگ جدا اور خوشبو جدا

معصومانہ ادا اور انوکھا جذبہ

قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا ہر بچہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار، باطل کیلئے نشتر کا درجہ رکھتا تھا۔ زبیر نام ماں کا نام حضرت صفیہ اور باپ کا نام عوام، حضرت ابوبکر کے داماد اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد تھے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ آپ کی آواز پہ لبیک کہا اور مسلمان ہو گئے۔ جذبہ جانثاری اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشاری اور جذبہ کیف و مستی ملاحظہ ہو ابھی لڑکپن ہے لاابالی دور ہے کھیلنے کودنے کے دن ہیں 16 سال کا سن ہے کہ ایک دن مکہ میں افواہ پھیل جاتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کر لیا گیا ہے یا نعوذ باللہ شہید کر دیا گیا ہے یہ سننا تھا کہ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشقانِ رسول ماہی بے آب کی مانند بیقرار ہو گئے۔ بنو ہاشم غیض و غضب کے عالم میں تھے۔ حضرت زبیر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا۔ انہوں نے تلوار لی اور شمشیر بکف مکہ کی گلیوں میں نکل پڑے فوراً کاشانہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ کیا۔ غیض و غضب سے لرزاں چہرہ جوش میں سرخ تلوار کو بے نیام کیے جب کاشانہ نبوت پہ پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح وسالم اور بخیریت و محفوظ پایا تو طبیعت میں حیرت و مسرت کا ہیجان برپا ہوا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کو جب اس اضطراری حالت میں دیکھا تو وجہ دریافت فرمائی۔ حضرت زبیر نے ساری صورت حال بتائی۔ حضور مسکرائے اور فرمایا اگر ایسا ہی ہوتا جس طرح تو نے سنا تو پھر تو کیا کرتا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ تلوار چلاتا کہ مکہ کی گلیوں نے ایسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا ہوتا۔ چشم فلک میری تلوار کے جوہر دیکھتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دلیرانہ اور جرات مندانہ جواب اور معصومانہ ادا پہ مسکرائے اور حضرت زبیر کو دعا دی۔ یہ پہلی تلوار تھی جو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بے نیام ہوئی۔

محبت وایثار کی عجب داستان

فدائیانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی عجب لوگ تھے۔ جب اسلام میں داخل ہوئے تو تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایسا رنگ چڑھا کہ سر تا پا اس میں رنگے گئے۔ عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھٹی میں سے کندن بن کے نکلے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نظر کا اعجاز تھا کہ یہ لوگ سر تا پا یکسر بدل گئے۔ کڑے سے کڑا امتحان بھی ان کے پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکا۔ شمع فروزاں ہوتی ہے تو پروانے زندگیاں قربان کرنے آموجود ہوتے ہیں۔ شمع محمدی کے پروانوں کا بھی یہی حال تھا عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے وارفتہ ہوئے کہ نہ جان کو جان سمجھا نہ مال کو مال سب کچھ محبوب حسن مجسم صلی اللہ علیہ وسلم پہ وار دیا۔

نئی نئی شادی ہوتی ہے اعلان جہاد ہوتا ہے سب رنگینیاں، ہیجان خیز جذبات و خواہشات سب کچھ ترک کر کے جہاد میں شمولیت کرتے ہیں اور زندگیاں وار دیتے ہیں کیا تاریخ عالم نے زیرِ آسماں، بر زمیں ایسے نفوس بھی دیکھے ہوں گے۔ نہیں ہرگز نہیں جواب یقیناً نفی میں ہوگا یہ لوگ بے مثال اور یقیناً عدیم النظیر نفوس تھے۔

پھر ہر شخص ہر صلاحیت کا حامل نہیں ہوتا۔ جس طرح لوگوں کے اس میلے میں ہر شخص کا رنگ جدا خدوخال مختلف ہوتے ہیں ایک شخص کا چہرہ دوسرے سے نہیں ملتا اسی طرح ہر شخص میں اللہ تعالیٰ نے صلاحیت وخوبی بھی مختلف رکھی ہوتی ہے۔ کسی شخص میں بہادری زیادہ تو کسی میں حوصلہ زیادہ کسی میں قوتِ فیصلہ اور کوئی منصوبہ ساز بہترین ہوتا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر ہر صحابی کی ہر ہر خوبی سے واقف تھے۔ اسی لئے موقع کی مناسبت سے خاص مقصد کے لئے خاص صحابی کا انتخاب فرماتے تھے۔ نمونے کے طور پر ایک مثال پیش کرتا ہوں جب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جانب مدینہ ہجرت فرماتے ہیں تو انصار مدینہ بڑی بیقراری سے آپ کی آمد کے

منتظر ہوتے ہیں کیا مرد کیا عورتیں، کیا بچے بچیاں سب سراپا اشتیاق ہیں دل و جاں فرشِ راہ کیے ہوئے ہیں سڑکوں پہ نکل کے مرد چھتوں پہ آ کے بچے بچیاں اور عورتیں قطار اندر قطار محوِ انتظار ہیں۔ محبوب کا انتظار اور استقبال کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن انیس بھی شامل ہیں۔ ان کا چہرہ مسرتوں سے تمتما رہا ہے وفورِ مسرت اور فراوانی جذبات میں ان کی عجب کیفیت ہے۔ یہی وہ صحابی ہیں جنہیں ایک کڑے امتحان میں سے گزرنا پڑا۔ تفصیل یوں ہے کہ ایک دشمن اسلام تھا نام اس کا ابورافع اسلام بن ابوالحقیق تھا یہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا۔ اِس نے بنونضیر کے یہودیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پہ آمادہ کیا اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اُکسایا، بھڑکایا اور برانگیختہ کیا۔ جب اِس صورتِ حال کی خبر سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو اِس دشمنِ دیں کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کیلئے صحابہ کرام میں سے سرفروش اور جانثاروں کی ایک جماعت منتخب کی۔ اِس دستہ کی قیادت عبداللہ بن عتیک کے سپرد کی گئی۔ اِس دستہ میں حضرت عبداللہ بن انیس بھی شامل تھے۔ یہ دستہ مہم کے لئے روانہ ہوا۔ سلام بن الحقیق قلعہ بند تھا۔ کڑے پہرے میں تھا۔ یہ دستہ رات کو سفر کرتا دن کو کمین گاہوں میں چھپا رہتا۔ منزلیں طے کرتا ہوا اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا جانبازوں کا یہ دستہ سلام بن ابوالحقیق کے قلعے تک پہنچ گیا۔ رات کا وقت تھا سب لوگ سو رہے تھے سلام بن حقیق بالا خانے پہ محوِ استراحت تھا۔ نصف شب کو یہ جانباز بھی سلام تک پہنچ گئے۔ جب کمرے میں داخل ہوئے تو سلام کی بیوی جاگ گئی۔ ایک صحابی آگے بڑھے اس کے سر پر تلوار لہرائی تا کہ وہ ہراساں ہو جائے چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور کا خون بہانے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ عورت ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگی اور خاموش ہو گئی۔ کمرے میں اندھیرا تھا فدائیوں نے تلواریں چلائیں لیکن ابورافع سلام محفوظ رہا۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ابورافع کو ڈھونڈ کر تلوار کے وار سے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا۔ جب دشمنِ اسلام کی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو صحابہ کی یہ جماعت کامیاب و کامراں، شاداں و فرحاں واپس لوٹی۔ یہ قافلہ جانبِ مدینہ گامزن تھا اور جلد سے جلد سرکار کو اس مشن کی کامیابی کی خبر سنانا چاہتا تھا۔

جب یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے محوِ گفتگو تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن جانثاروں کو دیکھا اِن کے دمکتے چہروں پہ نظر پڑی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا ''اَفلحت الوُجُوہُ'' (یہ چہرے کامیاب ہیں)۔ صحابہ کی جماعت نے عرض کی ''افلح وجھکَ'' یارسول اللہ (آپ کا چہرۂ مبارک کامیاب ہے) آپ کی ہدایت و رہنمائی میں ہم کامیاب لوٹے ہیں۔ صحابہ کرام اِس واقعے کی تفصیل معلوم کرنے کو اِن کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ دستے میں موجود ہر جانباز یہی کہہ رہا تھا کہ میری تلوار نے اس دشمنِ اسلام کا کام تمام کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے اور جانتے تھے کہ ہر ایک اس کارنامے کو اپنے کھاتے میں ڈالنا چاہتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش ہو جانے کی تلقین کی پھر فرمایا ہر فدائی اپنی تلوار میرے روبرو پیش کرے سب کی تلواروں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغور جائزہ لیا اور حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی تلوار پکڑ کر فرمایا ''اس تلوار نے یہ کارنامہ سر انجام دیا ہے کیونکہ اِس کا اثر اس میں اب تک باقی ہے''۔

ایک دوسرے واقعہ کے موقع پہ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی جانثاری و جانبازی قابل دید ہے۔ عام طور پر لشکر لشکر سے ٹکراتے ہیں۔ فوج فوج کے مقابل آتی ہے مگر بہادری و جوانمردی اس وقت قابلِ دید ہوتی ہے جب اکیلا فردِ واحد ہزاروں سے ٹکراتا ہے۔ یہ کارنامہ ایسے لوگ سرانجام دیتے ہیں جن کے ایمان مضبوط، عشق صادق اور رہبر و رہنما کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں پھر وہ عددی طاقت کی پرواہ نہیں کرتے اکیلے مصیبتوں کے کوہِ گراں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ نہ جان کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ زندگی سے پیار ہوتا ہے یہ محبت، محبوب کے نشے سے سرشار، شہباز ہزاروں ممولوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ پہاڑ ان کی عزم و ہمت کے سامنے رائی اور پرکاہ ثابت ہوتے ہیں۔ ایسا ہی ایک ایمان افروز اور روح پرور واقعہ حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے بارے میں تاریخ اسلام میں جلی حروف میں رقم ہے۔ تفصیل یوں ہے قبائل ہزیل خالد بن سفیان کی قیادت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کرنے کیلئے مقام نخلہ پر جمع ہوتے ہیں

خالد بن سفیان مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ یہی ان قبائل کو اکسا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جمع کرتا ہے۔ اس کے بارے میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوتی ہے تو آپ مجاہد اسلام، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار فدائی رسول حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کو طلب فرماتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ عبداللہ جاؤ اور نخلہ میں مقیم خالد بن سفیان کو کیفر کردار تک پہنچاؤ۔ وہ ہمارے خلاف سازشوں میں مصروف ہے اور لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکا رہا ہے۔

یہ سپاہی لیت ولعل نہیں کرتا۔ عقلی دلیلیں نہیں دیتا کہ ادھر ہزاروں کا لشکر اور ادھر فردِ واحد۔ جو عشقِ محبوب سے سرشار ہوں وہ طاقت سے کب مرعوب ہوتے ہیں یہ مردِ مجاہد صرف ایک بات کی اجازت طلب کرتے ہیں کہ دشمن ہزاروں کے لشکر کے بیچ ہے اُس تک رسائی آسان کام نہیں اِس کے لئے مجھے باتیں بنانے اور کچھ مکروفریب اور چالبازی کی اجازت مرحمت فرمائی جائے تا کہ میں کسی طرح دھوکہ اور جُل دے کر اُس تک رسائی حاصل کر سکوں۔ یہ دھوکہ دہی، چالبازی، مکروفریب چونکہ اسلام میں ناجائز ہے اِس لئے عبداللہ بن انیس نے خاص موقع کے لئے اجازت چاہی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو اِس موقع کے لئے اجازت دے دی چونکہ جنگ اور محبت میں سب جائز ہے جنگ تو ہے ہی دھوکہ۔

حضرت عبداللہ قوتِ ایمانی سے سرشار، خطرات سے بے نیاز مہم کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ عصر کے وقت نخلہ پہنچتے ہیں دیکھتے ہیں کہ خالد اپنے محافظوں کے بیچ، عورتوں کے درمیان موجود ہے۔ عصر کی نماز اشاروں میں پڑھی اور جانبِ ہدف روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ خالد کے پاس پہنچ گئے۔ خالد نے اجنبی کو قریب پا کر پوچھا تم کون ہو۔ حضرت عبداللہ نے جواب دیا اپنا ہی آدمی ہوں قبیلہ خزاعہ سے میرا تعلق ہے اور عرب ہوں سنا ہے تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ لڑنے کا قصد کیا ہے میں بھی اُسی میں شمولیت کے لئے آیا ہوں۔ خالد مطمئن ہو گیا۔ وہ حضرت عبداللہ سے مہم کے بارے میں باتیں کرنے لگا اور حضرت عبداللہ ہدف کو قریب پا کر نشانہ فٹ کرنے لگے حضرت عبداللہ محفل باز آدمی تھے باتوں کے دھنی تھے اور باتیں بھی دلچسپ

کرتے تھے۔ جلد ہی خالد آپ سے مانوس ہوگیا۔ یکا یک تلوار نیام سے نکالی اور ایک ہی وار میں خالد کا کام تمام کردیا۔ خالد کا دھڑ زمیں پہ گرا۔ آواز آئی۔ عورتیں متوجہ ہوئیں وہ چیخنے لگیں۔ سب لوگ خالد کی لاش کی طرف متوجہ ہوئے حضرت عبداللہ کھسک لئے۔ لوگ افراتفری میں قاتل کو تلاش کررہے ہیں لیکن یہ اللہ کا شیر شکار کرکے دور جاچکا ہے۔ ابھی خالد کی لاش پڑی تھی کفن دفن بھی نہ ہوا تھا کہ لوگ وہاں سے کھسکنا شروع ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے نخلہ خالی ہوگیا۔ حضرت عبداللہ اپنے مشن کی کامیابی پر شاداں وفرحاں جانب مدینہ رواں دواں ہیں۔ گھنٹوں کی مسافت منٹوں میں طے کررہے ہیں۔ کہ اپنے محبوب کی خدمت میں پہنچیں اور کامیابی کی نوید سنائیں۔ آخر ۲۳ محرم کو واپس پہنچے۔ عبداللہ سیدھے مسجد نبوی میں پہنچے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے درمیان جلوہ افروز تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار کو دیکھا تو مسکرائے اور ارشاد فرمایا "افلح الوجہ "۔ یہ چہرہ کامیاب ہے۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا آپ کا چہرۂ مبارک کامیاب ہے۔ میں نے اِس دشمنِ خدا اور رسول کو کیفر کردار تک پہنچادیا۔

اُس وقت حضرت عبداللہ نے چند اشعار پڑھے۔ کیا تاریخ نے ایسے افراد دیکھے ہوں گے ہزاروں کا لشکر، ہتھیاروں سے لیس کیل کانٹے سے مسلح حملے کے لئے تیار، ہمہ وقت چوکس۔ اِدھر فردِ واحد عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار، نہ جان کی پرواہ نہ موت کا ڈر۔ ہزاروں کے پہرے میں موجود اپنے ہدف اور شکار تک پہنچے اور مشن کی تکمیل کے بعد کامیاب وکامراں لوٹے۔ یقیناً ایسے کارنامے عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سرانجام دے سکتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصائے مبارک عطا فرمایا اور فرمایا "اِسے پکڑ کر جنت میں چلے جاؤ"۔ حضرت عبداللہ کے مقدر پہ نثار کیسی دولت پائی۔ شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنا عصائے مبارک عطا فرماتے ہیں جو جنت کی رسید ہے۔ یہ عصائے مبارک آخر دم تک حضرت عبداللہ کے پاس رہا۔ جب وقتِ وصال آیا تو لواحقین کو وصیت فرمائی کہ بوقت دفن یہ عصائے مبارک میرے کفن میں رکھ دیا جائے تا کہ میں یوم حساب اور روزِ محشر شافع محشر کا یہ پروانہ بخشش اپنے رب تعالیٰ کے حضور

بطور سند پیش کر سکوں۔

شہیدِ اوّل

کعبہ، اللہ کا گھر۔ معمارِ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ بیت اللہ تعمیر ہوا۔ صدیوں بعد اولادِ ابراہیم نے اِس میں بت رکھ چھوڑے حالانکہ وہ اللہ کے حکم سے اللہ ہی کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا تھا۔ آخر اِسے بتوں سے پاک اور تقدیس و مقام دینے والے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و اشاعت کا مرکز دارارقم کو بنایا جو کوہِ صفا کے نزدیک واقع تھا جب مسلمانوں کی تعداد 40 تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ ربِّ ارض و سماوات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاعلان تبلیغِ حق کا حکم دیا اور اس راہ میں خطرات کو خاطر میں نہ لانے کا ارشاد ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے اور برملا توحید کا اعلان کیا اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام سنایا تو حرم کعبہ میں موجود کفار برہم ہو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور صدائیں بلند ہوئیں۔ توہین! پکڑو! بچ کر نہ جائے۔ صرف اسی پہ اکتفا نہ کیا بلکہ باقاعدہ اُن کے ہاتھ بجانب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بڑھنے لگے۔

حرم کعبہ کے پاس ہی وہ مبارک و مقدس گھر بھی تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت تھا اور وہ وہاں اپنے سابقہ شوہروں جو اب اِس دنیا میں نہ تھے کی اولاد کے ساتھ قیام پذیر تھیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد از نکاح حضرت خدیجہ کے مکان میں ہی مقیم ہوئے۔ اِسی گھر میں حضرت خدیجہ کے بیٹے حارث بن ابی ہالہ جو آپ کے سابق شوہر ابو ہالہ بن زرارہ کی اولاد سے تھے مقیم تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے کفیل، مرّبی اور سرپرست تھے وہ آرام کی غرض سے چارپائی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ انہوں نے توہین پکڑو بچ کر نہ جائے کا شور و غل سنا۔ اُس کے قدم وہیں رک گئے اور شور پہ کان لگا دیے یک لخت اُن کے ذہن میں خیال آیا کہ ابھی ابھی انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ کی جانب جاتے دیکھا تھا۔ فوراً سوچا کہ کہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو کفار کے نرغے میں نہیں۔ بڑھتے قدم واپس مڑے اور جانب کعبہ

دوڑ لگا دی۔ جسم میں بجلیاں سی بھر گئیں۔ حرم کعبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار نے گھیر رکھا ہے۔ تلواریں لہرا رہی ہیں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو زک اور ایذا پہنچانے پہ تلے ہوئے ہیں اور ہر آن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو خطرہ لاحق ہے۔ جب یہ منظر حارث کی آنکھوں کے سامنے آیا تو ہجوم کو چیرتے ہوئے اپنے مرّبی، اپنے محسن، اپنے سرپرست، اپنے محبوب کے قریب پہنچ گئے اور چلائے ٹھہرو! کفار طیش میں تھے مشتعل تھے وہ حضرت حارث پر پل پڑے چاروں طرف سے تلواریں چلیں اور حضرت حارث کے جسم میں پیوست ہو گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے حارث زمین پہ گرے اور صحن کعبہ کو اپنے خون سے رنگین کر گئے۔ حارث اپنی جان اپنے محبوب پہ وار گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جان دی۔ اِس پر آپ نے بحکم خداوندی اعلان فرمایا کہ حارث شہیدِ اوّل ہے جس کی روح بغیر حساب و کتاب کے فردوسِ بریں میں پہنچی۔

تیری چوکھٹ پہ سر ہو اور تارِ زندگی ٹوٹے
یہی انجام الفت ہے یہی مرنے کا حاصل ہے

گر وقت اجل سر تیری چوکھٹ پہ دھرا ہو
جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

آدابِ دربارِ رسالت

آج کوئی سربراہِ مملکت کسی دوسرے ملک آتا ہے تو اُسے پروٹوکول دیا جاتا ہے توپوں کی سلامی دی جاتی ہے۔ گارڈ آف آنر پیش کیا جاتا ہے۔ بگل بجائے جاتے ہیں ایسکارٹ (Escort) میں کہیں لے جایا جاتا ہے۔ آگے موٹر سائیکل سوار پولیس کا دستہ ہوتا ہے پیچھے گاڑیوں کی لمبی قطار ہوتی ہے یہ سب سیاسی آداب کے تقاضے ہیں لیکن جب وہ کرسیِ اقتدار سے اتر جاتا ہے تو وہی سربراہ، صدر یا وزیرِ اعظم خود گلیاں ناپتا ہے اور کوئی پوچھتا تک نہیں۔ اسی طرح کسی زمیندار، جاگیردار، سردار کے مزارع یا رعایا اُسے ادب و تعظیم تو دیتی ہے لیکن اِس میں دنیا داری، ظاہرداری، تصنع مجبوری کا دخل ہوتا ہے یہ ادب یہ تعظیم دِل کی گہرائیوں سے نہیں ہوتی یہ سب سطحی اور مجبوریوں کے تحت ہوتا ہے منہ پر تو سائیں، مالک، مہر، خان، چوہدری، میاں صاحب اور شاہ صاحب ہوتا ہے لیکن دِل سے ان کے خلاف نفرت کے لاوے پھوٹ رہے ہوتے ہیں۔ اِس ادب واحترام، تعظیم وتکریم میں خلوص نہیں ہوتا۔ گہرائی اور گیرائی نہیں ہوتی پھر یہ سب تقاضے اقتدار کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں اقتدار گیا تو ساتھ یہ ادب کے تقاضے بھی رخصت ہوئے۔

یہ پروٹوکول، سیاسی ادب آداب ہوتے ہیں۔ عارضی اور وقتی ہوتے ہیں دیرپا یا دائمی نہیں ہوتے میرے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شہنشاہ ہیں کہ

نعلین شکستہ ہے تو بوسیدہ قبا ہے
یہ بادشاہِ سلطنت ارض و سما ہے
قاسم ہے مگر فاقوں پہ کرتا ہے گزارہ
سلطاں ہے مگر مجمع فقرا میں کھڑا ہے

جنابِ سرورِ کائنات، خلاصہ موجودات، شہنشاہِ ارض وسماوات، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شہنشاہ ہیں جن کے دربار کے آداب خود باری تعالیٰ نے قرآن مجید، فرقانِ حمید میں

مقرر فرما دیے۔ لہٰذا یہ آداب رسالت، یہ تعظیم و تکریم دربار رسالت وقتی نہیں یہ آداب زمان و مکاں کی قیود سے بھی ماوراء ہیں۔ یہ صرف آپ کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ بعد از ظاہری زندگی بھی قائم ودائم ہیں۔ یہ تا قیامِ قیامت ہیں بلکہ اس کے بعد بھی قائم رہیں گے جب یہ دنیا زیروزبر ہو جائے گی ہمارا ایمان ہے اللہ تعالیٰ کی ذات تو قائم ودائم ہے وہ تو حیّ "قیوم ہے اُسے فنا نہیں، موت نہیں لہٰذا اُس کے مقرر کردہ آداب کو بھی دوام ہے۔ وَرَفَعنَا لَكَ ذِكرَكَ یہ ارشادِ خداوندی ہے یہ ذکر تو بعد از قیامت بھی جاری وساری رہے گا۔

اب ذرا آدابِ رسالت کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں

یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَینَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیعٌ عَلِیمٌ یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَرفَعُوا اَصوَاتَكُم فَوقَ صَوتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجهَرُوا لَهٗ بِالقَولِ كَجَهرِ بَعضِكُم لِبَعضٍ اَن تَحبَطَ اَعمَالُكُم وَاَنتُم لَا تَشعُرُونَ O (سورہ الحجرات)

(ترجمہ) اللہ اور اُس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ سنتا جانتا ہے۔ اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اِس نبی کی آواز سے اور اُن کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اس آیت میں تین چیزوں سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا۔

1) اللہ اور اُس کے رسول سے آگے نہ بڑھو

2) اپنی آوازیں رسول علیہ السلام کی آواز مبارک پر اونچی نہ کرو

3) اُن کی بارگاہ میں چلا کر بات نہ کرو

لَا تُقَدِّمُوا (آگے نہ بڑھو) کی تفسیر یوں ہے کہ کچھ لوگوں نے عید الاضحیٰ کے دن قربانی حضور علیہ السلام سے پہلے کر لی تھی اِس سے منع فرمایا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مطابق بعض لوگ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے بعض اوقات چاند نکلنے میں شک کے طور پر ایک دن پہلے روزہ رکھ لیتے اِس سے منع فرمایا گیا۔ شانِ نزول کچھ بھی ہو یہ حکم عام ہے کسی بات میں کسی کام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے نکلنا منع فرما دیا گیا۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ راستہ میں جا رہے ہوں تو آگے آگے چلنا منع ہے۔ مگر خادم کی حیثیت سے یا کسی اور ضرورت سے اجازت لے کر آگے جانے کی اجازت ہے۔ اگر ساتھ کھانا کھانے کا شرف نصیب ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے شروع کرنا منع ہے۔ اِسی طرح اپنی عقل اور اپنی رائے کو حضور علیہ السلام سے مُقدّم کرنا حرام ہے۔ مشکواۃ میں حدیثِ پاک ہے کہ مرض الموت میں حضور علیہ السلام نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امامت فرمانے کا حکم دیا ایک روز عین نماز کی حالت مین جب صدیق اکبر نماز پڑھا رہے تھے حضور علیہ السلام تشریف لے آئے اُسی وقت صدیق اکبر پیچھے ہٹ گئے۔ مقتدی بن گئے اور حضور علیہ السلام امام۔

اِس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں کسی کو بھی امام ہونے کا اختیار نہیں اور اگر درمیان میں حضور اکرم علیہ السلام تشریف لے آئیں تو پہلے اِمام کی امامت منسوخ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے بڑھنے میں شامل ہے ہاں اگر حضور علیہ السلام خود اجازت دیں تو امام بننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اب اِس آیت کی عملی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عمر فاروق کے فرزندِ ارجمند۔ اوائل عمری میں ایمان لانے کا شرف نصیب ہوا۔ راوی حدیث بنے احادیث کا ایک بڑا مجموعہ اکٹھا کیا اور روایت کیا۔ حضرت عبداللہ خود فرماتے ہیں۔

''ایک دفعہ ایک سفر درپیش تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اونٹوں پر سوار تھے میں بھی ہمراہ تھا اور ایک اونٹ پر سوار تھا۔ میرا اونٹ سرکش،

زور آور اور تیز رفتار تھا۔ خاصا پلا ہوا اور موٹا تازہ اور صحت مند تھا۔ میرے کنٹرول کرنے کے باوجود آگے نکل جاتا میں مجبور تھا، بے بس تھا اونٹ مجھ سے سنبھلتا نہ تھا۔ اِس پر میرے والد صاحب میری سرزنش کرتے پاسِ ادب بھی پیش نظر تھا۔ بے ادبی کی صورت میں تعزیر کا خوف اور سوءِ ادب پہ خدائی گرفت اور اعمال کے ضائع ہونے کا خدشہ بھی لاحق تھا۔ میرے باپ بے چین، مضطرب اور خاصی بے سکونی میں تھے بار بار مجھے جھاڑتے اور طیش کا اظہار کرتے۔ تمام سفر اِسی طرح بے چینی اور بے کیفی میں گزرا۔ آخر منزل پر پہنچنے کے بعد آقائے دو جہاں، مونسِ بے کساں، والی کون و مکاں، شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد کی بے چینی و بے بسی کا اندازہ کرتے ہوئے فرمایا "اپنے بیٹے کی سرزنش نہ کرو۔ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں یہ اونٹ اس کے کنٹرول سے باہر تھا۔ آپ ایسا کریں یہ اونٹ مجھے دے دیں"۔ میرے والد صاحب نے عرض کی "یارسول صلی اللہ علیہ وسلم! اونٹ ہدیتاً لے لیں ہم اور ہمارا سب کچھ آپ کا ہی تو ہے"۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تو قیمتاً لینا چاہتا ہوں"۔ میرے والد صاحب نے بہت اصرار کیا لیکن سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے لینے سے انکار کر دیا آخر قیمت طے ہونے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت ادا کر کے اونٹ لے لیا اور میرے حوالے کر دیا اور فرمایا "اب یہ اونٹ تیری ملکیت ہے تیرے باپ کی نہیں اب تم اس کے مالک ہو اب وہ تمہیں سخت سست نہیں کہیں گے"۔ حضرت عمر فاروقؓ نے پھر بھی پس و پیش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اب یہ اونٹ میرا ہے جسے چاہوں دے دوں۔ اے عبداللہ! اب یہ اونٹ تمہارا ہے تمہارے والد کا نہیں جو تمہارے قابو میں نہ آئے اِسے لے جاؤ اب یہ تمہارا کہنا مانے گا اور والد کی ڈانٹ سے بھی بچ جاؤ گے"۔

میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

وطن کی محبت نوعِ بشر کی سرشت میں شامل ہے یہ ہر انسان کے خون میں رچی بسی ہوتی ہے۔ اور یہ محبت ہر انسان کی فطری کمزوری ہوتی ہے۔ اپنا آبائی وطن چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہوتا اپنی گلیاں، اپنی مٹی، اپنے خویش واقارب اور برادری، اپنا گھر بار چھوڑنے کیلئے دِل پر پتھر رکھنا پڑتا ہے۔ ہجرت تین قسم کی ہوتی ہے۔ آزادی کے لئے۔ معاشی ضروریات کے تحت اور دین و مذہب کے لئے۔ پہلی ہجرت آزادی کے حصول اور اپنے آزاد وطن کی دستیابی کے لئے کی جاتی ہے۔ جس طرح 1947ء میں مسلمانانِ برصغیر نے پاک وطن، پاک سرزمین کے لئے کی۔ دوسری ہجرت روزگار، معاشی فراخی اور بہتر معاشی حالات اور بھلے دنوں کی آس میں کی جاتی ہے۔ جس طرح ہمارے وطن کے لاکھوں لوگ بہتر روزگار کے لئے دیارِ غیر میں جا بسے ہیں۔ ہجرت کی تیسری قسم خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا، دین کی بہتری واشاعت اور مذہبی آزادی کے لئے کی جاتی ہے۔ پہلی دو قسم کی ہجرتوں کی مثال تو تاریخ میں عام ملتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دینِ اسلام کی خاطر سب کچھ قربان کر کے مسافرت اختیار کرنا اور ترکِ سکونت کرنا اس کی مثال صرف اور صرف ہجرت مدینہ ہے۔

جب کفارِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے اور قریش کے دل تبلیغ دین کیلئے تنگ ہو گئے اور تبلیغ کا سلسلہ سست پڑنے لگا۔ ترویج واشاعتِ اسلام متاثر ہونے لگی تو سردارِ دو جہاں، ہادی کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم بیعت عقبیٰ اور بیعت عقبیٰ ثانی کی وجہ سے ہجرت مدینہ کا قصد کرتے ہیں۔ انصارِ مدینہ چشم براہ ہیں۔ دین کی خاطر گھر بار، خویش اقارب، مال جائیداد اور اپنا آبائی شہر مکہ چھوڑ دیا۔ یہ اپنی منفرد نوعیت کی ہجرت کی پہلی مثال تھی۔ ہمارے آقا و مولیٰ، ہادی ورہنما صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیقِ خاص اور معتمدِ باوفا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیتے ہیں اور جانبِ مدینہ کا پر خطر سفر شروع کرتے ہیں راستے میں تین دن غارِ ثور میں قیام کرتے ہیں۔ جب

دشمن کے تعاقب کا خطرہ کم پڑتا ہے تو پھر مدینہ کا سفر جاری ہو جاتا ہے۔آخر صعوبتیں اٹھاتے، راہ کی مشقتیں برداشت کرتے، راہ کی تکلیفیں اور تنگیاں حرزِ جاں بناتے منزل بہ منزل مصیبتوں کے پہاڑ اٹھاتے آزمائشوں اور مصیبتوں کے صبر آزما مراحل طے کرتے قربِ مدینہ میں پہنچے اور قبا میں قیام کیا اور پھر قبا سے مدینہ داخل ہوئے۔اب ہر انصاری آنکھوں کا فرش بچھائے راہ میں مسرتوں کے دیے جلائے، آسوں اور اُمیدوں کی شمعیں روشن کیے دل کے ارمانوں کو چہروں پہ سجائے دل و جاں کا نذرانہ لیے اِس اُمید میں ہے کہ آقائے دو جہاں، نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے آنگن میں اتریں اُس کے غریب خانے کو رشکِ جنت بنائیں اور اس کی کٹیا کے بھی نصیب جاگیں۔ ہر ایک میزبانی کی خواہش لئے جذبات کے ہار سجائے ارمانوں کی تکمیل کی آس لیے راہ میں کھڑا ہے۔ بنو سالم بستی کے سرداروں میں سے عتبان بن مالک اور عباس بن عبادہ حاضر ہوتے ہیں اور ناقہ کی نکیل تھامے عرض کرتے ہیں آقا ہم خدمت کے لئے حاضر ہیں۔آپ ہمارے ہاں قیام فرمائیں ہم آپ کی حفاظت میں پوری طاقت صرف کر دیں گے اور ہم دفاع کی طاقت بھی رکھتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری ناقہ مامور من اللہ ہے یہ جہاں خود بیٹھے گی وہی میری قیام گاہ ہوگی۔ یہ لوگ بھی قافلے میں شامل ہو گئے لوگوں کے چہرے مسرت سے دمکتے اور زبانوں پہ اللہ اکبر کی صدائیں رسول اللہ آ گئے نبی اللہ آ گئے کے نعرے لگاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں آگے بڑھ رہے ہیں عورتیں مکانوں کی چھتوں سے گا رہی ہیں "طلع البدر علینا" ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہو گیا وداع کی پہاڑیوں سے۔

حضور اکرم، خلقِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ انصار کے جس محلہ سے گزرتی محلے کا ہر فرد آرزو کرتا کہ کاش ناقہ یہیں بیٹھ جائے اور اس کے مقدر کا ستارہ چمک جائے اور میزبانی کا شرف اس کے حصہ میں آ جائے ہر کوئی عرض گزار ہوتا حضور۔ناقہ ٹھہرائیے اور اُسے شرفِ میزبانی سے نوازیے غلام خدمت کو حاضر ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جوشِ میزبانی دیکھ کر مسکراتے اور یہی فرماتے میری ناقہ مامور من اللہ ہے۔

اب ناقہ بنونجار کے محلہ سے گزرتی ہے یہ آپ کے ننھیالی رشتہ دار ہیں یہ لوگ بیچ و بیچ کے راستے میں کھڑے ہیں اور سراپا اشتیاق ہیں کہ رشتہ داری کے ناتے وہ میزبانی کے زیادہ حق دار ہیں بنونجار کی بچیاں دف بجا کر گا رہی ہیں۔

ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں

کیا اچھے ہمسائے ہیں محمدؐ

آقائے دو جہاں والی کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرطِ جذبات، یہ ذوق و شوق دیکھ کے رک گئے اور بچیوں سے پوچھا۔

"کیا تم مجھ سے محبت رکھتی ہو"۔

معصوم لڑکیاں جواب دیتی ہیں "ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

اُن کی ہاں سن کے اور فرطِ جذبات دیکھ کے والی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"خدا کی قسم میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں" اور یہ سہ بار فرماتے ہیں

"خدا کی قسم میں تم لوگوں سے محبت رکھتا ہوں میرا دل تم لوگوں سے محبت رکھتا ہے بخدا تم لوگ مجھے بہت زیادہ عزیز ہو"۔

تمام یثرب محبوبِ خدا کے استقبال کو اُمڈ آیا۔ ہر دل میں میزبانی کا اشتیاق ہے ہر کوئی دیدہ و دل فرشِ راہ کیے ہوئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر ہیں ناقہ کو آزاد چھوڑا ہے آخر ناقہ اُس جگہ بیٹھ جاتی ہے جہاں اب مسجد نبوی ہے اور یہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم قصدِ قیام فرماتے ہیں۔ سامنے عبداللہ بن زید جو ابوایوب کنیت سے مشہور ہیں کا گھر ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری کا نصیب جاگ گیا۔ مقدر کا ستارہ بامِ عروج پہ چمکا قسمت نے یاوری کی محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبانِ اوّل بنے۔ اب وہ مہمانِ ذی شان کو دیکھتے اور غریب خانے کی حالت پہ بھی نظر دوڑاتے ہیں۔ گھر اور سامانِ گھر لائق مہمان نہیں۔ لیکن محبت اور عشق تو فراواں ہے۔ ابوایوب شاداں و فرحاں اپنے مقدر پہ نازاں سامان اٹھا کے گھر لاتے ہیں۔ گھر کچا لیکن۔۔

منزلہ آپ کی خواہش کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بالا خانے پہ قیام فرمائیں تا کہ ادب واحترام کا بھی لحاظ رہے اور یہ غلام قدموں میں بھی جگہ پائے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نچلی منزل کا انتخاب کرتے ہیں تا کہ ملاقاتیوں کو آسانی رہے۔ حضرت ابوایوب نہیں چاہتے تھے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نیچے ٹھہریں اور وہ اوپر ہوں یہ پاس ادب اور حفظ مراتب کے خلاف تھا۔ چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود اِس خواہش کا اظہار کیا تھا ناچار ابوایوب خاموش ہو گئے کہ حکم کو تو ادب پہ فوقیت ہے اور پھر اُن کے لئے یہی اعزاز کیا کم تھا کہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے غریب خانے کو زینت بخش رہے تھے اور رشکِ قمر بنا رہے تھے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ اوپر ٹھہرنا نہ چاہتے تھے لیکن تعمیل حکم سے سرتابی نہ تھی اور یہ بھی پیش نظر تھا کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔ اب رہنے کو تو وہ اوپر رہ رہے تھے لیکن دم سادھے ہوئے پاؤں بھی آہستہ رکھتے کہ ٹھیس نہ پہنچے آبگینوں کو۔ کھڑکا نہ کرتے آواز نہ نکالتے کہ مبادا محبوب کے آرام میں خلل آئے۔ ساری رات سکڑ کے ایک کونے میں دُبکے رہتے بہت کم چھت پر چلتے پھرتے۔

سردیوں کے موسم میں ایک دن اوپر والی منزل پر پانی کا گھڑا الٹ گیا۔ مکان چونکہ کچا تھا۔ چھت بھی گھاس پھونس اور کھجوروں کے پتوں کی تھی۔ خدشہ تھا کہ پانی نیچے رس کے اس کے قطرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل نہ ڈالیں اور آپ کے آرام میں مخل نہ ہوں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ فوراً رضائی اٹھا کے پانی پہ ڈال دیتے ہیں تا کہ رضائی پانی چوس لے اور دونوں میاں بیوی ساری رات سردی میں ٹھٹھرتے رات سے صبح کر دیتے ہیں۔ صبح نیچے اترتے ہیں آنکھیں سوجی ہوئی چہرہ مُرجھایا ہوا اِسی حالت میں حضرت ابوایوب انصاریؓ حضور اکرم رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں والی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم چہرہ دیکھ کے چہرے کی پژمردگی کی وجہ پوچھتے ہیں تو آپ رات والا سارا واقعہ بیان کر دیتے ہیں۔ پھر آقائے کون ومکاں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں التماس کرتے ہیں کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر قیام فرمائیں تاکہ اِن غلاموں کو قدموں کے سائے تلے رہنے کی سعادت نصیب ہو۔ نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی یہ التجا قبول فرمالیتے ہیں اور اوپر والی منزل میں قیام پذیر ہو جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں چھ ماہ قیام فرماتے ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاری کے مقدر پہ نثار جائیں کہ پہلے میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا شرف ملا اور سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور میزبانی کی سعادت حصّہ میں آئی۔

تو میرا رُوستائی اور میں تیرا شہری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قہقہہ لگا کر اونچی آواز سے کبھی نہیں ہنستے تھے لیکن خشک جذبات سے عاری طبیعت کے مالک بھی نہ تھے اور ایسا ہنسی مذاق کر لیتے تھے جس سے کسی کی دل آزاری نہ ہوتی ہو اور نہ مزاح اخلاق کی حدوں سے گرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی اور جنت کے حصول کی خواستگار ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت جنت میں نہیں جا سکتی۔ وہ عورت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر زار و قطار رونے لگی۔ والیِ بے کساں، مونس غم گساراں صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو اُسے روتا ہوا پایا رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی تو حضرت عائشہ صدیقہ نے اُس بوڑھی عورت کے رونے کی وجہ بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ واقعتاً کوئی بوڑھا جنت میں نہ جائے گا۔ پہلے وہ دوبارہ جوان بنایا جائے گا پھر اُسے پروانہ جنت عطا ہوگا۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے سواری اور بار برداری کیلئے سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ مانگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم اونٹ تو نہیں اونٹ کا بچہ تمہیں عطا کریں گے۔ وہ صحابی مایوس ہوا کہ بھلا ہم اونٹ کے بچے کو کیا کریں گے۔ پہلے ہم پالیں پوسیں مدتوں بعد کہیں جوان ہوگا تو ہمارے کام آئے گا تو سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بھئی ہر اونٹ پہلے اونٹ اور اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔ اِن مثالوں سے ظاہر ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہلکا پھلکا مبنی بر ذہانت ادبی اور بے ضرر قسم کا مزاح فرماتے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تفریق و امتیاز، اونچ نیچ یا بے جا تفاخر نہیں ملتا جس نے بھی کلمہ پڑھ لیا وہ ملتِ اسلامیہ کا فرد بن گیا جو بھی دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گیا وہ حضور کے دامانِ رحمت اور سایہ عاطفت میں آ گیا جس نے بھی حضور کی غلامی کر لی وہ محترم، مکرم اور معظم ہو گیا آقا و غلام بارگاہِ رسالت میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے بندہ اور بندہ نواز کا امتیاز

مٹ گیا۔

حضرت زاہر رنگ کے کالے، نین نقش بھی بھدے سے سیدھے سادھے دیہاتی ہیں لیکن دِل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بسائے ہیں۔ جب بھی آتے ہیں حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیہات کی سوغات پھل، سبزیاں ہدیتاً اور تحفۃً لاتے ہیں۔ آپ ہمیشہ ان کی قدو منزلت، عزت و توقیر فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تحفے کی قدو منزلت کو مالی لحاظ سے نہ پرکھتے بلکہ اُن تحفوں کے پیچھے خلوص و محبت کو پیشِ نظر رکھتے جب حضرت زاہر رخصت ہوتے تو کملی والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُسے شہر کی چیزیں دے دیتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ زاہر ہمارا روستانی (دیہاتی یا بدوی) ہے اور ہم اِس کے شہری ہیں یہ دراصل اُس خوش نصیب کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار محبت تھا۔ حضرت زاہر اپنی چیزیں لا کر شہر کی منڈی میں بیچا کرتے تھے۔ ایک روز آپ بازار کی جانب جا رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زاہر کو اپنی چیزیں فروخت کرتے دیکھا۔ تاجدارِ مدینہ، راحت قلب و سینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے سے دبے پاؤں آ کر آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے اور اُن کو سینے سے لپٹا لیا۔ حضرت زاہر بولے کون ہے مجھے چھوڑ دو انہوں نے مڑ کر دیکھا تو سردارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں تو وہ دیوانہ اب اپنی پشت ہٹاتا ہی نہیں تھا اور مسلسل اپنی پشت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے رگڑے جا رہا تھا۔ یہ فرزانگی، دیوانگی، عشق و محبت کا عجب انداز تھا۔ پھر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ہے کوئی جو اِس غلام کو خریدے“۔ تو غلام نے کہا ”میں تو بہت کالا کلوٹا ہوں۔ میرا چہرہ بھدا، نین نقش موٹے اور بھدے سے ہونٹ موٹے اور پھر اُجڈ، بدو بھلا مجھ حقیر کو کون خریدے گا“۔ لیکن شافع محشر، ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”تُو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت گراں قیمت ہے“۔

آج بھی یہاں اگر کوئی دوست، کسی ہم دم دیرینہ کو اچانک کہیں دیکھتا ہے جو مدت مدید کے بعد نظر آیا ہو تو وہ چپکے سے پیچھے سے جا کر دوست کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتا ہے بولتا نہیں مقصد

یہ ہوتا ہے کہ دوست ہاتھ کے لمس اور دوستی کی خوشبو سے پہچانے کہ آنکھوں پر ہاتھ رکھنے والا کون ہے۔ اِس میں ایک طرف تو اپنائیت، خلوص، بے تکلفی اور محبت کی جھلک اور گہرائی ہوتی ہے اور دوسری طرف یہ منظر ایک سنت کا احیاء بھی کررہا ہوتا ہے۔

روم کا پہلا پھل

جان، مال، اولاد ہر انسان کی کمزوری ہے لیکن جان سب سے پیاری اور مقدم ہوتی ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے۔ جان ہر ایک کو عزیز ہوتی ہے۔ مال و جائیداد کی محبت ہر انسان کے خمیر میں شامل ہے مال کی خاطر انسان دوسروں کے گلے کاٹتا ہے۔ ہر جائز و ناجائز طریقے سے مال اکٹھا کرتا ہے۔ مال اکٹھا کرنے کے بعد اُس پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ غریبوں، یتیموں، مسکینوں پہ ایک پائی خرچ نہیں کرتا بلکہ غریبوں، مسکینوں، یتیموں کے حق غصب کرتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ یہ مال ابدی اور دائمی ہے ہمیشہ اِس کے پاس رہے گا۔ حالانکہ یہ خیال خام ہے اِدھر آنکھ بند ہوئی اور اُدھر مال سے تعلق ختم۔ اِس کے حصے بخرے شروع ہو جاتے ہیں اولاد کی خاطر انسان رشوت لیتا ہے ڈاکے ڈالتا ہے اپنی عاقبت خراب کر لیتا ہے لیکن اولاد بڑھاپے میں پوچھتی تک نہیں اور مرنے کے بعد دعائے مغفرت تک کی توفیق نہیں ہوتی۔ اِسی لئے فرمایا گیا ”اگر تمہیں اپنی جان، مال، اولاد سے اللہ اور رسول سے بڑھ کر پیار ہے تو تم ایمان کی حلاوت کو نہیں پا سکتے“۔ اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور اُس کے محبوب کی محبت میں یہ رشتے حائل ہوں تو اِن کو قربان کر دو۔ یہی ایمان کا تقاضا ہے اور یہی اصل دین و ایماں ہے۔ حضرت صہیب رومی حضرت عمار کے ساتھ ایمان لائے اُس وقت تک صرف تیس آدمی ایمان لائے تھے اسلام لانے کے بعد تکلیفیں اٹھائیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ”صہیب روم کا پہلا پھل ہے“۔ اب ذرا صہیب کے عشق اور محبت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ بھی سنیئے اور سرور و کیف میں سر دُھنیئے۔

حضرت صہیب رومی حضرت عمار کے ساتھ ایمان لائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں موجود تھے دونوں ایمان لانے کی غرض سے مختلف اطراف سے چلے۔ حسنِ اتفاق کہ دونوں دروازے پہ اکٹھا ہو گئے۔ دونوں نے آنے کی وجہ بتائی تو وہ مشترک تھی یعنی مشرف بہ اسلام

ہونا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے مستفید ہونا۔ اسلام لاناتھا کہ دونوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ قریش اِن کمزور اور ناتواں لوگوں پر ظلم وزیادتی کی انتہا کر دیتے تھے آخر تنگ آ کر حضرت صہیب قصدِ ہجرت کرتے ہیں چونکہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی ہجرت کی غرض سے روانہ ہو چکے تھے۔ کافر نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان دوسری جگہ جا کر امن وسکون سے رہیں۔ کافر جب کسی مسلمان کی ہجرت کی خبر سنتے تو اس کا راستہ روکتے اور مراجعت پہ مجبور کرتے۔ کافروں کو جب حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت کا پتہ چلا تو انہوں نے ایک جماعت آپ کو پکڑنے کے لئے روانہ کی۔ جب یہ لوگ پیچھا کرتے حضرت صہیب کے نزدیک پہنچے تو آپ نے ترکش سنبھالا اور اُن لوگوں سے مخاطب ہوئے ''تم میں سے ہر ایک اس بات سے باخبر ہے کہ میں تم سے زیادہ ماہر تیرانداز ہوں۔ میرا نشانہ کبھی خطا نہیں جاتا جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر ہو گا میں تیر چلاؤں گا۔ پھر تلوار کے جوہر دکھاؤں گا جب تلوار بھی نہیں رہے گی تو پھر تم مجھ تک رسائی حاصل کر سکو گے۔ میرے پاس تمہارے لئے ایک بہتر صورت ہے اگر تم قبول کر لو تو میرے پاس مکہ معظمہ میں مال موجود ہے جو میں چھوڑ کر عازم ہجرت ہوا ہوں اگر تم چاہو تو میں تمہیں مال کا پتہ دے سکتا ہوں وہ جا کر تم لے لو اور پھر میرے پاس دو باندیاں بھی ہیں وہ بھی تم لے سکتے ہو''۔ وہ لوگ اِس پر رضا مند ہو گئے یُوں حضرت صہیب نے تمام مال کی قربانی دے کر ہجرت کی راہ ہموار کی۔ ایک آیت کا شانِ نزول بھی یہی واقعہ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

(کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا کے واسطے اپنی جان خرید لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بندوں پر مہربان ہے)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت قُبا میں تھے۔ صہیب نے جب ہجرت کا واقعہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم نے نفع اور فائدے کی تجارت کی۔ ابو یحییٰ تم نے اچھا سودا کیا''۔ حضرت صہیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبا میں آن ملے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھجوریں تناول فرما رہے تھے۔ انہیں بھی سفر کی وجہ سے بھوک لگی ہوئی تھی آتے ہی کھجوروں پہ ٹوٹ پڑے۔ چونکہ سفر میں ان کی ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی۔ حضرت عمر نے اِس طرف رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبذول کروائی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صہیب تمہاری آنکھ آشوب کر آئی ہے سرخ ہے دکھتی ہے اور تم پھر بھی کھجوریں کھاتے ہو"۔ حضرت صہیب بذلہ سنج واقع ہوئے تھے بولے "میں صرف اپنی ایک تندرست آنکھ سے کھاتا ہوں"۔ سب ہنس پڑے۔ حضرت صہیبؓ بہت خرچ کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تم فضول خرچ ہو اور یہ اسراف کے زمرے میں آتا ہے۔ آپؓ نے فرمایا میں ناحق کہیں خرچ نہیں کرتا۔ آپ بڑے زاہد، متقی اور عبادت گزار تھے۔ اِن کا زہد و تقویٰ دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا جنازہ حضرت صہیب ہی پڑھائیں۔ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مجلسِ شوریٰ کے انتخاب تک حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا آپ نے تین دن تک امور مملکت سرانجام دیے۔ مسجد نبوی میں امامت کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا تعارف یہ تھا۔

ابو یحییٰ کنیت۔ صہیب نام۔ موصل کے قریب دریائے دجلہ کے کنارے ایک گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اِن کے والد اور چچا کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے۔ صہیب ابھی کم سن ہی تھے کہ اہل روم نے اِن کے خاندان پر شبخون مارا۔ سارا مال واسباب لوٹ لیا اور اِن کو پکڑ کر غلام بنالیا یہ رومیوں میں پل کر جوان ہوئے۔ بنو کلب اِن کو خرید لائے اور مکہ میں عبداللہ بن الجدعان کے ہاں بیچ دیا جنہوں نے اِن کو آزاد کر دیا۔

آلِ یاسر تمہیں جنت کی نوید ہو

نام عمار۔ باپ کا نام یاسر اور ماں کا نام سُمیّہ بنت خیاط۔ یہ قحطانی نسل سے تھے اصل وطن یمن تھا۔ حضرت عمار کے والد حضرت یاسر اپنے ایک گمشدہ بھائی کی تلاش میں اپنے دیگر دو بھائیوں حارث اور مالک کے ہمراہ مکہ پہنچے۔ دونوں بھائی تو واپس چلے گئے لیکن انہوں نے بنی مخزوم سے تعلق اور راہ و رسم پیدا کر کے ابو حذیفہ بن المغیرہ کی کنیز سمیہ سے شادی کر لی اور یہیں کے ہو گئے۔ اِسی جگہ حضرت عمار پیدا ہوئے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اِن کی رضاعی بہن تھیں دونوں نے ایک ہی ماں کا دودھ پیا تھا۔ ابو حذیفہ نے عمار کو اُن کے بچپن ہی میں آزاد کر کے سارے کنبے کو اپنے پاس رکھ لیا۔

حضرت عمار بن یاسر اور صہیب رومی ایک ہی دن ایمان لائے۔ تفصیل حضرت صہیب رومی کے ذیل میں آ چکی ہے۔ حضرت عمار چونکہ معاشی طور پر کم حیثیت تھے اِس لئے کفار کا بہت زیادہ مشقِ ستم بنے۔ آپ کے والدین بھی ایمان لے آئے۔ اِس لئے پورا کنبہ قریش کے ظلم وستم کا شکار ہوا۔ باپ بیٹے کو مکہ کی پتھریلی گرم تپتی ریت پہ لٹا دیا جاتا۔ سخت سلگتے پتھروں کو ننگی پشت اور کبھی سینے پہ رکھ دیا جاتا۔ عذاب کے انوکھے اور نرالے طریقے ایجاد کر کے آزمائے جاتے اُدھر سے ظلم کی انتہا، اِدھر سے صبر کی آخیر۔

حضرت عمار بہت باحوصلہ اور بلند پایہ صحابی تھے۔ حضرت عمار، ماں حضرت سمیہ اور باپ حضرت یاسر تینوں پر ظلم کی انتہا کر دی گئی۔ بنی مخزوم نے اِس بے کس و بے سہارا کنبے پر ظلم کی آخیر کر دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اِس خاندان کو ظلم وستم سہتے دیکھتے تو فرماتے " آلِ یاسر خدا تم کو اِس کے بدلے جنت عطا کرے گا"۔

حضرت عمار بن یاسر وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ جن کے والدین راہِ حق میں ظلم سہتے ہوئے شہید ہو گئے اِن کے والد حضرت یاسر اِسی حالتِ ظلم وستم میں شہادت پا گئے اور اِن کی والدہ

حضرت سمیہ ابو جہل کے ہاتھوں شہید ہوئیں یہ بھی کیا عاشقانِ باصفا تھے کہ سارے جور و ستم جان پہ سہے اور اُف تک نہ کی۔

غلامانِ مصطفیٰ جان دینے سے نہیں ڈرتے
سر رہ جائے یا کٹ جائے پرواہ نہیں کرتے

کیا مضبوط و پختہ ایمان تھے۔ اِن کے حوصلے اور جذبات بھی کیا پہاڑ تھے۔ یہ بھی کیا عاشقان تھے کہ فولادی چٹان بن گئے۔ ظلم کا ہر وار سہہ لیا لیکن فولادی حوصلوں میں دراڑ نہیں آنے دی۔ حضرت سمیہ بنت خیاط بوڑھی تھیں عورت ذات تھیں پھر ضعیفی، جسم بھی ناتواں، پھر ظلم سہے اور ہونٹ سی لئے۔ آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان ہو گئیں مگر کفار کو بتا دیا کہ عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یوں اپنی زندگیاں اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان کرتے ہیں۔ بے شک اذیتوں، تکلیفوں، کلفتوں کا کوہِ گراں ٹوٹے لیکن عزم صمیم میں دراڑ نہ آئے راہِ عشق میں اُٹھے قدم نہ ڈگمگائیں۔ حوصلے جواں رہیں پست ہمتی نہ آئے کڑے سے کڑے امتحان آئیں لیکن راہِ حق سے سرمُو انحراف نہ کریں۔

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

حضرت سمیہ بنت خیاط رضی اللہ عنہا صنفِ نازک، ضعیف جان اور اوپر سے بوڑھاپا سب ظلم سہے لیکن پائے استقلال اور حوصلوں میں لغزش نہیں آئی۔ سخت دھوپ میں گرم اور نوکیلی کنکریوں پہ لٹایا جاتا۔ لوہے کی زرہ پہنا کر دھوپ میں کھڑا کر دیا جاتا تاکہ دھوپ میں لوہا اور بھی تپتا رہے۔ آخر ابو جہل نے نیزے سے حملہ کیا وہ اِس کی تاب نہ لا کر شہید ہو گئیں اِس واقعہ کے کچھ دن بعد حضرت عمارؓ کے والد حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کو بھی شہید کر دیا گیا۔

ایک روز مشرکین نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو دہکتے کوئلوں پر لٹا دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُس طرف سے گزر ہوا تو اِن کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا" اے آگ تو

ابراہیم علیہ السلام کی طرح عمار پر ٹھنڈی ہو جا"۔ حضرت عمارؓ ظلم کی آگ سے کندن بن کے نکلے۔ کوڑے کھائے دہکتے کوئلوں پہ پیٹھ کے بل لٹائے گئے لیکن یہ عزم و ہمت کا پہاڑ ثابت ہوئے۔ اِسی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو حضرت عمارؓ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر ندا دی اپنے غلام فدائی اور عاشق کی حالت دیکھ کر آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کے زخموں پر دستِ شفقت پھیرا اور محبت سے فرمایا

"اے عمار! تو طیّب و مطیّب ہے"۔

ایک روز ظالموں نے پانی میں غوطے دیے کہ یہ بالکل بدحواس ہو گئے۔ یہاں تک کہ اِسی حالت میں اِن سنگدلوں نے جو کچھ چاہا اِن کی زبان سے کہلوایا۔ اِس کے بعد اِس مصیبت سے چھٹکارا ملا مگر ہوش آنے پر جب انہیں پتہ چلا تو عرقِ ندامت میں ڈوب گئے فوراً دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے آنکھوں سے اشک ہائے ندامت کے سَیلِ رواں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "عمار کیا خبر ہے"۔ عمار نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نہایت بری خبر ہے آج مجھے اُس وقت تک رہائی نہ ملی جب تک ۔۔۔۔۔۔ میں نے آپ کی شان میں بُرے کلمات اور اُن کے معبودوں کے حق میں اچھے الفاظ استعمال نہ کیے"۔ ارشاد ہوا "تمہارا دل کیا کہتا ہے"۔ عرض کیا "میرا دلِ ایمان سے معمور ہے اور مُطمئن ہے"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت سے اُن کے آنسو پونچھے اور فرمایا "کوئی بات نہیں اگر اِس طرح تیرے عذاب میں کمی آتی ہے تو پھر ایسا ہی کرنا"۔

اِس واقعہ کے بعد قرآنِ پاک میں یہ آیت نازل ہوئی۔

"جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے مگر وہ مجبور کیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان سے مطمئن ہو اُس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا"۔

جب رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو قبا کے مقام پر پہلی مسجد حضرت

عمار نے تعمیر فرمائی۔ قبا کے قیام کے دوران حضرت عمار نے سوچا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سایہ دار مکان بنانا چاہیے۔ جہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرمالیا کریں اور نماز بھی سایہ میں پڑھ لیا کریں تو قبا میں حضرت عمار نے پتھر جمع کر کے پہلی مسجد بنائی۔ اِسی لئے انہیں مسجد کا معمار اوّل کہنا بجا ہے۔ ہر لڑائی میں جوش وخروش سے حصہ لیا۔ جنگِ یمامہ کے موقع پر آپ کا کان کٹ کر نیچے گر پڑا لیکن آپ لڑتے رہے ایک دن فرمانے لگے کہ اب دوستوں سے ملیں گے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی پاکیزہ جماعت سے ملیں گے اتنے میں پیاس لگی پانی مانگا۔ پانی کی بجائے دودھ پیش کیا گیا۔ پی کر کہنے لگے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ عمار آخری وقت میں دودھ پیے گا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی عمر تقریباً 94 سال تھی۔

اطاعت وفرمانبرداری عشق کا پہلا سبق

اسلام کی اشاعت ہورہی ہے اسلام کی ترقی وسعت وترویج دشمن کو ایک آنکھ نہیں بھاتی وہ ہر وقت اِس تاک میں ہے کہ وہ اِس نشو ونما پاتے پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے۔ وار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے دشمنان جانے نہیں دیتے۔ اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کی زندگی اجیرن کر دیتے۔ اُن پہ عرصہ حیات تنگ کر دیتے حملے کرتے جنگیں مسلط کرتے مسلمانوں کو مجبوراً اپنے دفاع میں بے سروسامانی کے عالم میں بحالتِ مجبوری مقابلے کے لئے میدان میں اُترنا پڑتا چونکہ اِس کے بغیر چارہ نظر نہ آتا غرض یہ کہ دشمن ہر وقت اور ہر سمت سے مسلمانوں کو زک پہنچانے کے موقع کی تلاش میں رہتا۔

ایک دفعہ ایک غزوہ سے واپسی ہورہی ہے مجاہدین کو رات راستے میں پڑ جاتی ہے۔ چونکہ ہر طرف سے مخالفت ہے سارا علاقہ دشمن ہے دشمنانِ اسلام ہر سو پھیلے ہوئے ہیں ہر لحہ نقصان پہنچانے کے در پے ہیں اور ہمہ وقت مسلمانوں کو زک پہنچانے کی تاڑ میں سرگرداں نظر آتے ہیں اِس لئے سالارِ لشکرِ اسلام سپہ سالارِ اعظم، رہبرو رہنما حضور صلی اللہ علیہ وسلم حد درجہ احتیاط کرتے۔ جہاں بھی لشکرِ اسلام کا پڑاؤ ہوتا آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پہرے کا اہتمام فرماتے جہاں جس جگہ جس صحابی کی ڈیوٹی لگاتے وہ ڈیوٹی کی انجام دہی کو جزوِ ایمان سمجھتے اور اِس فرض کی ادائیگی میں سرِ مو فرق نہ آنے دیتے اِس بار ہادی برحق، رہنمائے دین ودنیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ انتخاب دو جانثاروں پہ ٹھہری اور یہ خوش بخت نیک خصال تھے حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عبادہ بن بشیر۔ ان کی ڈیوٹی لگتی ہے کہ جس پہاڑ کی جانب سے خطرہ ہو سکتا ہے وہاں انہیں پہرہ دینے پہ مامور کر دیا جاتا ہے۔ یہ دونوں ساتھی آمنا وصدقنا کہتے ہوئے جانب منزل رواں ہوتے ہیں۔ مقررہ مقام پہ پہنچ کے یہ دونوں ساتھی یہ دونوں فدائی آپس میں طے کرتے ہیں کہ باری باری پہرہ دیا جائے۔ یوں آرام بھی ہو جائے گا اور پہرے سے غفلت بھی نہ ہو گی۔ کہ

خطرے کی صورت میں بیدار دوست خوابیدہ ساتھی کو جگا دے گا۔ لہذا ایک دوست سو جاتا ہے اور دوسرا پہرے پہ چاک و چوبند مستعد و ہوشیار کھڑا ہو جاتا ہے۔ جو دوست پہرا دے رہا تھا وہ سوچتا ہے کہ جاگنا تو ہے بیکار اور بے مصرف وقت گزارنے سے بہتر ہے کہ یہ وقت عبادت میں گزارا جائے۔ چنانچہ وہ نفل پڑھنا شروع کر دیتا ہے کہ فارغ وقت کا بہترین مصرف یادِ الٰہی اور نفلی عبادت ہے اچانک کسی سمت سے ایک تیر آتا ہے اور قیام میں مشغول نمازی کے جسم میں پیوست ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے دو اور تیر آتے ہیں نمازی تیروں کو نکال کے پرے پھنکتا ہے اور نماز مکمل کرتا ہے خون کا فوارہ پھوٹتا ہے لیکن یہ غازی موت سے قطعاً نہیں گھبراتا اور تکلیف کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ ساتھی کو جگاتا ہے وہ کہتا ہے تو نے مجھے پہلے تیر پہ کیوں نہ جگایا وہ جواب دیتے ہیں کہ میں نے نوافل میں سورۂ کہف شروع کر رکھی تھی۔ مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ اُسے نامکمل چھوڑوں اور سورہ مکمل کیے بنا میں رکوع و سجود میں چلا جاؤں۔ پھر مجھے خدشہ لاحق ہوا کہ اِسی حالت میں کہیں موت واقع نہ ہو جائے اور دشمن غازیانِ اسلام کو گزند پہنچانے میں کامیاب ہو جائے اس خیال کے آتے ہی میں نے سورہ نامکمل و ناتمام چھوڑی رکوع و سجود کر کے فراغت حاصل کی اور آپ کو جگایا۔ اُدھر اِن تیروں کے بعد دشمن نے یہ سمجھا کے نجانے کتنے مسلمان ہیں وہ خائف ہوا اور بھاگنے میں عافیت جانی۔ قاری جان لیں کہ پہرہ دینے والے صحابی حضرت عبادہ بن بشیر تھے اور بیدار ہونے والے بیدار بخت حضرت عمار بن یاسر تھے۔

اُس ذات سے محبت، اُس کے حکم کی اطاعت
یہی زندگی کا مقصد، یہی اصلِ دین و ایماں

کٹھن آزمائش صبر آزما اِمتحان

ماں کی ممتا اور اولاد کے لئے ماں کی محبت ایک فطری جذبہ ہے۔ ماں کی محبت ضرب المثل ہے اولاد بھی ماں کے لئے محبت کا جھکاؤ رکھتی ہے یہ جذبہ، محبت تو کسی حد تک جانوروں میں بھی دیکھا گیا ہے لیکن جو درجہ احترام عقیدت اور محبت اسلام نے ماں کو دی ہے اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اللہ، اللہ کے رسول کے بعد ماں کا درجہ ہے والدین کی خدمت اولاد پہ فرض ہے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ والدین کو اُف تک نہ کہو والدین کی اطاعت اور ان کی خدمت کرو بے شک وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں۔ بے شک وہ غیر مسلم ہوں مالی و معاشی مدد کے وہ تب بھی حقدار ہیں۔ حضرت اسما بنت ابی بکر کی والدہ ایمان نہ لائی تھیں۔ وہ مدد کے لئے آئیں تو حضرت اسما نے مدد کے بارے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ ضرور ان کی مدد کریں۔ ایک صحابی کے والد اپنے بیٹے کے پاس مدد کے لئے آئے اُس صحابی نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد کرنے کا حکم دیا۔ دنیاوی معاملات اور معاشی اغراض کے لئے والدین کی مدد اولاد پہ لازم ہے لیکن دین کے خلاف حکم میں والدین کی پابندی ہرگز نہیں یہاں ان کی اطاعت اور حکم کو رد کر دیا جائے گا۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا شمار جید صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ آپ نامور سپہ سالاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا شمار سابقون الاولون میں ہوتا ہے۔ آپ آغازِ اسلام میں ہی ایمان لے آئے۔ ایمان لانے کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ آپ خواب دیکھتے ہیں کہ ایک گھاٹی میں چل رہا ہوں اندھیروں کا راج ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا کہ یکا یک مجھے چاند نظر آجاتا ہے۔ مجھے گھپ اندھیروں میں روشنی کی کرن نظر آتی ہے۔ میں بے اختیار اُس روشنی، اس چاند کی جانب روانہ ہو جاتا ہوں یہ دراصل کفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی کی طرف آنے کی نوید

تھی۔صبح آنکھ کھلتی ہے خواب کے واقعات ذہن پہ رقم ہیں مجھے پتہ چلتا ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو چکا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا آغاز کر دیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی وحدانیت اور دینِ اسلام کی طرف بلاتے ہیں۔میں جانبِ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو جاتا ہوں۔آپ جلد مجھے ایک گھاٹی میں مل جاتے ہیں۔چہرۂ اقدس پہ نظر پڑتے ہی دل گواہی دیتا ہے کہ یہ نورانی چہرہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔میں آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کر کے ایمان لے آتا ہوں۔

میری ماں ابھی دینِ آبا پہ تھی وہ بتوں کی پرستش کرتی اور ان کو خدا مانتی تھی۔اُسے میرا ایمان لانا نا گوار گزرا۔مجھ سے تصدیق چاہی تو میں نے اقرار کیا کہ ہاں امی جان میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے رسول کی رسالت پہ ایمان لے آیا ہوں۔اب ماں نے قسم کھالی کہ جب تک تم یہ دین ترک نہ کرو گے اُس وقت تک میں نہ کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ماں سے والہانہ پیار تھا اور پھر ایسا ہوا کہ حضرت سعد کے انکار پر والدہ نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ حضرت سعد نے اپنی طرف سے پورے جتن کیے کہ ماں قسم توڑ دے اور کھانا پینا شروع کر دے لیکن ماں اپنی ضد پہ قائم رہی تین دن تک کچھ کھایا نہ پیا اوپر سے لوگ طعنہ دینے لگے کہ سعد ہی اپنی ماں کا قاتل ہے۔ماں موت کی طرف بڑھ رہی ہے اور یہ ماں کی موت کا باعث بن رہا ہے۔ یہ تھے حضرت سعد کے کٹھن اور صبر آزما حالات جن میں وہ ثابت قدم رہے۔آخر حضرت سعد نے ماں سے کہا" ماں! مجھے آپ سے بہت پیار ہے لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے زیادہ نہیں۔خدا کی قسم آپ کی جان جاتی ہے تو چلی جائے لیکن میں دینِ اسلام سے اب روگردانی نہ کروں گا۔آپ کی محبت بجا لیکن میں اپنے دین اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پہ آپ کو فوقیت نہیں دے سکتا اگر آپ اپنی ضد پہ قائم ہیں تو میں بھی تو آپ کا ہی بیٹا ہوں میں بھی اپنے دین پہ قائم ہوں"۔

حضرت سعد کی والدہ نے آخر ہار مان لی اور کھانا پینا شروع کر دیا۔حضرت سعد نے

ابھی اسلام قبول کیا ہی تھا کہ کڑے امتحان اور آزمائش میں سے گزرنا پڑا ایک طرف دینِ اسلام اور اپنے محبوب سے محبت اور دوسری طرف ماں کی محبت لیکن حضرت سعدؓ پر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا رنگ چڑھا کہ ماں کی محبت بھی پائے استقلال میں لغزش پیدا نہ کر سکی۔ قرآن فرماتا ہے "اگر تیرے والدین تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ کسی کو شریک کرو جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ ماں البتہ دنیا کے معاملے میں ان سے نیک برتاؤ کرتا رہ"۔

پھر آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے

"تین باتیں جس میں ہونگی وہ حلاوتِ ایمان کو پا جائے گا۔ پہلی بات کہ اُس مردِ مومن کے نزدیک اللہ اور اُس کے رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسری بات یہ کہ وہ کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ کے لئے کرے۔ تیسری بات یہ کہ کفر سے چھٹکارا پا لینے کے بعد اُس کی طرف پلٹ آنے کو اِس طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے"۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کا طرزِ عمل اِن تعلیمات کا نمونہ نظر آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی محبت اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت میسر آئی تو پھر سب محبتیں ہیچ ٹھہریں۔

غزوہ احد والے دن حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جذبہ عشق و محبت دیدنی تھا۔ جب آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں کے نرغے میں آ گئے۔ مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک طرف ہو کر سوچنے لگا کہ نہ تو میں بھاگوں گا نہ ہتھیار ڈالوں گا میں تو صرف لڑوں گا یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں اتنے میں ایک شخص مجھے پہچان کے پکارا "اے سعد! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِدھر ہیں اور آپ کو یاد فرما رہے ہیں"۔ میں اٹھا مجھ میں نئی زندگی سرایت کر آئی۔ نیا ولولہ اور جوش پیدا ہوا مجھے مقصدِ حیات مل گیا۔ میں فوراً حاضرِ خدمت ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سامنے بٹھا لیا میں تیر چلانے لگا جب میں تیر چلاتا تو کہتا "اے اللہ! یہ تیرا تیر ہے سیدھا دشمن کے سینے میں پیوست کر"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے

"اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما۔ اے اللہ! سعد کا تیر خطا نہ جائے نشانے پہ لگے"۔ میں تیر چلاتا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیر پکڑاتے اور ساتھ دعا سے نوازتے میرے تیر ختم ہو گئے تو سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ترکش میرے حوالے کر دیا اُس روز حضرت سعدؓ نے ہزار تیر چلائے۔ یہ تھا عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار کا بے مثل مظاہرہ۔

دولتِ ایمان کا حصول اور ثابت قدمی

عمر بن خطاب بڑے جوشیلے نوجوان تھے۔ بھرپور جوانی، گرم خون، نڈر اور بہادر تھے۔ قبل از اسلام مسلمان اور اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے۔ اسلام اور اہل اسلام سے سخت عداوت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعوذ باللہ قتل کے لئے سرگرداں رہتے تھے۔ اکابرین قریش نے باہم مشورہ کیا کہ کوئی نوجوان ہو جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ قتل کر دے جب درخت جڑ سے ہی کٹ جائے گا تو پھر پھلنے پھو۔لنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا نہ ہوگا بانس نہ بجے گی بانسری۔ حضرت عمر نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں قریش بڑے خوش ہوئے کہ ایسا ہی جوان ایسا کام کر سکتا ہے۔ عمر نے تلوار لی اُسے بے نیام کیا صیقل کیا اور ننگی تلوار لئے نکل کھڑے ہوئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں چل دیے۔ ذہن میں منصوبہ بندی، سوچ وفکر میں غلطاں ہاتھ میں ننگی تلوار لیے جا رہے ہیں کہ راستے میں حضرت سعدؓ (بعض کے نزدیک حضرت نعیم بن عبداللہؓ) سے ملاقات ہو جاتی ہے جو اسلام قبول کر چکے ہیں۔ حضرت سعد نے پوچھا کہاں کے ارادے ہیں تو حضرت عمر نے جواب دیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلا ہوں۔ حضرت سعد نے کہا کہ کیا تم بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو عبد مناف کے ردعمل اور بدلے سے خائف نہیں ہو۔ حضرت عمر اس جواب سے سخت طیش اور غصے میں آ گئے اور کہنے لگے لگتا ہے اسلام کا جادو تجھ پہ بھی چل گیا ہے تم بھی آباء کے دین سے منحرف ہو گئے ہو۔ لہٰذا پہلے تم سے دو دو ہاتھ کر لیتا ہوں اور تمہارا قضیہ چکا تا ہوں تمہارا قصہ تمام کرتا ہوں پھر آگے کی فکر کرونگا۔ حضرت سعد نے فرمایا میں دولتِ ایمان سے سرفراز ہو چکا ہوں میں نے بھی ہاتھ میں چوڑیاں نہیں پہن رکھیں اور اپنا ہاتھ تلوار پہ مارا تلواریں ٹکرانے کو تھیں کہ حضرت سعدؓ نے فرمایا" نکلے ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے اور گھر کا پتہ نہیں پہلے گھر کی خبر لو تمہاری بہن اور بہنوئی (حضرت فاطمہ اور سعید بن زید) بھی اسلام لا چکے ہیں"۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عمر غُصّے سے کانپنے لگے غیض وغضب

اور طیش وعتاب دوچند ہوگیا۔ آگے جانے کی بجائے رخ اپنے بہن اور بہنوئی کے گھر کی طرف موڑا۔ اُن کے گھر پہنچے تو دروازہ بند پایا۔ وہاں حضرت خبّاب دروازہ بند کیے اِن دونوں میاں بیوی کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر نے گرجدار اور بارعب آواز میں دروازہ کھولنے کو کہا۔ اِس آواز کا سننا تھا کہ انہوں نے حضرت خباب کو اندر چھپا دیا لیکن وہ صحیفہ باہر ہی رہ گیا۔ جس پر آیاتِ قرآنی مرقوم تھیں۔ ہمشیرہ نے دروازہ کھول دیا۔ حضرت عمر طیش میں تھے سخت جلال اور غصے سے کانپ رہے تھے۔ دروازہ کھلتے ہی کوئی چیز اٹھا کر بہن کے سر پر دے ماری۔ خون کا فوارہ چھوٹا بہن لہولہان ہوگئیں اور جلال میں کہا تو بھی بے دین ہوگئی ہے پھر بہنوئی کی طرف پلٹے اور پوچھا یہ آواز کس کی تھی اور کہاں سے آرہی تھی۔ بہنوئی نے کہا کہ یہ ہم آپس میں باتیں کررہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ مجھے پہلے ہی اطلاع ہوگئی ہے کہ تم نے آباؤ اجداد کے دین کو ترک کر کے یہ نیا دین اختیار کرلیا ہے۔ بہنوئی نے کہا کہ اگر یہ نیا دین حق پر ہو تو اُسے اختیار کرنے میں کیا مضائقہ اور امر مانع ہے اس پر حضرت عمر نے کہا کہ یقیناً جو میں نے سنا ہے وہ سچ ہے تم بھی گمراہ اور بے دین ہوگئے ہو اور ان کی ریشِ مبارک کو پکڑ کر زور سے کھینچا زمین پر گرادیا اور خوب مارا کہ منہ سے خون نکل آیا آخر وہ بھی خطاب کی بیٹی اور عمر کی بہن تھیں وہ بھی طیش میں آگئیں اور کہا کہ کیا ہمیں اس لئے مارا جارہا ہے کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں تو پھر سن خدا کی قسم ہم مسلمان ہوگئے ہیں ہم خدائے وحدہ لاشریک پر ایمان لے آئے ہیں ہم توحید کا اقرار کرچکے ہیں اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پہ ایمان لے آئے ہیں اب ہم کٹ تو سکتے ہیں جان تو دے سکتے ہیں لیکن اسلام سے انحراف گوارا نہیں کرسکتے جو تجھ سے ہوسکتا ہے کر تو ظلم کی انتہا کر ہم صبر کی اخیر کریں گے تو اپنے جور و جبر کو آزما ہم اپنا صبر آزمائیں گے۔ لیکن آقائے دوجہاں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ نہ موڑیں گے۔ اب اچانک حضرت عمر کی نگاہ اُس صحیفہ پر پڑی جس کو پڑھا جارہا تھا۔ اب ذرا حضرت عمر نارمل حالت میں آئے کچھ غصہ سرد پڑا تو کہا مجھے یہ دکھاؤ کیا ہے۔ بہن نے کہا تو نجس اور ناپاک ہے یہ پاکیزہ ومطہر کلام ہے تو اِسے ہرگز ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ہرچند حضرت عمر نے اصرار

کیا لیکن بہن نے انکار کیا اور ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ اب حضرت عمر نے غسل کیا وضو کیا اور اس کو لے کر پڑھا جب انّنی انا اللہ لا الٰہ الا انا فاعبدونی و اقم الصلوٰۃ لذکری پہ پہنچے تو اندر کی دنیا بدل گئی انقلاب آ گیا دنیا متغیر ہو گئی ایمان کی نورانی کرن نے اندر کے اندھیروں کو اجالوں میں بدل دیا اندھیرے چھٹ گئے گوہر مقصود کو پالیا اور اقرار کیا لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اور دارارقم میں جا کے مشرف بہ اسلام ہو گئے اور یوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی یا باری تعالیٰ دو عمروں میں سے ایک اسلام کو دے دے تا کہ اسلام کو تقویت پہنچے عمر بن الخطاب یا عمر بن ہشام (ابو جہل) یوں حضرت عمرؓ "مرادِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" ٹھہرے۔

جادۂ حق کے راہرو

مسلمانوں نے ہجرت حبشہ اور ہجرت مدینہ صرف اور صرف دین کی خاطر کی۔ حضرت ابو سلمہ ہجرت حبشہ میں بھی شریک تھے اور بعد میں ہجرت مدینہ بھی اختیار کی۔ ابو سلمہ مخزومی نے ہجرت مدینہ کے وقت سب کچھ مکہ میں چھوڑا۔ ابو سلمہ خود ام سلمہ بیوی اور اکلوتے بیٹے سلمہ کو لیکر عازم مدینہ ہوئے بیوی اور بیٹے کو اونٹ پر سوار کیا اونٹ کی نکیل تھامی اور جانب مدینہ روانہ ہوئے۔ ابھی مکہ سے نکلے ہی تھے کہ بنو مغیرہ جو ام سلمہ کے میکے والے تھے آن پہنچے اور ابو سلمہ سے ام سلمہ اور سلمہ بیٹا چھین لیے اور کہا کہ ان کو ہم تمہارے ساتھ نہ جانے دیں گے کہ یہ ہمارے ہیں ذرا تصور میں لائیں کہ حضرت ابو سلمہ کے لئے یہ کتنی کڑی آزمائش اور کتنا سخت امتحان تھا۔ بیٹے اور بیوی کی جدائی کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اولاد کی خاطر بڑے بڑے بہادر حوصلہ ہار دیتے ہیں۔ یہ رشتہ بہت بڑی انسانی کمزوری ہوتا ہے صاحب اولاد اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں لوگوں کا خیال تھا ابو سلمہ ہجرت کا ارادہ ترک کر دیں گے اور واپس پلٹ آئیں گے لیکن یہ عاشق صادق بھی عشق کے نشے میں سرشار و سرمست تھا کہ بیوی اور بیٹے کو ہجرت کی راہ میں حائل نہ ہونے دیا۔ بوسلمہ عشق رسول میں مگن محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار بیوی اور بیٹے کی محبت کو خاطر میں نہ لائے ۔ راہِ الفت میں اٹھے ہوئے قدم نہ ڈگمگائے اور نہ واپس پلٹے۔ ابو سلمہ بیوی اور بیٹے کو خدا حافظ کہتے ہیں لمحہ بھر کو بھی بیوی اور بیٹے کی محبت مانع نہیں ہوتی اور قدموں کی زنجیر نہیں بنتی سب کچھ قربان کر کے جانب مدینہ گامزن ہو جاتے ہیں۔

پھر بنی عبدالاسد (ابو سلمہ کے قبیلے والے) ام سلمہ سے اس کا بیٹا سلمہ چھین لیتے ہیں کہ یہ ہمارا خون ہے ہمارا نسب ہے ہمارے خاندان کا چشم و چراغ ہے یہ بنو مغیرہ کے پاس نہیں رہ سکتا۔ اب حضرت ام سلمہ کی حیثیت دیکھیں اُن کی حالت چشم خیال میں لائیں کہ خاوند جدا ہو گیا اب بیٹا بھی چھن گیا۔ ایسی ماں کا کیا حال ہوگا خاوند اور بیٹے کی جدائی میں زار زار روتی تھیں اس

کیفیت میں ایک سال کا عرصہ بیت گیا۔ ام سلمہ کے لئے تو یہ سال یقیناً ایک صدی سے کم نہ ہوگا۔ آخر ام سلمہ کے چچازاد بھائی یہ حالتِ زار برداشت نہ کر سکے اور اپنے قبیلہ والوں کو اِس بات پہ راضی کر لیا کہ ام سلمہ اپنے بچے کو لے کر ابو سلمہ کے پاس مدینہ چلی جائے اب اِس مومنہ کا جذبہ بے مثال اور عشقِ صادق بھی دیکھیں کہ تن تنہا اکیلی جان چھوٹا سا بچہ ساتھ سفر کی طوالت راستے کی صعوبتیں کٹھن مراحل بھوک پیاس کے مرحلے قدم قدم پہ درندوں لٹیروں کا خوف جان جانے کے خدشے کچھ بھی تو خاطر میں نہیں لاتیں۔ بچے کو گود میں لیے اللہ تعالیٰ کو محافظ بنائے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو زادِ راہ اور رہبر و رہنما بنائے محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دل میں بسائے اکیلی تن تنہا مدینہ کی راہ پہ چل پڑتی ہے۔ مقام تنعیم پہ عثمان بن طلحہ سے ملاقات ہوتی ہے یہ ابھی ایمان نہ لائے تھے۔ مگر نہایت شریف النفس اور صاحبِ کردار فرد تھے اور ابو سلمہ کے دوست بھی تھے۔ انہوں نے دیکھا تو ان سے گوارا نہ ہوا کہ اکیلی عورت سفر کرے۔ اپنے اونٹ پہ سوار کیا خود نکیل تھامی اور مدینہ منورہ پہنچا دیا دورانِ سفر خود عثمان بن طلحہ کی یہ حالت تھی کہ حضرت ام سلمہ کو سوار کرواتے وقت یا اترتے وقت اونٹ کو بٹھاتے اور خود جلدی سے کسی درخت کی اوٹ میں ہو جاتے آخر ام سلمہ بحفاظت مدینہ منورہ پہنچ گئیں بمطابق ۴ ہجری حضرت ابو سلمہ ایک جنگ میں شہید ہو گئے تو اِس مومنہ کو دین کی راہ میں اٹھائی صعوبتوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبتِ صادقہ کا یہ صلہ ملا کہ حضور انیس الغریبین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور بے کسوں کے ماوی و ملجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی ام سلمہ سے عقد فرمایا۔ خاوند کی شہادت کے بعد اِسے بے آسرا و بے سہارا نہیں چھوڑا بلکہ امہات المومنین میں شمولیت کا شرف بخشا۔

سیف اللہ

حضرت خالد بن ولید نڈر، جری، نامور جنگجو اور سپہ سالار تھے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے قریش کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف ہر معرکے میں شریک رہے۔ غزوۂ احد میں ان کی فراست، بہادری اور جنگی حکمت عملی کی وجہ سے جیتی ہوئی جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمانوں کو کافی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ غزوۂ احد میں جب عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں تیرانداز دستے نے درے کو چھوڑا تو خالد بن ولید قریش کی طرف سے گھڑسوار دستے کے سالار تھے۔ فوراً جنگی حکمتِ عملی سے اُسی درہ کے راستے پشت سے حملہ آور ہوئے اور مسلمان دو پاٹوں کے بیچ آ گئے۔ اِس افراتفری اور بدنظمی میں مسلمانوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ خود بتاتے تھے کہ میں کئی دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے لئے قریب پہنچا لیکن کسی غیبی طاقت نے مجھے روک دیا۔ ایک دفعہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ میں نماز ظہر کی ادائیگی میں مصروف تھے۔ میں نے سوچا اِس سے بہتر موقع میسّر نہ آئے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر کے یا زک پہنچا کے مسلمانوں کے حوصلے پست کیے جاسکتے ہیں لیکن کسی غیبی طاقت نے مجھے روک دیا۔ میرے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے۔ پھر عصر کے وقت ارادہ باندھا تو پھر اِسی طرح ہوا اور مجھ پر ایسا رعب و دبدبہ طاری ہوا کہ میرے اعضا جواب دے گئے اور عزم و ہمت مفقود ہو گئے میرا دماغی توازن متاثر ہوا دماغ ماؤف ہو گیا اور میں اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

خود فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ میں قریش سے معاہدے اور مصالحت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے۔ اب مجھے مسلمانوں کی کامیابی واضح نظر آنے لگی تو میں نے سوچا اب میرا مکہ میں رہنا مناسب نہیں وہ دن دور نہیں جب مکہ پہ بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گا تو میرا کیا بنے گا۔ کئی تجویزیں میرے ذہن میں دَر آئیں حبشہ چلا جاؤں پھر سوچا شاہِ حبشہ تو پہلے سے مسلمانوں کے لئے ہمدردی رکھتا ہے اور اسلام کا گرویدہ ہے پھر سوچا روم چلا جاؤں آبائی دین

ترک کر کے نصرانی یا یہودی بن جاؤں پھر خیال آیا کہ عجم چلا جاؤں۔

اِسی ادھیڑ بُن میں تھا کہ میرے بھائی نے دینِ اسلام قبول کر لیا۔ قبولِ اسلام کے وقت شہنشاہِ ارض وسما صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں بھی دریافت فرمایا میرے بھائی نے عرض کی اور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین دلایا کہ اُس کا بہادر، نڈر، زیرک وذہین بھائی ضرور اسلام کا دامن تھام لے گا۔ اِسی دوران مجھے خواب آیا اور میں نے دیکھا کہ میں تنگ وتاریک جگہ سے نکل کے سرسبز وشاداب اور کھلی جگہ پہ آ گیا ہوں۔ یہ خواب مجھے قبولِ اسلام کی تعبیر لگا۔ میرے اندر روشنی کی ایک کرن نمودار ہوئی اور میں عازمِ مدینہ ہو گیا۔ میرے ساتھ عثمان بن طلحہ اور عمر بن العاص بھی تیار ہو گئے میں نے والی بے کساں آقائے کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور کلمہ شہادت پڑھا اور پھر میرے دونوں ساتھی بھی دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

میں نے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت خطا کار ہوں میں نے اسلام کے خلاف پوری قوت استعمال کی اللہ تعالیٰ میری سابقہ خطاؤں اور لغزشوں کو معاف فرمائے۔ میری التماس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا فرمائی ''الٰہی خالد بن ولید کو معاف فرما اِس کی خطائیں معاف فرما بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے''۔

یہ سب خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین، سلطانِ مدینہ، سید الانبیاء مرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی مقناطیسی کشش کا نتیجہ تھا کہ خالد ایسا سپہ سالار خود کھنچتا چلا آیا۔ اسلام لانے کے بعد لشکرِ اسلام کے لئے قوت وبازو بن گیا۔ جہاد کے معرکوں میں حصہ لیا ہمیشہ بہادری کے جوہر دکھائے جنگ یرموک کا معرکہ ہے جنگ زوروں پر ہے سرفروشانِ اسلام سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں رومیوں کی تعداد 5 سے 10 لاکھ بتائی جاتی ہے۔ حضرت خالد دونوں ہاتھوں سے دو تلواریں چلا رہے ہیں سر پر ٹوپی ہے لڑتے لڑتے ٹوپی کہیں گر جاتی ہے اور گم ہو جاتی ہے۔ حضرت خالد تلواروں کو پھینک

ٹوپی کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ گھمسان کا رن دو بدو لڑائی، دشمن کی یلغار اور پیش قدمی ہر طرف سے نیزے تلواریں چل رہی ہیں تیروں کی بارش ہو رہی ہے جب لڑائی کا زور اور دباؤ بڑھتا ہے تو ساتھی پکارتے ہیں خالد تلواریں سنبھالو اور چلاؤ۔ دشمن کا دباؤ اور زور بڑھ رہا ہے لیکن آپ جنگ کی شدت اور صورت حال سے بے نیاز ٹوپی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑ رہے ہیں۔ آخر ٹوپی نظر آ جاتی ہے اٹھاتے ہیں اُسے زیب سر کرتے ہیں اُسے سر کا تاج بناتے ہیں اور دشمن کی صفوں میں گھس جاتے ہیں اور پہلے سے بھی زیادہ تلوار چلاتے ہیں اور دشمن کی صفوں کو تہس نہس کر دیتے ہیں لاشوں کے پشتے لگا دیتے ہیں آخر حضرت خالد جنگ کا پانسہ پلٹ دیتے ہیں اور جنگ کے ہیرو قرار پاتے ہیں۔ اِس جنگ میں خالد نے 9 تلواریں توڑیں۔

آخر ساتھیوں نے دریافت کیا ''خالد تم ٹوپی کے لئے اتنے فکر مند کیوں تھے آخر معمولی ٹوپی ہی تھی جب کہ دشمن کی تلواریں سروں کو چھو رہی تھیں اور تم بے نیاز و بے پرواہ ٹوپی کی تلاش میں سرگرداں تھے''۔ حضرت خالد ساتھیوں سے مخاطب ہوتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس ٹوپی میں تو میری کامیابیوں اور کامرانیوں کا راز پنہاں تھا اِسی ٹوپی میں ہی تو میری کامیابیوں کی کلید تھی۔ اِسی کا ہی تو اعجاز تھا کہ میں ہر معرکے میں کامیاب و کامراں ہوتا ہوں یہ ٹوپی میرے سر کی زینت ہو تو دشمن میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا اور میں دشمن کو خاطر میں نہیں لاتا۔

ساتھی پوچھتے ہیں کہ بھئی بتاؤ کہ اس ٹوپی میں کیا کمال ہے حضرت خالد سر سے ٹوپی اتارتے ہیں اور ساتھیوں کو دِکھاتے ہیں کہ دیکھو اِس میں یہ بال سلے ہوئے ہیں یہ موئے مبارک آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں میں نے انہیں خیر و برکت اور فلاح و کامیابی کے لئے ٹوپی میں سلوا رکھا ہے۔ انہی موئے مبارک اور اِسی ٹوپی کی برکت سے میں ہر معرکے سے کامیاب و کامران لوٹتا ہوں تو آج اِس کے گم ہونے پر میں فکر مند کیوں نہ ہوتا پھر تفصیل بتائی کہ ایک دفعہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے لئے تشریف لے گئے عمرہ کے بعد سر کے بال اتروائے حلق کروایا اُس وقت صحابہ کرام ان بالوں کے حصول کے لئے ایک دوسرے پر جھپٹ رہے تھے میں

بھی کچھ بال حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا میں نے انہیں ٹوپی میں سلوا کے سر کا تاج بنالیا اِسی ٹوپی کی بدولت تو میں ہمیشہ کامیاب و کامراں رہتا ہوں اِس ٹوپی کے بغیر میں کچھ نہ تھا یہ مل گئی میں شیر ہو گیا۔

یہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھا یہ حضور مکرم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عقیدت و محبت تھی حضور اکرم کے موئے مبارک کے صدقے خالد بن ولید سیف اللہ بن گئے اُن کا ایمان و عشق تھا کہ اُن کے نزدیک یہی موئے مبارک اُن کی کامیابی کی ضمانت تھے۔

یہ صرف حضرت خالد بن ولیدؓ اکیلے نہ تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک بطور تبرک اور برکت اپنے پاس رکھتے تھے۔ صحابہ کرام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا عقیدت و محبت تھی کہ کوئی بیمار پڑتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لاتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے سر پر دست شفقت پھیرتے۔ کسی صحابی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا تو اٹھا کر بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لاتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور اپنے منہ میں چبا کر اُس بچے کے منہ میں ڈال دیتے اور اُس کی درازی عمر اور برکت کی دعا فرماتے۔ صحابہ کرام کے ملازم نمازِ فجر کے بعد برتنوں میں پانی لاتے آپ اُن میں دست مبارک ڈال دیتے وہ پانی متبرک ہو جاتا پھل پکتے تو پہلا پھل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیر و برکت کے لئے پیش کرتے آپ دعا فرماتے اور پھل محفل میں موجود سب سے چھوٹے بچے کو دے دیتے۔ آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی صحابہ کرام بطور تبرک لے لیتے تھے ایک بار حضرت بلالؓ نے وضو کا بچا ہوا پانی نکالا تو صحابہ کرام اُس پانی پر جھپٹ پڑے ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا پانی بچ گیا تو صحابہ کرام نے اس کو جسم پر مل لیا۔ (بخاری شریف کتاب الوضو)

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر منڈوا رہے تھے صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ایک ہالہ اور حصار بنا لیا۔ حجام سر مونڈ رہا تھا اور صحابہ کرام اوپر ہی اوپر بالوں کو جھپٹ لیتے تھے (مسلم شریف کتاب الفضائل فی قرب النبی)۔ یہ بال صحابہ کرام بطور تبرک اپنے پاس محفوظ

رکھتے تھے تا کہ خیر و برکت حاصل رہے۔ حضرت عمر بن العاص نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد مرنے کے میرے کفن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک رکھ دیے جائیں تا کہ قبر کے حساب میں آسانی ہو۔ ایک موئے مبارک کہیں سے حضرت طلحہ کے گھر پہنچ گیا تو انہوں نے تمام رات ملائکہ کی تسبیح سنی۔ یہاں تک کہ روم کے غسانی بادشاہ ہرقل نے کہیں سے موئے مبارک حاصل کیے انہیں اپنے تاج میں سجایا اور ہمیشہ سر درد سے محفوظ رہے۔

حضرت خالد بن ولید نے ایمان لانے کے بعد اسلام کی سربلندی کی خاطر ہر غزوۂ اور معرکہ میں حصہ لیا اور سیف اللہ کا خطاب پایا۔

حضرت خالد بن ولید مرض الموت میں مبتلا ہیں۔ یقین واثق ہے کہ کوئی پل میں زندگی کا سلسلہ منقطع ہونے والا ہے جسم و جان کا رشتہ ٹوٹنے والا ہے لیکن آپ کو قلق اور دکھ ہے کہ شہادت کی موت نصیب نہ ہو سکی۔ ایک دن یہی خیال آیا کہ میں بستر مرگ پر موت سے ہمکنار ہو رہا ہوں اِس خیال کا آنا تھا کہ زار و قطار رونے لگے اِسی اثنا میں ایک دوست عیادت کے لئے آیا تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو روتے پایا رونے کی وجہ پوچھی آپ کیوں رو رہے ہیں کیا موت سے ڈر گئے ہیں حالانکہ موت سے مومن کو خوش ہونا چاہیے کہ اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضری کا وقت آ گیا اور اپنوں سے ملاقات کا موقع نصیب ہوا۔ حضرت خالد بن ولید نے جواب دیا خدا کی قسم میں موت سے نہیں ڈرتا اور ساتھ ہی جسم سے کپڑا اٹھا کے دکھایا کہ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں جہاں زخم کا نشان نہ ہو بلکہ رونا مجھے اپنی قسمت اور محرومی پہ آ رہا ہے کہ میں نے اسلام کی سربلندی، خدائے بزرگ و برتر کی توحید، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبت و عشق میں سرشار کئی جنگیں لڑیں لیکن شہادت سے محروم رہا اور ہائے افسوس آج بستر مرگ پہ جان دے رہا ہوں۔ دوست نے کہا خالد جسے سرکار دو جہاں آقائے کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سیف اللہ کا خطاب دیا اور یہ وہ خطاب ہے جو کسی اور کو نہیں ملا آپ تو اپنے مقدر اور قسمت پہ ناز کریں اگر سیف اللہ ہونے کے باوجود شہید ہو جاتے تو اِس کا مطلب ہوتا اللہ کی تلوار ٹوٹ گئی اور یہ بات اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم

کیسے گوارا کرتے اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو غازی بنا کے طبعی موت سے ہمکنار کیا یہ سن کر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کچھ ڈھارس بندھی اِور اطمینان ہوا۔

سرزمینِ عرب کا نامور پہلوان

طاقت ہمیشہ سے مُسلّمہ حقیقت رہی ہے۔انسان کی جسمانی طاقت اور کسی ملک کی عسکری قوت نے ہمیشہ اپنالوہا منوایا ہے۔پھر طاقت کی اپنی زبان ہوتی ہے جس میں ہمیشہ رعونت اور فرعونیت ہوتی ہے۔پہلوانی بھی طاقت کے اظہار کا ایک دیرینہ فن چلا آرہا ہے۔

رُکانہ دور جاہلیت کا نامور پہلوان اور شہ زور تھا۔لمبا قد،چوڑا سینہ،قوی اعضا،مضبوط کسرتی جسم ہاتھی ایسی طاقت،پھر فن پہلوانی میں طاق اور داؤ پیچ کا ماہر،رموزِ پہلوانی سے واقف۔ اپنے وقت کے تمام پہلوانوں کو شکست سے دوچار کر چکا تھا اِس لئے پورے عرب میں اُس کی کشتی کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔اُس کی چال میں تفاخر اور اس کے اندازِ گفتگو میں غرور و تکبر در آیا تھا۔وہ کسی سے بدزبانی کرتا تو کوئی جواب نہ دیتا۔وہ لڑائی بھڑائی یا زیادتی کرتا تو کوئی اس کا ہاتھ نہ روکتا۔ہر کوئی اس کے رُعب و دَبدبے سے مرعوب تھا ہر کوئی خوف کھاتا اور اُس کے منہ نہ لگتا۔وہ پیشے کے اعتبار سے چرواہا تھا بکریوں کا ریوڑ اس کی اپنی ملکیت تھا وہ انہیں چراتا۔یہی اس کا ذریعہ معاش تھا۔

ایک دن ایک وادی میں وہ اپنا ریوڑ چرا رہا تھا کہ وہاں سے سرورِ کائنات،فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔اتفاق سے اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے اور تنہا تھے۔کسی کام سے آیا جا رہے تھے اب رُکانہ طاقت کے نشے میں چُور،دماغ میں گھمنڈ اور غرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا۔راستہ روک کے کھڑا ہو گیا۔تمسخر اُڑانے کے انداز میں بولا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے انداز اور وطیرے کو بڑے صبر اور بردباری کا مظاہرہ کرتے ہوئے برداشت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا چاہتا ہے تیرے ارادے کیا ہیں۔اُس نے کہا آؤ میرے ساتھ کشتی لڑو۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خدائے واحد سے مدد،نصرت اور فتح مانگیں میں اپنے خداؤں لات و منات و عزیٰ و ھبل کو پکارتا ہوں۔اگر آپ نے مجھے شکست سے دوچار کر دیا

تو میرے ریوڑ سے چن کے دس بکریاں پکڑ لینا۔ اب وہ اپنی طاقت اور فنِ پہلوانی پہ نازاں تھا اُسے طاقتِ نبوت ورسالت کا پتہ نہ تھا اُس کی تو ظاہر پہ نظر تھی باطنی طاقت کا اندازہ نہ لگا سکا۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتیرا سمجھایا کہ جا اپنی راہ لے ہمارے راستے میں نہ آ لیکن وہ اپنی ضد پہ قائم رہا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر چیلنج قبول کر لیا اور اپنے خدائے بزرگ وبرتر کو یاد کیا اور اُس نے اپنے بتوں کو پکارا آخر پنجہ آزمائی ہوئی اور آنِ واحد میں وہ چاروں شانے چت۔ گرد جھاڑتا اٹھا اور دوبارہ زور آزمائی کی دعوت دی لیکن اِس بار بھی شکست اس کا مقدر بنی اُس نے تیسری بار مقابلے کی دعوت دی اور اس بار بھی ہزیمت اُس کا منہ چڑا رہی تھی۔ اِس پر اُس نے کہا کہ آپ کے خدا نے تو آپ کی مدد کی لیکن میرے خداؤں یعنی بتوں نے میری مدد نہ کی۔ لہٰذا آپ تیس بکریاں چن کے میرے ریوڑ سے لے لیں میں شرط کی پاس داری کروں گا اور وعدہ خلافی نہ کرونگا۔ لیکن سردارِ دو جہاں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تیری بکریوں کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ہمیں مال ودولت سے غرض نہیں میں تو چاہتا ہوں کہ تم دولتِ ایمان سے مالا مال ہو جاؤ اور تمہاری جسمانی طاقت میں ایمانی طاقت بھی داخل ہو جائے اور تم دوزخ کی آگ سے بھی بچ جاؤ۔ وہ بولا مجھے کوئی اور معجزہ بھی دکھاؤ۔ آپ نے دور ایستادہ درخت سے فرمایا کہ میرے پاس چلا آ۔ زبان سے حکم صادر ہونا تھا کہ وہ درخت دولخت ہو گیا شاخ ٹہنیاں یعنی پتوں والا حصہ چل کے آ گیا۔ رُکانہ نے یہ منظر دیکھا اور پھر بولا اب یہ حصہ واپس چلا جائے اور درخت جُڑ جائے تو میں ایمان لے آؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کو حکم دیا تو وہ واپس پلٹا اور اپنے تنے سے جا کے جڑ گیا۔

اب سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے رُکانہ سے فرمایا اب تم وعدہ ایفا کرو اور ایمان لے آؤ لیکن رُکانہ نے کہا شہر کے لوگ کیا کہیں گے میں نامور پہلوان میری طاقت وشہ زوری کے چرچے سارے مکہ کے لوگوں پہ رعب اور میں یوں بے بسی سے ایمان لے آؤں یہ رُکانہ سے نہ ہوگا البتہ حسبِ وعدہ آپ تیس بکریاں میرے ریوڑ سے لے سکتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا میرا مقصد تو تجھے دوزخ سے بچانا تھا اگر تو ایمان نہیں لاتا تو مجھے تیری بکریوں سے کیا سروکار۔

میرے آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پہاڑ مانیں، جانور تسلیم کریں جن و انسان تابع وفرماں یہاں تک کہ درخت آپ کے حکم کے تابع۔ حکم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجا آوری اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرشاری میں درخت دولخت ہو جائیں۔ ہم امتی ہونے کے باوجود اتباع آقا صلی اللہ علیہ وسلم نہ کریں آپ کے فرمودات پہ عمل نہ کریں تو یہ ہماری بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔

باپ کافر بیٹا سچا عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

تاریخ میں کئی مثالیں ایسی رقم ملتی ہیں کہ باپ نیک، صالح بیٹا بدکردار اور بداطوار اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ بیٹا نیک اور باپ بدطینت۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی لیکن بیٹا نافرمان۔ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار۔ ساری زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں میں مصروف رہا اور دل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکاری رہا۔ ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ لیکن بباطن دین آباء پہ قائم لیکن اُس کا بیٹا عبداللہ (اُس کا نام بھی یہی تھا) پکا مومن اور شیدائی رسول۔

ابو جہل دشمنِ اسلام۔ قبائلی سرداری اور نسلی تفاخر اور چودھراہٹ میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے انکاری رہا۔ اپنے دین آباء پہ قائم رہا حالت کفر میں غزوۂ بدر کے موقع پر دو کمسن بچوں کے ہاتھوں کیفر کردار تک پہنچا۔ اُن کا بیٹا عکرمہ بھی باپ کے ساتھ غزوۂ بدر میں قریش کی طرف سے شریک تھا۔ بعد میں اس کے مقدر نے یاوری دکھائی اور مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ اپنے سابقہ اعمال کی تلافی کے لئے اپنے گزشتہ زیاں کو پورا کرنے کے لئے اسلام کی سر بلندی و اشاعت کے لئے ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار عشق رسول میں سرشار و سرمست ہو کے مسلمانوں کی طرف سے کفار کے خلاف ہر معرکے میں شامل رہا۔ اور وہ کارہائے نمایاں و کارنامے سرانجام دیئے کہ جلی سرخیوں سے زینتِ تاریخِ اسلام بنے۔ ملک شام میں ایک معرکہ سرگرم تھا۔ آپ بے جگری سے لڑ رہے تھے۔ اور دادِ شجاعت دے رہے تھے۔ پورا جسم زخموں سے چور اور لخت لخت تھا۔ زخموں سے خون کے فوارے اُبل رہے تھے۔ یہ حالت دیکھ کر کسی نے ازراہِ ہمدردی کہا کہ آپ اپنی جان کو مزید ہلاکت میں نہ ڈالیں لیکن آپ کا جواب بھی لاجواب تھا اور آبِ زر سے لکھنے کے قابل تھا۔ آپ کا جواب تھا لات وعزیٰ کے لئے تو میں جان پہ کھیل جاتا تھا اور آج خدا و رسول کی محبت میں جہاد کا وقت آیا ہے سر کٹانے کا موقع میسر

آیا ہے تو جان کو عزیز رکھوں خدا کی قسم ایسا مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔

جنگ یرموک میں حضرت عکرمہ بن ابی جہل ایک دستے کے سردار تھے۔ دشمن کی طاقت بہت زیادہ تھی عددی نفری اور سامانِ حرب کے لحاظ سے یہ چیونٹی اور ہاتھی کا مقابلہ دکھائی دیتا تھا لیکن مسلمان تھے کہ بے جگری سے لڑ رہے تھے اور ایک ایک فرد ہزاروں پہ بھاری تھا۔ جنگ میں ایک موڑ اور موقع ایسا بھی آیا کہ دشمن نے شدید حملہ کیا اور مسلمانوں کے قدم ڈگمگائے۔ حضرت عکرمہ نے یہ حالت دیکھی تو پکار اٹھے کون ہے جو آج موت پر بیعت کرے۔ فوراً اُن کو 400 جانبازوں اور کفن بردوش جوانوں کا دستہ میسر آ گیا۔ یہ سب شہادت کے حصول کے لئے جان ہتھیلیوں پر رکھ کر دشمن پر ٹوٹ پڑے اکثر نے شہادت پائی باقی زخموں سے چور چور ہو گئے لیکن اپنی جانبازی سے جنگ کا پانسہ پلٹ گئے دیکھیں باپ کافر، دشمن اسلام اور بیٹے کی دین اسلام کے لئے یہ خدمات سچ ہے اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔

غلام، وقت کے اِمام بن گئے

قبل از اسلام خطہ عرب میں قبائلی معاشرہ تھا۔ سرداری نظام رائج تھا۔ واضح طور پر معاشرے میں دو طبقے تھے ایک طبقہ سرداروں اور ایسے قبائل کا تھا جو اپنے آپ کو اعلیٰ نسل سے گردانتے تھے اور دوسرا طبقہ غلاموں، ہنرمندوں اور دستی کام کرنے والوں کا تھا جنہیں کمی کمین کہا جاتا تھا۔ پہلا طبقہ تو اپنے سرداری اور اعلیٰ نسل کے زُعم اور گھمنڈ میں رہا اور دوسرا طبقہ اسلام لانے میں بازی لے گیا۔

حضرت خباب بن الارت اُم اَنمار کے غلام تھے۔ پیشے کے اعتبار سے آہن گر یعنی لوہار تھے۔ نئے دینِ اسلام کی آواز کان میں پڑی اور یہ بھی پتہ چلا کہ نیا مذہب احترام آدمیت سکھاتا ہے، مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ امیر غریب، کالے گورے، آقا و غلام کی تمیز مٹاتا ہے۔ حضرت خباب اِس تعلیم سے متاثر ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دِل میں جاگزین ہوئی۔ دِل کی پنہائیوں اور نہاں خانوں میں اِس محبت نے رنگ جمایا۔ اندر کے تاریک گوشوں میں روشنی کی کرن نمودار ہوئی۔ اندر کے انقلاب اور دِل کی آواز پہ لبیک کہا اور اسلام قبول کرلیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دوچار ملاقاتوں کا موقع بھی مل گیا۔ شوقِ زیارت دوچند ہوا۔ عشق کا نشہ دوآتشہ ہوا اظہار ایمان کیا تو اُمِ اَنمار یہ سب کچھ کیسے گوارا کرتی۔ سخت طیش اور غضب میں آگئی۔ حضرت خباب پہ ظلم کی انتہا کردی۔ عذاب کے نت نئے انداز ایجاد کیے گئے اور اِن پہ آزمائے گئے۔ جبر کا ہر حربہ اور ظلم کا ہر طریقہ آزمایا گیا کہ اسلام سے باز آجائیں لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ جو عشقِ محبوب میں رنگا گیا اُسے کوئی آزمائش راہِ حق سے نہیں ہٹاسکتی وہ تو عزم و ہمت کے پہاڑ بن جاتے ہیں۔ اُن کے ارادے پختہ اور فولادی ہوجاتے ہیں۔ ان میں ایسا عزم صمیم پیدا ہوتا ہے کہ پھر کوئی اُن کے ارادوں کو متزلزل نہیں کرسکتا ایسے لوگ جان تو دے دیتے ہیں لیکن صراط مستقیم سے سَرِ مُو انحراف نہیں کرتے اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے محبت میں یوں غوطہ زن ہوتے ہیں

کہ پھر کنارا نہیں مانگتے اور ساحل کی دعا نہیں کرتے۔

اُم انمار سنگ دلی اور شقاوتِ قلبی میں وحشی بن گئی۔ ظلم و بربریت میں انسانی حدوں اور اخلاقی قدروں کو بھی پار کر گئی۔ وہ بھٹی میں لوہا گرم کرتی جب وہ سرخ ہو جاتا تو چمٹے سے پکڑ کر سر پر رکھ دیتی لیکن اپنے محبوب کا دیوانہ شمع محمدی کا پروانہ عشق کا فرزانہ سب کچھ سہہ جاتا اور اُف تک نہ کرتا کہ یہ عاشقوں کا شیوہ نہیں۔ آخر ایک روز مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور اپنی حالتِ زار بیان کی اور دعا کے لئے التجا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی ''اے اللہ! تو اِس مظلوم کی مدد فرما''۔ لبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جنبش آنے کی دیر تھی کہ دعا قبول ہوئی۔ اُم اَنمار کے سر میں درد کی شدید تکلیف شروع ہوگئی درد اتنی شدت کا تھا کہ دیواروں سے ٹکریں مارتی لیکن افاقہ نہ ہوتا۔ حضرت خبابؓ لوہے کا ٹکڑا بھٹی میں گرم کرتے اُس کے سر پہ رکھتے پھر کہیں جا کر اُسے وقتی افاقہ اور آرام ملتا۔ لیکن حضرت خباب کے دکھوں میں بھی کمی نہ آئی اُن پہ اُسی طرح مشقِ ستم جاری رہی خود حضرت خباب اپنی حالت بیان کرتے ہیں۔

''ایک روز کفار نے آگ کا آلاؤ بھڑکایا۔ مجھے زمین پہ لٹایا اور دہکتے انگارے میری پشت پہ رکھ دیے۔ یہاں تک کہ میری چربی پگھلی اور انگارے بجھے''۔

حضرت خباب مزید بیان کرتے ہیں ''میں لوہاروں کا کام کرتا تھا اور تلواریں بناتا تھا عاص بن وائل نے تلواریں خریدیں لیکن اُن کی قیمت اُس کے ذمہ واجب الادا تھی میں اُس سے رقم مانگنے گیا تو اس نے کہا ''میں تمہیں رقم نہ دوں گا جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار نہ کرے''۔ میں نے جواب دیا ''خدا کی قسم! میں ہرگز انکار نہ کروں گا یہاں تک کہ تو مر جائے اور روزِ محشر تجھے قبر سے اٹھایا جائے''۔

باپ اور بیٹا آمنے سامنے

جو شخص بھی دائرہ اسلام میں داخل ہوا۔ تربیت کی بھٹی میں سے ایسا گزرا کہ کندن بن گیا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت پہ ایمان لا کے اُس میں ایسی طاقت پیدا ہوئی کہ پھر کسی سردار اور وقت کے فرعون کو خاطر میں نہ لاتا تھا نہ کسی کے آگے جھکتا تھا اور نہ دبتا تھا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یوں اندر سرایت کرتا کہ خون کا حصہ بن جاتا۔ وہ پھر جان، مال، اولاد، جائیداد، رشتہ داری سب کچھ اِس محبت پہ قربان کر دیتا۔ غزوات میں بیشتر مواقع پہ ایسا ہوا کہ بھائی، بھائی کے مقابل، بیٹا باپ اور باپ بیٹے کے مقابل آیا لیکن جس دِل میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جاگزین ہو گیا تو پھر ساری محبتیں اِس محبت پہ قربان ہو گئیں۔

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کوششوں اور کاوشوں سے ایمان لائے۔ جید اور سرکردہ صحابہ میں شمار ہوا۔ یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں داخل ہوئے اور دنیا میں ہی جنت کی بشارت پا گئے۔

غزوۂ بدر میں لڑائی زوروں پر ہے۔ مجاہدین بہادری کے جوہر دکھا رہے ہیں تلواریں تلواروں سے ٹکرا رہی ہیں۔ قریش بھی بے جگری سے لڑ رہے ہیں پھر تعداد میں بھی زیادہ۔ کہاں کیل کانٹے سے لیس ہزار (1000) کا لشکر اور کہاں بے سروسامانی اور اسلحے کی قلت کے شکار 313 نفوس تلوار ہے زرہ نہیں کمان ہے تو تیر نہیں اِسی لئے تو دشمن کو اپنی تعداد اور اسلحے کی کثرت اور برتری پہ نازاں ہے لیکن اُنہیں کیا خبر کہ اُن کا کن جانبازوں سے سامنا ہے۔ مجاہدین تھے تو انہیں کے نسل کے لیکن اللہ اور اللہ کے رسول پہ ایمان لانے کے بعد وہ جسمانی طور پر فولاد اور عزم و ہمت کے پہاڑ بن گئے تھے وہ کٹ تو سکتے تھے لیکن پیچھے ہٹ نہیں سکتے تھے۔

حضرت ابو عبیدہ بے جگری سے لڑ رہے ہیں۔ بہادری کے جوہر دکھا رہے ہیں۔ ایک طرف سے صفوں میں داخل ہوتے ہیں صفوں کو پلٹتے تلوار چلاتے کشتوں کے پشتے لگاتے دشمن کو

تہ تیغ کرتے دوسری طرف نکل جاتے ہیں پھر پلٹتے ہیں اور یہی عمل دہراتے ہیں اور واپس اُسی جگہ پہ آجاتے ہیں جہاں سے چلے تھے۔ دشمن اُن کی بہادری سے ہراساں ہے اور اُن کی جنگی مہارت سے خائف ہے۔ لیکن ایک شخص بار باراُن کی راہ میں آتا ہے مقابلے کے لئے للکارتا ہے لیکن حضرت ابوعبیدہ کنی کترا کے نظریں بچاتا گزر جاتا ہے۔ آخر وہ وار کرتا ہے۔ آپ پینترہ بدل کے وار بچا جاتے ہیں۔ آخر آپ وار کرتے ہیں اور آنِ واحد میں وہ شخص خون میں لت پت زمین پہ آرہتا ہے۔ اور موت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔ چشمِ فلک نے عجیب نظارہ کیا اور ایک طرفہ اور جلی سرخی زیبِ تاریخ بنی کہ مرنے والا شخص ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا باپ ہے۔ ابوعبیدہ کے اِس فعل کی تائید اور توصیف قرآن مجید کی اِس آیت نے کر دی" تم کبھی نہ پاؤ گے کہ جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اُن لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی ہے خواہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا اہلِ خانہ"۔

غزوۂ اُحد میں عبداللہ بن قمیہ جو اسلام کا بدترین دشمن تھا اور اُن پانچ میں شامل تھا جنہوں نے عہد کیا تھا کہ معاذ اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر کے دم لیں گے۔ اِس بدبخت نے پتھر برسانا شروع کر دیے۔ اِس قدر پتھر مارے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ اقدس زخمی ہو گیا۔ اور جو زرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنے ہوئے تھے۔ اُس کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں دھنس گئیں جو ہاتھ سے نکالے نہ نکلتی تھیں حضرت ابوعبیدہ نے عرض کیا" مجھے اجازت دیجئے کہ اِن کڑیوں کو دانتوں سے پکڑ کر کھینچ لوں"۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے دانتوں سے دونوں کڑیوں کو کھینچ لیا لیکن کڑیاں نکالتے وقت اُن کے دو دانت اکھڑ گئے۔ آپ نے دانتوں کی پرواہ نہ کی۔ اِس عاشقِ صادق کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف گوارہ نہ تھی۔ یہ دانت تو کیا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت پہ اِس عاشقِ زار کو جان کی قربانی دینا پڑتی تو وہ اِسے راحتِ محبوب پہ وار دیتے اور پرواہ نہ کرتے کیونکہ عاشقوں کا یہی شیوہ رہا ہے۔

کہاں امیری اور تونگری اور کہاں فقیری و مفلسی

جب اندر کے نہاں خانوں میں روشنی کا دخل ہوتا ہے تو دل نور کی کرنوں سے منور ہو جاتا ہے۔ اور یہ اُسی صورت میں ہوتا ہے جب کوئی ہادی و رہنما میسر آ جائے اِس رہبر و رہنما کی تعلیمات اور تربیت سے دِل کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور اندر کے تاریک گوشے روشن ہو جاتے ہیں پھر انسان کی کائنات بدل جاتی ہے اور پھر جب اندر انقلاب آ جاتا ہے تو اُس کا اثر انسان کی خارجی زندگی پر بھی پڑتا ہے۔ اُس کا رہن سہن بدل جاتا ہے۔ نشست و برخواست میں نمایاں تبدیلی آ جاتی ہے لباس اور پہناوا بدل جاتا ہے۔ جب اندر کے نہاں خانوں میں حق دستک دیتا ہے تو کئی شہنشاہ تخت و تاج کو خیر باد کہہ کے فقر کی راہ پہ چل پڑتے ہیں فاخرانہ لباس، تج کے فقیرانہ گدڑی پہن لیتے ہیں ابراہیم بن ادھم کی مثال آپ کے سامنے ہے۔

حضرت مصعب بن عمیر امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ ناز و نعم میں پلے بڑھے تھے۔ بڑی شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ سے رہتے تھے۔ امیرانہ بود و باش تھی۔ بڑا شاہانہ زرق برق اور قیمتی لباس زیب تن کرتے تھے۔ جب دین اسلام قبول کیا تو سایہ رحمت میں آ گئے پھر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا رنگ چڑھا کہ سرتاپا اِس میں رنگے گئے۔ تونگری کو چھوڑا۔ لباسِ فاخرانہ ترک کیا اور یکسر سرتاپا دنیا ہی بدل گئی۔

کچھ لوگ مکہ معظمہ حج کو آئے انہوں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں التجا کی کہ کوئی مبلغ اُن کے ساتھ بھیجا جائے تاکہ اُن کے قبائل میں اسلام کی تبلیغ کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظرِ انتخاب حضرت مصعب بن عمیر پر پڑی انہوں نے بھی لبیک کہا اور مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں اُنہیں بتایا گیا کہ فلاں سردار اگر ایمان لے آئے تو اسلام کی اشاعت و ترویج میں تیزی آ جائے ایک صبح آپ اُس سردار کے باغ میں چلے گئے اور تلاوت کلام مجید شروع کر دی سردار آیا آواز سنی اور غیض و غضب میں آ گیا آپ نے تحمل و بردباری کا مظاہرہ کیا بڑے سکون و برداشت

سے بات لی وہ تلاوت سننے پہ آمادہ ہو گیا۔ تلاوت سننا تھی کہ قرآنی اعجاز نے کام دِکھایا مصعب بن عمیر کی آواز نے جادو جگایا۔ اُس سردار کا مقدر بدل گیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اپنے قبیلے سے کہا "میں نے دینِ اسلام قبول کر لیا ہے تم بھی دامنِ عفو وکرم میں آ جاؤ تا کہ تمہاری عاقبت سنور جائے۔ اُن کی دعوت و ترغیب سے سارا قبیلہ مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضرت مصعب بن عمیر ہم شکل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ غزوۂ اُحد میں شہید ہوئے تو یہ افواہ پھیل گئی کہ نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں چونکہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا اور عشق میں سرمست و سرشار تھے۔ اپنا سب کچھ اِس عشق کی نذر کر دیا۔ غزوۂ اُحد میں یہ منظر بھی دیکھنے کو ملا کہ بھائی بھائی کے مقابل آیا خونی اور نسبی رشتے آڑے آئے عشق سرخرو نکلا حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے سگے بھائی عبداللہ بن عمیر کو قتل کیا جو ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے اور قریش کی طرف سے غزوۂ اُحد میں شریک تھے۔

بختِ رسا اور مُقدّر کے سکندر

حضرت اُصیرم بن عمرو بن ثابت کا انصار کے قبیلے سے تعلق تھا۔ قبیلے کے تمام افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ بجز اُصیرم کے یہ ابھی تک دین آباء اور کفر پہ قائم تھا۔ ایک دن مضافات مدینہ سے مدینہ شہر آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بمعہ اپنے جانثاروں کے غزوۂ اُحد پہ تشریف لے جا چکے تھے۔ اِس نے اپنے قبیلے کے افراد کے بارے میں استفسار کیا پتہ چلا کہ سب غزوۂ احد میں شمولیت کے لئے چلے گئے ہیں۔ رشتے دار، بھائی، بھتیجے، بھانجوں میں سے کوئی نظر نہ آیا۔ اِس کے دِل میں بھی ایمان اور نور کی کرن پھوٹی۔ کفر کے اندھیرے کافور ہوئے تاریکیوں کے بادل چھٹ گئے۔ دِل کی تاریکی نور میں، تنگی کشادگی میں بدلی۔ دل نے گواہی دی کہ صراطِ مستقیم یہی ہے۔ کلمہ پڑھا اسلام قبول کیا تلوار لی خود سر پہ سجایا۔ ترکش سنبھالا زرہ پہنی گھوڑے پہ سوار ہوئے اور جانبِ اُحد رواں ہوئے۔

جاتے ہی مجاہدین کی صف میں شامل ہوئے مسلمانوں نے شک کا گمان کیا اِس نے اسلام قبول کرنے کا اقرار کیا۔ قتال میں حصہ لینے کا اظہار کیا۔ شہادت کی آرزو کی تمنا کی اور مجاہدین کو بتایا کہ اُصیرِم ماضی سے ناطہ توڑ چکا۔ کفر میں گزری زندگی کو چھوڑ چکا۔ درخشندہ مستقبل کی خواہش میں اللہ کی رضا اور اُس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے سرشار غزوۂ میں شمولیت کے ارادے سے آیا ہے۔ اِسے شہادت کی سعادت سے محروم نہ رکھا جائے۔

مسلمانوں نے اُس کے بیان پہ اعتبار کیا۔ اِس نے مجاہد کا روپ دھارا۔ خوب لڑے۔ تلوار کے جوہر دکھائے آخر کفار کے نرغے میں آ گئے زخم پہ زخم لگے بدن تیروں سے چھلنی ہوا آخر زخموں سے چور گرے بنی عبدالاشہل کے آدمی اپنے شہیدوں کو تلاش کر رہے تھے تو انہوں نے اُصیرم کو گرے دیکھا حیران ہوئے یہ یہاں کیسے یہ تو دشمن اسلام تھا ابھی سانسوں کا رشتہ ٹوٹا نہ تھا زندگی کی رمق باقی تھی ابھی جسم و روح کا رشتہ قائم تھا۔ انہوں نے پوچھا تمہیں تمہاری عزت یا

اسلام کی محبت کیا چیز یہاں لائی۔ اُس نے قبول اسلام کا بتایا۔ جسم سارا زخم زخم تھا اور زخم بھی کاری تھے۔ حالت بتا رہی تھی کہ جانبر ہونا محال ہے۔ اُصیرم نے عرض کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فدائی کی خبر کر دینا غلام کی حالت بتا دینا اور میری یہ آرزو یہ خواہش بھی پہنچا دینا کہ میری تمام جائیداد، مال اب میرے محبوب کے حوالے جہاں اور جیسے چاہیں صرف میں لائیں۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آئے انہوں نے اُس کے بھائی سے کہا کہ اپنے بھائی سے پوچھے قومی عزت و حمیت یا اسلام کی محبت کیا اُسے یہاں لایا۔ اُصیرم نے ڈوبتی نبضوں ٹوٹتی سانسوں میں بتایا مجھے آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یہاں لائی اور انتقال فرما گئے۔ بے کسوں کے والی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُصیرم جنتی ہے اس کی روح سیدھی جنت کو پرواز کر گئی۔ ایک دن ابو ہریرہ نے لوگوں سے پوچھا کہ کوئی فرد بتائیں جو ایسا خوش نصیب اور بلند بخت ہو جس نے کوئی نماز نہ پڑھی، کوئی روزہ نہیں رکھا کوئی نیک عمل نہیں کیا لیکن وہ جنتی ہے لوگوں نے کہا ہمیں خبر نہیں آپ ہی بتائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ حضرت اُصیرم ہے جو بنی عبد الاشہل کا فرد ہے۔

عاشق کا جنازہ ہے بڑی دھوم سے اُٹھے

زندگی متاعِ عزیز ہے۔ جان ہر فرد کو پیاری ہوتی ہے مرنے کو کسی کا دل نہیں چاہتا سو سالہ بوڑھا بھی ہو اور زندگی سے اُوازار و بیزار بھی ہو پھر بھی مرنے کو اس کا دل نہیں چاہتا وہ بھی درازیٔ عمر کی دعائیں مانگتا ہے۔ اور پھر ایسا شخص جسے زندگی کی آسائشیں بھی حاصل ہوں اُسے تو زندگی سے اور زیادہ پیار ہو جاتا ہے۔ زندگی اور جان کی قربانی کوئی معمولی بات نہیں لیکن مومن کبھی جان کی پرواہ نہیں کرتا وہ جان اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی امانت سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کٹوانا اور جان کا نذرانہ پیش کرنا سعادت گرانبہا گردانتا ہے۔ کبھی معرکہ حق و باطل درپیش ہو تو حق کی سربلندی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیتا ہے۔ زندگی کو متاعِ عزیز نہیں سمجھتا بلکہ خوش خوش حق کی خاطر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں محبوب کی آن کی خاطر زندگی کی بازی ہار کے جنت کی کلید اور رسید حاصل کر لیتا ہے۔ دونوں جہانوں میں سرخرو ٹھہرتا ہے

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اِسی لئے اللہ تعالیٰ کی سربلندی اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر زندگی قربان کرنے والے کو شہید کہتے ہیں اور شہادت کوئی معمولی عمل نہیں یہ تمام اعمال پہ بھاری ہے۔ عشقِ الٰہی اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہے اِسی لئے تو قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد ہوتا ہے شہید زندہ ہے اُسے رزق دیا جاتا ہے اور شہید آرزو کرتا ہے کہ میں دوبارہ حیات پاؤں اور دوبارہ راہِ حق میں سر کٹواؤں اُسے جو مزہ اور لطف سر کٹوانے میں آیا تھا وہ اُسے جنت کی فضاؤں میں بھی نہیں ملتا۔ جنت تو اُس کی میراث کر دی جاتی ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

حضرت جبیب بڑے پیارے صحابی ہیں۔ بڑے ہنس مکھ ظریف الطبع واقع ہوئے ہیں عورتوں کے ساتھ ہنسی مذاق کر لیتے۔ اِس لئے صحابہ کرام اُن کی اِس عادت کو ناپسند کرتے۔ حالانکہ حضرت جبیب بڑے مضبوط کردار کے مالک تھے۔ دل و نگاہ کے پاکباز تھے۔ اِسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے پیار کرتے ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری صحابی سے فرمایا تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دو۔ اُس صحابی کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ فرطِ مسرت سے جھوم اٹھا اُس نے فوراً ہاں کر دی لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اپنے لئے نہیں بلکہ جبیب کا پیغام دیتا ہوں۔ اُس صحابی نے کہا مجھے لڑکی کی ماں سے مشورہ کرنے دو۔ ماں نے حضرت جبیب کا نام سنا تو انکار کر دیا۔ لڑکی نے انکار کے بارے میں سنا تو فوراً بولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے روگردانی کفر ہے مجھے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دو۔ وہ جو فیصلہ صادر فرمائیں مجھے منظور ہے اور آپ مجھے ہرگز ضائع نہ کریں گے۔

یہی پیارے صحابی ایک غزوہ میں شہید ہو جاتے ہیں والی دو جہاں آقائے کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم جنازے کا اہتمام فرماتے ہیں۔ جنازہ اٹھتا ہے۔ عاشق کا جنازہ ہے بڑی دھوم سے برآمد ہوتا ہے۔ صحابہ کرام جنازے میں شمولیت فرماتے ہیں ہر کوئی جنازے کو کندھا دینا سعادت سمجھتا ہے۔ جنازہ بڑی دھوم سے آخری آرام گاہ کی جانب رواں ہے۔ سرور انبیاء شافع محشر ساقی کوثر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمراہ ہیں۔ جنازے میں شمولیت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہیں اور بڑی احتیاط اور دیکھ بھال کے قدم آگے رکھتے ہیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ احتیاط اس لئے روا رکھتے ہیں کہ کہیں اپنا قدم کسی دوسرے کے قدم پہ نہ پڑ جائے قبرستان پہنچ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِس شہید صحابی کے جسدِ پاک کو اپنے مبارک ہاتھوں سے لحد میں اتارتے ہیں اِسی تدفین کے دوران

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا بھی دیتے ہیں۔

صحابہ کرام حیران، دیکھنے والے مضطرب کہ اس غم واندوہ کے موقع پر سرورانبیاء جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پہ مسکراہٹ اُن کی سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ معاملہ کیا ہے خدا جانے کیا راز ہے۔ پوچھنے کی کسی میں جسارت نہیں۔شرکاء کی ساری رات بیقراری واضطراب میں گزرتی ہے اگلے روز آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لاتے ہیں نماز کے بعد محفل جمتی ہے۔تمام پروانے شمع محمدی کے گرد ہالہ بنا لیتے ہیں اب صحابہ کرام موقع کی مناسبت سے روزِ گزشتہ کی کیفیت کے بارے میں استفسار کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ حضور ہمارے ماں باپ آپ پہ فدا ہوں غلام سراپا اضطراب ہیں اور وجہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کل معاملہ کیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوں قدم اٹھا رہے تھے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرگ کے موقع پہ مسکرا بھی دیئے۔

کالی کملی والے آقا، غریبوں کے والی، غلاموں کے مولیٰ، یتیموں کے ماویٰ، بے کسوں کے سہارا، بے سہاروں کے ملجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حبیبؓ کے جنازے میں عرش سے قدسیان قطار اندر قطار شریک تھے۔ ملائکہ کی اتنی کثیر تعداد تھی کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔اس لئے میں قدم بڑی احتیاط کے ساتھ رکھ رہا تھا تاکہ قدموں پہ قدم نہ آ ئیں اور بوقت تدفین میں مسکرایا اِس لئے تھا کہ میں نے دیکھا حبیب کے استقبال کے لئے حوریں دورویہ کھڑی ہیں اور مہمانِ گرامی کے لئے سراپا انتظار ہیں۔میں شہید کے استقبال اور تعظیم وتکرم دیکھ کے مسکرا دیا واہ حبیب تیری اعلیٰ بختی پہ نثار تیرے عروج اور بلند مرتبے پہ قربان تیری فرازی مُقدر پہ کیوں نہ رشک کریں تیرے مرتبے ومقام پہ تو ملائکہ بھی رشک کرتے ہوں گے۔یہ مرتبہ بلند جسے ملنا تھا مل گیا ہر ایک کے حصے میں کہاں۔

پادری کی پیشین گوئی

ابوطلحہ نام اور والد کا نام عبیداللہ تھا۔ پیشہ تجارت تھا۔ اعلانِ نبوت سے پہلے آپ تجارتی دورہ پر بصرہ گئے۔ وہاں کے لاٹ پادری کو جب پتہ چلا کہ ابوطلحہ مکہ کے رہنے والے ہیں تو ملاقات کی اور دریافت کیا "کیا مکہ میں احمد نبی پیدا ہوئے ہیں"۔ آپ نے جواب دیا "کون احمد؟"۔ پادری نے جواب دیا

"احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نبی آخرالزمان اُن کی نبوت کا یہی زمانہ ہے اور ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ حرم (مکہ) میں نبی ہوں گے اور کھجوروں والے ملک (مدینہ) ہجرت فرمائیں گے"۔ چونکہ ابوطلحہ کی روانگی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی اعلانِ نبوت نہیں فرمایا تھا۔ اس لئے ابوطلحہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ آپ مکہ آئے پادری کا یہ اعلان ذہن میں تھا مکہ واپسی پر لوگوں سے پوچھا میرے بعد میری غیر حاضری میں مکہ میں کوئی نیا واقعہ جو پیش آیا ہو۔ آپ کے دوستوں نے بتایا تمہارے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا ہے اور حضرت ابوبکر اُن پہ ایمان لے آئے ہیں۔ حضرت طلحہ حقانیت جان چکے تھے پادری کی پیشین گوئی سن چکے تھے اس لئے سیدھے ابوبکر صدیق کے پاس گئے اُن کی ترغیب اور دل کی گواہی پر اُن کے ہمراہ جا کر مشرف بہ اسلام ہوئے پھر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نشہ ایسا چڑھا کہ سرمست و بے خود ہو گئے۔ غزوۂ اُحد میں جب مسلمانوں پہ کڑا وقت آیا بدنظمی و بے ترتیبی میں اپنے پرائے کی پہچان نہ رہی۔ کفار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے اور سارا زور نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے پہ لگا دیا۔ تو صحابہ کرام نے بھی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع پہ جانثاری کی ایسی داستانیں رقم کیں کہ تاریخ حیران کہ اسے کیا کہیے۔ حضرت طلحہ بھی اِن جانثاروں میں شامل تھے جنہوں نے محیّر العقول کارنامے سرانجام دیئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے۔ حضرت طلحہ نے اپنے دانتوں سے مغفر کی کڑیاں نکالیں اِسی کاوش میں آپ کے دو دانت

شہید ہو گئے آپ کو اِس غزوہ میں ستر زخم آئے۔ ایک انگلی بھی کٹ گئی۔ جنگ ختم ہونے پر آپ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیٹھ پر اٹھا کر پہاڑی پر لائے۔ وہیں زخم دھوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر ''خیر'' کا لقب دیا جنگ صفین میں آپ کو ''جواد'' کا لقب ملا۔

کھانا جو دیکھو جَو کی روٹی اَن چھنا آٹا روٹی موٹی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت ابوبکر صدیق کی کاوشوں اور ترغیب سے ایمان لائے پھر اسلام اور ایمان کی بھٹی میں سے ایسے گزرے کہ کڑے سے کڑا امتحان بھی قدم ڈگمگا نہ سکا۔ کبھی پائے استقلال میں لغزش اور لرزش نہ آئی۔ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے وارفتہ اور مست ہوئے۔ جبیں کو درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا خم کیا۔ طوقِ غلامی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں گلے کا ہار بنایا کہ ہمیشہ کے لئے دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو شعار بنایا۔ بے مول اور بلا قیمت اپنے آپ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں دے دیا۔ غزوۂ اُحد میں آپ کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے بیس زخم تھے اور ایک زخم پاؤں پر ایسا کاری لگا کہ آپ ساری زندگی لنگڑا کر چلتے رہے اِس لنگڑانے کو کبھی عار نہ سمجھا۔ کبھی شکوہ نہ کیا بلکہ اِسے ہمیشہ غزوۂ اُحد کا تمغہ گردانا اور باعثِ فخر سمجھا۔

آپ کا شمار جید سرکردہ اور سینئر صحابہ کرام میں ہوتا ہے پھر آپ کا شمار اُن خوش نصیبوں میں بھی ہوتا ہے جنہیں حیات میں ہی اِسی دنیا میں جنت کی نوید کلید اور رسید دے دی گئی۔ آپ کی یہی فضیلت کیا کم ہے کہ آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ہمہ وقت اپنے آپ کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف رکھتے۔ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان میں گئے اور باری تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔ سجدہ طویل ہوتا گیا۔ وقت کے لمحے گزرتے گئے ایک پہر سے دوسرا پہر آ گیا سر سجدے میں ہی رہا۔ حضرت عبدالرحمٰن کو فکر لاحق ہوئی۔ دوڑتا ہوا قریب آیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قدموں کی آہٹ پا کر سر سجدے سے اٹھایا تو اپنے غلام کے چہرے پہ فکرو تشویش کے آثار پائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا عبدالرحمٰن گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔ غلام نے عرض کی سجدے کی طوالت نے پریشان کر دیا میں گھبرا گیا خیر ہو کہیں روحِ اطہر قفسِ عنصری

سے پرواز کر کے خالقِ حقیقی سے نہ جا ملی ہو ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور بولے اے عبدالرحمٰن بن عوف حضرت جبریل آئے اور مجھے بشارت دی کہ جو مجھ پر درود بھیجے اللہ تعالیٰ نے اُس بندے کے درجات بلند فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے میں اُسی وقت ربِ ذوالجلال کے حضور اِس کرم نوازی پر سجدہ ریز ہو گیا اگر تو مخل نہ ہوتا تو یہ سجدہ شکر اور بھی دراز ہوتا۔

وصالِ نبوی کے بعد جب دیدار سے محرومی ہوئی تو آپ بہت مغموم رہا کرتے تھے ہر وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ رہتی وہ محفلیں، وہ صحبتیں، وہ انجمنیں آنکھوں میں سمائی رہتیں۔ والضحیٰ والا مکھڑا، واللیل والی زلفیں تصور میں بسی رہتیں کان آواز کو ترستے ذہن میں محفلوں کا جلوہ سمایا رہتا تصور میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا نقش رہتا لیکن یہ سب کچھ اب کہاں تو عشاق کا مغموم رہنا لازمی و فطری امر تھا۔ یہ صرف حضرت عبدالرحمٰن کے ساتھ ہی مخصوص نہ تھا بلکہ تمام صحابہ کرام کی یہی کیفیت تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے دستر خوان پر گوشت روٹی آئی تو آپ اس کو دیکھ کر زار زار رونے لگے۔ لوگوں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل و عیال کو تمام عمر پیٹ بھر کر جَو کی روٹی دستیاب نہ ہوتی اِس خوشحالی کے ساتھ زیادہ عرصہ ہمارا زندہ رہنا بیکار ہے''۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالیشان ہے

''میرے بعد جو شخص میری ازواجِ مطہرات کی خدمت و محافظت کرے گا وہ سچا اور نیک کار ہو گا''۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ امر حضرت عبدالرحمٰن ہی سے متعلق رہا اور انہوں نے یہ فریضہ خوب نبھایا۔ آپ ازواجِ مطہرات کے سفر کا اہتمام و انصرام کرتے اور ان کی ضروریات کی کفالت کرتے۔

کھانا جو دیکھو جَو کی روٹی، اَن چھنا آٹا روٹی موٹی
وہ بھی پیٹ بھر نہ کھانا صلی اللہ علیہ وسلم

ندرتِ خیال اور انوکھی ترکیب

حقوق کی دو اقسام ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ جو حقوق اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ہیں وہ حقوق اللہ ہیں اور جو حقوق بندوں کے بندوں پر ہیں وہ حقوق العباد ہیں۔ حقوق اللہ معاف کرنے پر باری تعالیٰ کلی طور پر قادر ہیں وہ ستار ہے، وہ غفار ہے، وہ رحمان ہے، وہ رحیم ہے اپنے حقوق جسے اور جس وقت چاہے معاف کر دے لیکن حقوق العباد بندے ہی معاف کر سکتے ہیں جس کے ساتھ ظلم و زیادتی ہوئی ہے وہی معاف کرے تو کرے ورنہ باری تعالیٰ بھی معاف نہیں فرماتے ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ روزِ حساب ایک ایسا شخص بھی آئے گا کہ کسی کے ساتھ زیادتی کی ہوگی کسی کا حق کھایا ہوگا اُس کے نیک اعمال اُن کو دے دیئے جائیں گے اور اگر اُس کے نیک اعمال ختم ہو گئے اور متاثرین ختم نہ ہوئے تو اُن کے گناہ اِس کے کھاتے میں ڈال کے اُسے گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ شافعِ محشر، ساقی کوثر، خاتم النبین، رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ ذیشان ہے کہ ایسا شخص میری امت کا بد قسمت ترین شخص ہوگا۔

حقوق العباد کا یہ پہلو سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر بھی تھا آپ فخرِ انبیاء ہیں لیکن کوئی تفاخر نہیں بوریہ نشین ہیں جو کی روٹی ہے اور وہ بھی کئی کئی دن فاقے، موٹا کپڑا اور وہ بھی کئی کئی جگہ پیوند لگا، کچا مکان ہے اور کھجور کے پتوں کی چھت ہے کچا فرش ہے بارش ہوتی ہے تو کیچڑ اور دلدل ہو جاتی ہے۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

مساوات کا یہ عالم ہے کہ ہر کام میں خود شریک ہیں کوئی امتیاز نہیں کوئی تفاخر نہیں خندق کی کھدائی میں، مسجد کی تعمیر میں، مہمات کے دوران، سفر میں، کھانے کی تیاری تک میں اپنے حصے کا کام اپنے ذمے لیتے ہیں عدل ایسا کہ نظیر نہیں ملتی۔ ایک دن مسجد میں صحابہ کرام کا اجتماع ہے شمع

محمدی کے پروانے، شمع رسالت کے گرد جمع ہیں۔ غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آقا کے اردگرد ہیں گویا چاند ستاروں کے ہالے میں ہے۔ اچانک آقائے دوجہاں، والی کون مکاں صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے کوئی کسی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو میں حاضر ہوں وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔ ایک شخص کھڑا ہو جاتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ میں نے بدلہ لینا ہے۔ مجھے آپ سے کوڑا لگا تھا۔ میں آج کوڑا ماروں گا۔ مجمع پہ سکوت اور غلاموں پہ لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ سب دم بخود رہ جاتے ہیں یہ شخص کہتا ہے کہ پہلے تو میں خاموش تھا میں ضبط کیے ہوئے تھا صبر سے کام لے رہا تھا لیکن آج چونکہ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اعلان فرمایا ہے۔ تو میں نے حوصلہ پا کر اپنے ساتھ زیادتی کا بدلہ اور انصاف مانگا ہے سرورِ انبیاء احمد مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم انصاف نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا۔ لہٰذا حضرت فاطمۃ الزہرا کے گھر سے وہ کوڑا منگوایا جاتا ہے جو آپ کے پاس رہتا تھا۔ خاتونِ جنت، لختِ جگرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلتا ہے تو زار زار رونا شروع کر دیتی ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے کو پیش کرتے ہیں کہ ایک کے بدلے سو کوڑے مار لو دو سو کھانے کو تیار ہیں لیکن آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا و تکلیف دینے تو باز رہ۔ لیکن وہ شخص بضد ہے کہ جو کرے وہی بھرے بدلہ کبھی دوسرے پہ منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوڑا اسے تھماتے ہیں اور فرماتے ہیں اسے پکڑو اور بدلہ لے لو ہم حاضر ہیں لیکن وہ شخص کہتا ہے کہ جب مجھے کوڑا لگا تھا تو میرا جسم ننگا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی پشت مبارک سے کپڑا ہٹا دیتے ہیں صحابہ کرام میں کہرام مچ جاتا ہے سسکیاں اُبھرنے لگتی ہیں لیکن جب پشت مبارک ننگی ہو جاتی ہے تو وہ شخص یکا یک کوڑا ایک طرف پھینکتا ہے اور مہرِ نبوت کو چوم لیتا ہے اور اپنے رخسار حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد سے مسلتا ہے رگڑتا ہے اور عرض کرتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مرے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوئی تھی مجھے کوئی کوڑا نہ لگا تھا میں تو مہرِ نبوت چومنے کا متمنی تھا مدت سے اس سعادت کا اشتیاق رکھتا تھا لیکن کوئی سبیل نہ بن پڑتی تھی۔ مختلف

منصوبے، مختلف ترکیبیں، افق ذہن پہ ابھرتی تھیں لیکن دیرینہ آرزو کی تکمیل کی کوئی صورت نہ بنتی تھی۔ اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان کے ساتھ میری اس دیرینہ خواہش کے پورا ہونے کا سبب پیدا ہوا کہاں کی زیادتی، کہاں کا کوڑا یہ تو بہانہ تھا اس خواہش کے حصول کا اس طرح مجھے مہر نبوت کے چومنے اور جسم اطہر سے مس ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔ میں نے سن رکھا تھا اور دیکھ رکھا تھا کہ کپڑا بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے مس ہو گیا تو اُسے آگ تک نہ جلاتی تھی میں بھی مس ہو گیا ہوں اب مجھے دوزخ کا ڈر نہیں دوزخ کی آگ مجھے کیا جلائے گی۔ الختصر یہ سارا منصوبہ یہ انوکھی ترکیب میں نے یہ سعادت حاصل کرنے کو بنائی تھی۔ واللہ میں کامیاب ہو گیا اب مجھے دوزخ کی آگ کا خوف نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیے پتہ ہے یہ کون تھے اس صحابی کا نام حضرت عکاشہ تھا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت اُسید بن حضیر کے بارے میں بھی ہے۔ آپ بڑے بذلہ سنج اور شگفتہ مزاج صحابی تھے۔ ایک دن ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُس کی باتوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار اُنسیت اور بے تکلفی میں اُسید کے پیٹ پہ چھڑی سے ٹھوکا دیا۔ حضرت اُسید نے فوراً بدلے کا مطالبہ کر دیا۔ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کے ساتھ زیادتی ہو جائے یہ تو تصور بھی محال ہے۔ حقوق العباد میں کسی کا حق آپ کے ذمہ رہے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً بدلہ دینے پہ راضی ہو گئے لیکن انہوں نے کہا جب مجھے ضرب لگی تو میرے بدن پر کرتہ نہ تھا اور آپ کے بدن پر قمیض ہے تو منصف اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتہ بھی اٹھا دیا۔ کرتے کا اٹھانا تھا کہ وہ غلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے کبھی پیٹ پہ بوسہ دیتے کبھی پشت مبارک کو چومتے اور کہتے جاتے یہی تو میرا مقصود تھا اور مجھے یہ سعادت نصیب ہو گئی۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سواد بن غذیہ کے بارے میں غزوۂ بدر سے متعلق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صف بندی فرما رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تیر کی

لکڑی ہے اُس سے آگے پیچھے ہونے کا اشارہ فرماتے ہیں حضرت سواد ذرا آگے نکلے ہوئے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھوکا دے کر فرمایا "اُستو یا سواد" یعنی اے سواد برابر ہو جا۔ اِس پر حضرت سواد نے بدلہ کا تقاضا کر دیا تفصیل آپ غزوۂ بدر کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

سچی محبت اور پرخلوص عشق کا صلہ

ہجرت سے قبل یثرب ایک چھوٹی سی آبادی تھی جو ہجرت کے بعد مدینہ بنی۔ یہاں عرب قبائل کے علاوہ یہود کے تین قبائل بھی آباد تھے۔ یہودی قبائل مالی لحاظ سے خوشحال تھے۔ ہجرت کا حکم ہوا۔ سرکارِ دو جہاں، سرورِ کون و مکاں ہجرت کر کے یہاں تشریف لائے اور اِس شہر کا نام مدینۃ النبی ہو گیا۔ یہاں کے قبائل جو اسلام لائے وہ انصار کہلائے۔ یہود معاشی برتری کی بنا پر یہاں کی سرداری کے خواب دیکھ رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پہ اِن کے خواب چکنا چور ہو گئے اور شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے۔ یہ قبائل اب فتنہ پردازیوں پہ اُتر آئے حالانکہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ معاہدہ امن بھی کیا لیکن جلد ہی یہ عہد شکنی کے مرتکب ہوئے۔ مسلمانوں کو اِن اندرونی دشمنوں کا مقابلہ کرنا پڑا آخر انہیں شکست ہوئی اور انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

بختِ رسا کی یاوری، اللہ تعالیٰ کا انعام اور اپنے اپنے مقدر کی بات ہوتی ہے اللہ جانے کون سی گھڑی مقبولیت کی گھڑی ہو۔ یہ ساعت کوئی متعین نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کی رضا اور کرم ہو تو آنِ واحد میں قسمت کی سرفرازیاں بامِ عروج پہ آ جاتی ہیں۔ بس مقدر ساتھ دے تو پل بھر میں اندر کی تاریکیاں اجالوں میں بدل جاتی ہیں کیونکہ

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک یہودی نوجوان یہودی گھر میں پیدا ہوا پروان چڑھا پلا بڑھا جوانی کی دہلیز پہ قدم رکھا۔ کاروبارِ زندگی کے سلسلہ میں بارہا مسجدِ نبوی کے پاس سے گزر ہوتا۔ مسجد کا دروازہ کھلا ہوتا اندر سرورِ انبیاء احمدِ مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوتے۔ چہرۂ تاباں سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہوتیں اِس نوجوان کی نظریں بھی مہرِ منور کے نور سے فیض یاب ہوتیں اِس

گردشِ ماہ وسال میں ایک ایسی مبارک ساعت بھی آئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نظر اِس نوجوان کے دل میں ترازو ہوگئی۔ یہ نور کی کرن اِس یہودی نوجوان کے دل میں یوں اتری کہ تاریک گوشے منور ہو گئے اندر کی دنیا میں انقلاب آ گیا وجود بدلا۔ زندگی کا محور بدلا بلکہ اُس کی پوری کائنات ہی بدل گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو اندر یوں مہکی کہ سارا وجود اِس کی خوشبو سے مہک اٹھا۔

اب عقل کا تقاضا کہ مصلحت سے کام لو اور اِس محبت کو چھپاؤ۔ یہودی کی اولاد، آباء کا مذہب یہودیت اِس محبت کا اظہار جان جوکھوں کا کام مصائب و آلام کو دعوت، زندگی کو خطرات لاحق ہو جائیں گے۔ دِل کا تقاضا کہ جان جاتی ہے تو جائے ابھی محبوب کے در تک رسائی ہو۔ فرقت وجدائی کا ایک لمحہ بھی گوارا نہیں ابھی قدم بوسی کا موقع میسر آئے تا کہ آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون و سرور آئے۔ اب ایک طرف یہودی معاشرے کا ڈر اور والدین کا خوف دوسری طرف محبوب کی حضوری اِسی کشمکش میں صحت گری سوکھ کے کانٹا ہوا اور بیماری نے آلیا۔ دِل ناصبور دیدار کو مچلتا۔ عقل مصلحتوں کا تقاضا کرتی۔ یہودی سماج کا خطرہ سامنے آ کھڑا ہوتا کوئی دوٹوک فیصلہ نہ بن پڑتا۔ جب کبھی مسجد نبوی کے باہر سے گزر ہوتا دروازے سے دور ہی دور سے آنکھوں کو دیدار مصطفوی سے شادکام کرتا کبھی سرِ راہ بیٹھ جاتا جب مدنی سرتاج صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوتا تو دیدار کا موقع میسر آ جاتا اور یوں دل کی تسکین کر لیتا۔ یونہی وقت گزرتا رہا محبت پختہ ہوتی رہی عشق پروان چڑھتا رہا۔

آخر یہ چنگاری سلگتے سلگتے آلاؤ کی صورت اختیار کر گئی اِس کی تپش نے عقل وخرد سے اُسے بیگانہ کر دیا کھانا پینا ترک ہوا۔ آنکھوں سے نیند غائب ہوئی جسم کمزور ہوتا گیا چہرے کا رنگ زرد ہوا نہ اظہار کا یارا، نہ چھپانے پہ اختیار اندر عشق کی آگ کا بھانبڑ مچ گیا۔ ضبطِ غم میں دیمک زدہ ہوتے گئے۔ سوکھ کے کانٹا ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ بیماری نے آلیا۔ بستر سے لگ گئے بیماری نے زور پکڑا باپ فکر مند ہوا۔ جوان بیٹا آرزوؤں کا مرکز مستقبل کا سہارا باپ کے لئے بیٹے کی یہ حالت

سوھانِ روح بن گئی طبیب بلائے گئے علاج شروع ہوا لیکن مریض عشق کو شفا کہاں مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی جسمانی بیماری ہو تو کوئی دوائی اثر بھی کرے عشق کے آزار کا کیا علاج۔ اِس مرض کا علاج اور نسخہ کسی مسیحا کے پاس نہیں۔

مریض کی حالت بگڑتی گئی ماں باپ مایوسیوں کے اندھیروں میں ڈوبتے چلے گئے۔ ماں سرہانے بیٹھ کے آہ وزاری کرتی باپ چارپائی کے پایوں سے سر ٹکراتا لیکن کوئی صورت بن نہ پڑتی۔ مریض تیزی سے موت کی جانب گامزن تھا کمزوری بڑھتی گئی زبان میں آبلے پڑ گئے۔ آخر باپ میں ضبطِ غم کا یارا نہ رہا۔ نوجوان بیٹے کی موت کا سامنا باپ میں کہاں سے آئے باپ کا کلیجہ شق ہو گیا۔ بیٹے کی موت یقینی نظر آئی تو باپ سے رہا نہ گیا۔ بیٹے کے کان سے منہ لگایا اور بیٹے کی آخری خواہش دریافت کی بیٹے سے پوچھا کوئی فرمائش ہو تو باپ سے برملا کہو میں آپ کے چہرے پہ سہرا باندھنے کے ارمان تو پورے نہیں کر سکا تیری شادی کی خوشیاں تو نہیں دیکھ سکا۔ کچھ تو مجھ سے مانگو تا کہ بدنصیب باپ کے دل کو تسکین ہو میں اپنی جان کی بازی ہار کے اپنے آپ کو بیچ کے بھی آپ کی آخری خواہش اور فرمائش کو پوری کرنے کی سعی کرونگا۔ بیٹے نے آنکھیں کھولیں۔ نحیف ونزار آواز میں کہا اباجان! کیا میری آخری خواہش کو پذیرائی ملے گی جو میں مانگوں گا مجھے ملے گا۔ باپ نے روتے ہوئے جواب دیا مرے لال، میری زندگی کے سہارے میرے بڑھاپے کی لاٹھی، میرے ارمانوں کے حاصل مانگ کیا مانگتا ہے میری تو آرزو رہی کہ بیٹا باپ سے کچھ مانگے کسی فرمائش پہ ضد کرے اور اب تو وقتِ مفارقت ہے بھلا میں آپ کی آرزو پوری کرنے میں کوئی کسر اٹھا رکھوں گا۔ ہر باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ بیٹے کے ناز اٹھائے۔ بیٹے نے حوصلہ پا کے اکھڑتی سانسوں اور ڈوبتی نبضوں میں نحیف ونزار آواز میں کہا۔ اباجان! میں اِک مدت سے محمد عربی والی دوجہاں مونس بے کساں، تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عشق سینے میں بسائے بیٹھا ہوں لحہ بہ لحہ میرا اندر سلگتا رہا۔ مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کی آس سینے میں موجزن رہی۔ پیروں میں سکت تھی اور جسم میں دم خم تھا تو میں خود کسی نہ کسی طرح دیدار کا سامان کر لیتا تھا دور سے

ہی والضحیٰ والا مکھڑا تک کے دل کی تسکین کر لیتا تھا اور دلِ بسمل کو قرار آ جاتا تھا اور آنکھوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی تھی جب سے بستر سے لگا ہوں۔ علالت نے زور پکڑا ہے تو دیدار کی سعادت سے محروم ہو گیا ہوں اب زندگی کا انجام ہے کوئی دم میں جسم و روح کا رشتہ ٹوٹنے والا ہے۔ دم آخریں بس ایک خواہش ہے کہ چہرۂ اقدس کو آنکھوں میں سمائے سفرِ آخرت پہ روانہ ہو جاؤں۔ یہ خواہش آپ اور یہودی سماج کے خوف سے اندر ہی اندر گھٹتی رہی۔ اب کسی طور میری سرکار کو خبر کر دی جاوے کہ اک غلام اک عاشق کا وقت اخیر ہے اِس عاشق ناصبور کی خواہش ہے کہ ایک دفعہ آ کر دیدار کروا دیں تا کہ نزع کا وقت آسان ہو دیدار کا عکس آنکھوں میں سمائے سفرِ آخرت پہ روانہ ہو جاؤں

بیٹے کی یہ خواہش سن کر باپ کا رنگ فق ہو گیا لیکن جلد اپنے آپ پہ قابو پایا ناچار دل کو راضی کیا اور بیٹے سے کہا ”میرے عزیز از جان لختِ جگر تیری یہ خواہش اور اس کی تکمیل میرے لئے کٹھن اور مشکل مرحلہ ہے میں یہودی مذہب اور معاشرے کا فرد ہوں۔ مجھے یہودیوں کے طعن و تشنیع سے واسطہ پڑے گا ممکن ہے وہ میرا معاشرتی بائیکاٹ کر دیں لیکن مجھے اب اس کی پرواہ نہیں میرا بیٹا میرے سامنے موت کی وادی کی طرف بڑھ رہا ہے کوئی دم کا مہمان ہے دم رخصت میں بیٹے کی فرمائش ضرور پوری کروں گا میں جا رہا ہوں آپ کے آقا کو خبر کرنے اب اپنے محبوب کے آنے کا انتظار کرنا۔ باپ ناچار و مجبور جانب مسجد نبوی روانہ ہو گیا۔ درِ اقدس پہ پہنچ کے صدا لگائی میں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا خواہش مند ہوں ہے کوئی جو انہیں جا کے خبر کر دے تھوڑی دیر کے بعد آقائے دو جہاں امیدوں کے مرکز آسوں کے محور تمناؤں کے یاور سامنے موجود تھے اور آنے کی غرض دریافت کر رہے تھے۔

یہودی نے بیٹے کے سارے احوال کا ماجرا کہہ سنایا میرا نوجوان بیٹا آپ کے عشق و محبت میں گرفتار ہوا کسی سے ذکر اذکار نہ کیا۔ چپ چپاتے محبت کی آگ میں جلتا رہا سب کچھ دل پہ سہتا رہا۔ آپ کے پیار میں سلگتا رہا سوکھ کے کانٹا ہو گیا۔ بستر سے لگ گیا علالت و کمزوری نے زور پکڑا کوئی دم کا مہمان ہے ذرا تشریف لائیں اُسے دیدار کرائیں تا کہ بجھتی آنکھوں کو قرار آئے۔

اُخروی نجات کا مژدہ سنائیں اور اُس کی مشکل آسان فرمائیں۔ نزع کا وقت ہے محبوب کا دیدار نصیب ہو تو عاشق کی جان کنی آسان ہو جائے۔ یہ سنتے ہی آقائے دو جہاں، چارہ غمزدگان، مونس بے کساں صلی اللہ علیہ وسلم نے پروانوں یعنی صحابہ کرام سے ارشاد فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو اس بیدار بخت کو دیکھ آئیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پروانوں کے جھرمٹ میں تشریف لائے سرہانے پہنچے۔ اپنے کشتہ عشق کے سر پر دستِ شفقت پھیرا باپ نے آواز لگائی میرے لختِ جگر، جانِ پدر آنکھیں کھولو دیکھو کون آیا ہے آپ کی آرزوؤں کے محور اور مقصودِ حیات تشریف لا چکے ہیں اس آواز پہ اُس مریضِ عشق کی ڈوبتی نبضوں میں حرارت پیدا ہوئی۔ ضرورتِ ادب سے اٹھنا چاہا لیکن لاغری آڑے آئی ڈوبتی آواز میں کہا

سرکار! آپ کا یہ غلام یہ جلائے عشق مریض آخری سانسیں گن رہا ہے۔ مجبوریاں حائل رہیں اسرائیلی معاشرے کا خوف دامن گیر رہا اظہارِ عشق نہ کر سکا اب آخری وقت ہے یہ جان کا نذرانہ قبول فرمائیں نہ سجدہ میری جبین نیاز میں نہ عبادت میرے دامن میں، نجات کی اُمید بھی رکھوں تو کیسے۔ شافع روز شمار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمہ توحید کا اقرار کر لو مذہب اسلام میں داخل ہونے کا اعلان کر دو تو پھر نجات کی ضمانت اور جنت کا پروانہ میں عطا کرتا ہوں۔

باپ تھا تو یہودی لیکن ایک بات کا اعتراف اُسے بھی تھا کہ جو بات سرکار کے منہ سے نکلتی ہے وہ ہو کے رہتی ہے۔ نجات کی صورت تو ہو گئی اُس نے بیٹے سے کہا بے کسوں کے والی، گنہگاروں کے غم خوار، ساقی کوثر، قسیم جنت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت پہ کلمہ توحید پڑھ لو دامن رحمت میں آجاؤ دامن توحید میں داخل ہو جاؤ شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم تیری نجات کے ضامن ہیں۔ بیٹے نے لڑکھڑاتی آواز میں پڑھا لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

باپ نے کہا حضور یہ اب ہمارا نہیں آپ کا ہے۔ جنازہ اب سرکار کے در سے اٹھے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست قبول فرمائی۔ صحابہ کرام کو جنازہ کندھوں پہ اٹھانے کو کہا

اور فرمایا خیال رکھنا عاشق کا جنازہ ہے بڑی دھوم سے اٹھے۔ مدینہ کی گلیوں میں سے جلوس کی صورت گزرے۔ اِس عاشق صادق کی موت کی خبر آنِ واحد میں سارے مدینہ میں پھیل گئی لوگ جوق در جوق شامل جنازہ ہونے لگے اور دیدار کے متمنی ہوئے۔ منہ سے کفن ہٹایا گیا۔ چہرہ مانند خورشید تاباں تھا، نورانی کرنیں پھوٹ رہی تھیں چہرہ شاداں وفرحاں تھا عجب طمانیت تھی پیشانی چمک رہی تھی ہونٹوں پہ ملکوتی تبسم تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ جسے دنیا میں جنت کی ضمانت مل گئی اُس کے بخت اور مقدر کے کیا کہنے۔ جنازہ جا رہا تھا مدینہ اور قرب وجوار کی آبادیوں کے لوگ امڈے آ رہے تھے۔ جنازے کو کندھا دینا سعادت شمار کر رہے تھے۔ لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جنازے میں شریک تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی پنجوں کے بل بڑی حزن واحتیاط کے ساتھ چل رہے تھے ایک صحابی نے عرض کی حضور آپ آج یوں چل رہے ہیں کہ نصیب دشمناں کہیں کوئی تکلیف تو نہیں سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں دراصل آج فلک سے ملائکہ بھی قطار اندر قطار اِس جنازے میں شریک ہیں۔ تل دھرنے کو جگہ نہیں میں بھی سنبھل سنبھل کے احتیاط سے قدم اٹھا رہا ہوں تاکہ قدم پہ قدم نہ آئے۔ جنازہ قدم بقدم جنت البقیع میں پہنچا والی دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم خود پہلے لحد میں اترے پھر اپنے مبارک ہاتھوں سے جنازے کو لحد میں اتارا جب باہر نکلے تو پسینے سے شرابور تھے۔ پسینے کے قطرے چہرہ انور پہ نمایاں تھے یوں لگتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی سخت اور تھکا دینے والا کام کیا ہو۔ دریافت کرنے پہ مسکرا کے فرمایا اِس نوجوان نے نجات کی ضمانت اور جنت کے حصول کی آرزو کی تھی جو میں نے مرحمت فرمادی۔ جونہی لحد میں اتارا گیا حورانِ خلد بلائیں لینے کو ٹوٹ پڑیں اور یہ سارا ریلا میرے قدموں سے ہو کر گزرا۔ مجھے خاصی مشقت اٹھانا پڑی جگہ دینے کے لئے تنگ وَدو کرنا پڑی اسی مشقت وجدوجہد میں پسینے سے شرابور ہو گیا اور چند قطرے میرے عرق کے اِس نوجوان کے کفن نے بھی جذب کر لیے اور اب تاقیامت اس کی قبر اس کا جسد پاک اور اس کا کفن خوشبوؤں میں بسا رہے گا۔

Scanned by CamScanner

عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اِس نوجوان کو وہ اعزاز حاصل ہوا کہ مومن و ملائکہ بھی رشک کریں گے بظاہر تو اِس کے دامن میں نہ نمازیں تھیں نہ عبادت تھی اور نہ ایک بھی سجدہ بندگی جبیں پہ ثبت تھا

تیری چوکھٹ پہ سر ہو اور تارِ زندگی ٹوٹے
یہی انجامِ الفت ہے یہی مرنے کا حاصل ہے

خادمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کا

عشقِ رسول

اسلام میں غلامی کا تصور

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے

"صرف اللہ کی عبادت کرو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ قریبی عزیزوں، یتیموں، مسکینوں، قریبی ہمسایوں، قریبی دوستوں اور مسافروں وینز جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہیں سے احسان کرو"۔ (سورۂ نسا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات عالیہ

1: نماز پڑھو اور اللہ سے ڈرو غلاموں کے معاملے میں (سنن ابی داؤد)

2: حضرت ابی ذر سے روایت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"یہ غلام تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دیا ہے اِس لئے جس کا بھائی اُس کے قبضے میں ہو اُسے وہی کھلاؤ جو خود کھاتا ہے اُسے ویسا ہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اُن کو ایسے کام کی تکلیف دو جو اُن سے ہو سکے اور اگر اُن کو تکلیف دو تو اُن کی مدد کرو"۔ (بخاری شریف)

3: حضرت ابوذر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"غلاموں اور لونڈیوں میں سے جو تمہارے مزاج کے موافق کام کرے تو اُس کو وہی کھانا کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی کپڑا پہناؤ جو خود پہنتے ہو جو نا موافق ہو اُس کو بیچ ڈالو اور اللہ کی مخلوق کو عذاب نہ دو"۔ (سنن ابی داؤد)

4: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غلام کو کتنی مرتبہ معاف کروں اِس پر نبی اکرم خاموش رہے اُس نے پھر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں خادم کو کتنی بار معاف کروں تو آپ نے فرمایا ہر روز ستر بار۔ (ترمذی شریف)

5: سیدنا صدیق اکبر سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص غلاموں سے

بدسلوکی کرے گا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ترمذی شریف)

6: حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "غلام کو کھانا کھلاؤ اور کپڑا دو اور اتنا ہی کام لو جس کی طاقت ہو"۔ (مسلم شریف)

7: حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص اپنے غلام کو طمانچہ مارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے۔ (صحیح مسلم شریف)

ان احکامات سے واضح ہوا کہ اسلام میں غلام، غلام ہی نہیں رہتا بلکہ اسلامی معاشرے کا فرد بن جاتا ہے اور اسے وہی حقوق حاصل ہوتے ہیں جو ایک آزاد شخص کو حاصل ہیں۔

اسلام کے عطا کردہ نظامِ زندگی کی شان ہے جس میں بندہ و آقا، عبد و مولیٰ، بندہ اور بندہ نواز سب برابر اور بھائی بھائی ہیں سب کے اپنے اپنے حقوق ہیں اور فرائض ہیں اِن حقوق و فرائض میں کوئی تفریق یا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ دینِ حق نے اولادِ آدم کو جو عظمت و تکریم بخشی ہے اُس میں مالک و مملوک، آقا و غلام اور محتاج و غنی سب شریک ہیں اسلام نے سود و شراب کی طرح غلامی کو قطعی حرام و ممنوع تو قرار نہیں دیا (اور اس میں بے شمار مصلحتیں ہیں) مگر اسلامی تعلیمات کا مطمح حقیقی یہی ہے کہ طلاق کی طرح غلامی بھی البغض الحلال ہی ہے۔

تعلیمات اسلامی کے اِسی منشاو مقصود کی رو سے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کر کے غلام کو منہ بولا بیٹا بنایا (حضرت زید بن حارثہ) اور اُن کا نکاح اپنی سگی پھوپھی کی لختِ جگر حضرت زینب بنت جحش سے کیا۔ اور لشکرِ اسلام کی قیادت ایک ایسے غلام زادے (حضرت اسامہ بن زید) کے سپرد کی جس کے ساتھ پیدل چلنا خلیفہ وقت کے لئے باعثِ فخر و سعادت ٹھہرا۔ غلامانِ اسلام نے تاریخ میں وہ عظمتیں پائی ہیں جو آزادوں کے لئے بھی قابلِ رشک ہیں تدریس و اصلاح اِفتا و قضا اور سیاست و حکومت میں غلامانِ اسلام کا حصہ آزادگانِ اسلام سے کسی طرح کم نہ تھا۔

غلامی کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنی کہ نسل انسانی کی۔ اس کا رواج دورِ قدیم سے چلا آرہا

ہے۔ ظہور اسلام سے قبل روم، یونان، مصر، بابل وغیرہ میں غلامی موجود تھی اور ان کے ساتھ نہایت ہی تذلیل آمیز رویہ روا رکھا جاتا تھا ان کے کوئی حقوق نہ تھے اسلام سے قبل عرب میں بھی ہمسایہ طاقتوں روم یونان کی طرح غلامی کا رواج تھا۔

اسلام نے اسے یکسر تو ختم نہ کیا لیکن اِسے وہ حقوق و مراعات دیں کہ انہیں آزاد لوگوں کے ساتھ لا کھڑا کیا۔ اسلام نے دنیا کو غلامی سے روشناس نہیں کرایا بلکہ اس کی اصلاح کرنے کی سعی کی۔

اسلام نے غلامی کو ختم کیوں نہ کیا اس کا جواب باسورتھ اسمتھ اپنی کتاب "محمد اور محمڈن ازم بی ڈبلیو اسمتھ 231" میں یوں دیتا ہے "محمد نے غلامی کو بالکل ختم نہیں کیا کیونکہ اُس وقت عربوں کی حالت ایسی تھی کہ نہ تو ایسا کرنا ممکن تھا اور نہ مناسب لیکن آپ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دلائی اور اُن سے مہربانی کے ساتھ پیش آنے کی تلقین فرمائی"۔

اسلام نے روم، یونان، مصر، بابل اور عرب کے عہد جاہلیت کے جو ظلم اِن پر روا رکھے جاتے تھے اُن کا خاتمہ کیا اور ایسے احکام نازل فرمائے جن سے غلاموں کو انسانیت میں بلند مقام حاصل ہو گیا۔

آزاد کرنا غلام کا، کھانا کھلانا بھوکے کا، یتیم قرابت والے کا یا فقیر خاک اُفتادہ کا (سورۂ بلد)

"اور بے شک عزت دی ہم نے بنی آدم کو اور چڑھایا ہم نے اُن کو سواریوں پر بیچ خشکی اور دریا کے اور اِن کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور بزرگی دی اُن کو اوپر بہتوں کے ان لوگوں سے کہ پیدا کیے ہیں ہم نے" (بنی اسرائیل)

"اے بنی نوع انسان ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبائل اور شاخیں بنائیں اس لئے کہ تمہاری پہچان ہو سکے اللہ کے نزدیک قابل عزت وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے" (سورۃ الحجرات)

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل

لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

"عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر سیاہ کو سرخ پر اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں بجز تقویٰ کے بے شک اللہ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے"   (حجۃ الوداع)

Scanned by CamScanner

غلامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہونا سب سے بڑا اعزاز

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ زر خرید غلام کوئی نہیں رکھا۔ اگر کسی نے کوئی غلام ہبہ یا خدمت کے لئے پیش بھی کیا تو اُسے آزاد کر دیا چاہے تو رہے ورنہ جہاں دل کرتا ہے چلا جائے۔ نہ صرف آزاد کیا بلکہ زادِ راہ بھی اپنے ذمہ لیا۔ لیکن جو بھی ایک دفعہ دربار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گیا پھر اُس نے غلامی کو آزادی پہ ترجیح دی۔ درِ مصطفیٰ اور دربار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جاروب کشی کو سرمایہ حیات اور اپنے لئے اعزاز جانا اور ساری زندگی خدمتِ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو یہ اعزاز بخشا کہ اپنے بیٹے بنا لیا ۔منہ بولے بیٹے یا متبنّیٰ کی مخالفت قرآن مجید میں کر دی گئی تو ''مولیٰ'' کی اصطلاح ایجاد ہوئی۔ ویسے تو ہر مومن کی خواہش اور تمنا ہوتی ہے کہ درِ رسول کی غلامی کا شرف نصیب ہو جائے اِسی لئے تو اُن کا نعرہ ہے

غلام ہیں غلام ہیں رسول کے غلام ہیں

اور

غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے
جو ہو نہ عشق مصطفیٰ تو زندگی فضول ہے

اگلے صفحات میں اُن صحابہ کرام کے عشق کا تذکرہ ہے جنہوں نے اپنے آپ کو خدمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دیا کوئی نہ کوئی خدمت اپنے ذمہ لے لی اور پھر اُسے تا حیات نبھایا حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بھی ایسے ہی خوش نصیبوں میں شامل تھے کہ ایک بار آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے خدمت گزاروں میں شامل ہوئے اور پھر اس نسبتِ غلامی پہ ہمیشہ نازرہا اور کبھی کسی قیمت پر اِس اعزاز سے دستبردار ہونے کو تیار نہ ہوئے۔

ایک دن چاہِ زم زم کی چار دیواری میں بیٹھے ہوئے تھے اور تیر درست کر رہے تھے۔

حضرت عباس کی زوجہ محترمہ بھی وہیں موجود تھیں اسی اثنا میں ابولہب آیا اور حجرے کی عناب کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے بعد ابوسفیان بھی وہاں پہنچ گیا اور بدر کے بارے میں سلسلہ کلام کا آغاز ہوا ابوسفیان نے کہا مسلمانوں نے ہماری ساری قوت تباہ کر دی۔ ہمارے کئی سرداروں اور بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا اور کافی ساروں کو قید کر لیا۔ خیر اس طرح کی باتیں تو اس طرح کے کاموں میں ہوتی ہیں کوئی جیتتا ہے اور کوئی ہارتا ہے۔ کسی کا کم نقصان ہوتا ہے اور کسی کا زیادہ۔ لیکن سب سے عجیب بات یہ ہوئی کہ کافی سفید پوش سوار عجیب ڈیل ڈول، سب سے الگ چال، اجنبی چہرے نہ دیکھے نہ بھالے میدانِ جنگ میں شریک تھے نہ عربوں جیسی شکلیں نہ ہمارے جیسے قد یہ سن کر ابورافع سے نہ رہا گیا بولے یہ ملائکہ تھے جو قطار اندر قطار آسمان سے اتر کر شریک جنگ تھے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

یہ بات ابولہب کو ناگوار گزری یہ سن کر طیش میں آ گئے۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کے منہ پر تھپڑ مارا۔ حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ بھی آگے سے الجھ پڑے۔ ابولہب سرداران قریش میں سے تھا جبکہ حضرت ابورافعؓ غلاموں میں سے بھلا ابولہب یہ تذلیل کیسے گوارا کرتا لہٰذا ابولہب غصے سے پاگل ہو گیا اور حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو بے تحاشا مارا۔ حضرت عباس کی بیوی نے چھڑایا۔

حضرت رافعؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے ایک دفعہ حالتِ کفر میں قریش نے کسی ضرورت اور مجبوری کی خاطر انہیں سفیر بنا کر مدینہ منورہ بھیجا یہ مدینہ منورہ پہنچے جب پہلی نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پہ پڑی تو ابورافع کی دنیا ہی بدل گئی۔ مقدر نے یاوری کی چہرہ تاباں سے پھوٹنے والی شعاؤں نے اس کے تاریک گوشوں کو منور کر دیا۔ اندر کی تاریکیاں چھٹ گئیں تو اندر کے نہاں خانے روشن ہو گئے۔ انہوں نے اسلام قبول کر لیا کلمہ پڑھنے کے بعد عرض گزار ہوئے میں اب واپس نہ جاؤں گا یہیں مدینہ میں آپ کے قدموں میں رہوں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے آدابِ سفارتکاری کے خلاف گردانا وہ ذاتِ پاک

جو قانون وعدل کی پاسداری وترویج کے لئے مبعوث ہوئی تھی بھلا اُس ذات سے قانون کی معمولی سی خلاف ورزی کی توقع بھی کیسے کی جاسکتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ واپس مکہ پہنچ کے بھی اگر تم حالت ایمان پہ قائم رہے تو پھر وہاں سے دوبارہ ادھر مدینہ میرے پاس آجانا۔ اب ذرا تصور کریں کہ قبول اسلام کے بعد مکہ واپس جانا شکار کا خود صیاد کے ہاتھ آجانے کے مترادف تھا اور یہ کتنا کٹھن اور جان جوکھوں کا کام تھا اور جان کو خود ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف تھا لیکن ابورافع نے حکمِ رسالت پہ لبیک کہا غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ آئے اور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقیم ہوگئے۔

حضرت ابو رافع ایک قبطی غلام تھے۔ بعض اسلم اور بعض ابراہیم نام بتاتے ہیں مگر مشہور اسلم کے نام سے ہیں اور ابو رافع کنیت ہے۔ یہ ایک مشترکہ غلام تھے سعید بن العاص اور بعض دوسرے مالک تھے۔ سعید بن العاص نے بقدر اپنے حصے کے آزاد کردیا اور بقیہ لوگوں سے حضرت عباسؓ نے خرید کر مکمل طور پر آزادی دلادی اور حضرت عباسؓ نے خرید کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے ہبہ کردیا۔ حضرت عباسؓ مسلمان ہوئے تو اسی خوشی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع رضی اللہ عنہ کو آزاد کردیا اور اپنی کنیز سلمٰی سے شادی کردی اِن کے بطن سے حضرت عبداللہ پیدا ہوئے۔ آزادی ملنے کے باوجود انہوں نے درِ رسالت کو چھوڑا نہیں بلکہ اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگے رہے اور اسے باعثِ افتخار گردانا۔

فکرِ آخرت

اَسّی (80) برس کی عمر میں جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت سعد زیارت اور عیادت کو آئے آپ انہیں دیکھ کر رو پڑے۔ حضرت سعد نے کہا ''آپ روتے کیوں ہیں آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ آپ حوضِ کوثر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے والے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے بہت خوش گئے ہیں اور پھر آپ کی ملاقات پہلے سے بچھڑنے والے ساتھیوں سے بھی ہوگی یہ سن کر اِس خوش بخت نے کہا ''میں موت سے نہیں ڈرتا نہ اب مزید جینے کی آرزو ہے دنیا کی حرص بھی اب باقی نہیں ہے رونا تو اِس بات کا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا تمہارے پاس اتنا سامان ہونا چاہیے جتنا ایک مسافر کو درکار ہوتا ہے مگر یہاں میرے پاس اتنے سانپ جمع ہیں کہ اِن کی موجودگی میں اپنے رب اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہوتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہ سانپ کیا تھے یہ سامان کیا تھا ایک لکڑی کا پیالہ ایک لگن ایک تشلہ بھلا یہ مردِ قلندر اور مالکِ استغنیٰ کون تھے یہ حضرت سلمان فارسی تھے یہ غلام ہو کے اسلام میں آئے اور گورنر مدائن بنے یہ تھا گورنر مدائن کا کل اثاثہ، یہ تھی حضرت سلمان فارسی کی کل کائنات پھر بھی فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاس دَمِ مرگ اتنے فکر مند اور لرزہ براندام اور آخرت کا اتنا خیال عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا رنگ چڑھا کہ عشق کی بھٹی میں سے کندن بن کے نکلے۔

تم تو 'سفینہ' ہو

ایک سفر درپیش ہے والی دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم محوِ سفر ہیں صحابہ کرام بھی شریک سفر ہیں زادِراہ ودیگر سامانِ ضرور یہ ساتھ ہے۔ اِسی سفر میں ابوعبدالرحمٰن بھی شامل تھے۔ جوکوئی تھک جاتا وہ اپنا سامان اِن کو دے دیتا۔ اِس طرح اِن کے پاس بہت سا بوجھ جمع ہوگیا جوکوئی سامان دیتا یہ اپنی پشت پہ لاد لیتے۔ سر پہ بھی بوجھ پشت پہ بھی سامان کسی سے انکار نہیں سرکارِ دو جہاں، والی کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا "تم تو "سفینہ" یعنی کشتی ہو۔ پھر اُس لقب کو عزیز از جان گردانا۔ اِسے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ انعام سمجھا یہی اپنی شناخت اور پہچان بنالیا اور اِسی نام سے پکارے جانے میں ہمیشہ فخر محسوس کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشانی اور آپ کی عنایت و پیار کا عطیہ سمجھ کے اِسی کو نام کے طور پر اپنالیا۔ یہ جب تک زندہ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کو سرمایہ حیات جانا اور دِل وجان سے اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالاتے رہے۔

نام مہران، کچھ لوگ نام رومان یا عبس بن فروخ بتاتے ہیں کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی۔ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے رنگ بالکل سیاہ تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'سفینہ' لقب عطا فرمایا اور اِس عاشقِ صادق نے یہ لقب بطور تمغہ ساری زندگی کے لئے سینے پہ سجا لیا۔

فنِ قرات کے اِمام

حضرت صدیق اکبر کے زمانے میں جب جھوٹے نبیوں کا فتنہ کھڑا ہوا تو حضرت صدیق اکبر نے فوری اِن کی سرکوبی کا سامان کیا۔ کئی منافقین نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ گو ابھی خلافتِ ابوبکر کا آغاز تھا کئی مسائل درپیش تھے لیکن آپ نے سب سے اوّلیت اِس فتنہ کو دی اور فوراً اِن کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیجے۔ مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے جنگ یمامہ ہوئی اِس فوج کے ایک حصے کی کمان حضرت سالمؓ کے سپرد ہوئی اور علم بردار بنائے گئے۔ ایک شخص نے اعتراض کیا کہ ہم کو تم سے اندیشہ ہے (چونکہ حضرت سالمؓ ایرانی النسل تھے) ہم کسی اور کو علم بردار بنائیں گے۔ حضرت سالمؓ نے جواب دیا ''بیشک میں غیر عرب ہوں۔ ہوں بھی غلام لیکن خدا کی قسم میں نے کلمہ پڑھا ہے میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لایا ہوں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا پٹہ زیب گلو کیا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانا ہے میں اپنے آقا کی رسالت کے لئے، اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سر تو کٹوا سکتا ہوں لیکن پیٹھ نہیں دکھا سکتا اگر میں کم ہمتی یا بزدلی دکھاؤں تو بدبخت ہوں''۔ یہ کہہ کر لشکر کی صفوں میں گھس گئے۔ بہادری سے لڑے اور علم کو تھامے رکھا فوج کا حوصلہ بڑھایا۔ جب دایاں بازو کٹ گیا تو علم بائیں بازو میں تھام لیا جب یہ بھی کٹ گیا تو منہ سے تھام لیا اور دنیا کو دکھا دیا کہ ایسے ہوتے ہیں رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام۔ یوں ہوتے ہیں سرفروشانِ اسلام اور اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

جب زخموں سے چُور چُور ہو گئے تو گھوڑے پہ توازن قائم نہ رکھ سکے اور گر پڑے گرتے ہی حضرت ابوحذیفہ کے بارے میں پوچھا۔ بتایا گیا وہ تو شہید ہو گئے پھر پوچھا وہ شخص کیا ہوا جس نے میری وفاداری پہ شک کیا تھا لوگوں نے بتایا وہ بھی جامِ شہادت نوش کر گئے تو آپ نے

وصیت فرمائی کہ مجھے دونوں کے درمیان دفن کرنا اور اِس امر کو بھی ملحوظ رکھنا کہ میرا سر وہاں ہو جہاں ابوحذیفہؓ کے قدم ہوں۔ وصیت کے الفاظ ادا کرنے کے بعد جان، جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

حضرت سالم کی آواز بہت بلند اور نہایت شیریں تھی قرآن مجید کی تلاوت بڑی خوش الحانی سے کرتے تھے۔ اِسی وجہ سے فن قرات کے اِمام مانے جاتے ہیں لوگ اُن کی زبانی قرات سن کے وجد میں آجاتے تھے بڑی خوش الحانی اور ترتیل سے تلاوت فرماتے تھے لوگوں پہ نشہ سا طاری ہو جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے قرآن چار آدمیوں سے سیکھو حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت سالم۔

ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کسی کام سے باہر تشریف لے گئیں۔ واپسی میں دیر ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاخیر کا سبب پوچھا تو حضرت عائشہ نے کہا میں واپس آرہی تھی کہ راستے میں ایک شخص بیٹھا نہایت شیریں آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا اُس کی آواز میں نہ جانے کیا جادو تھا کہ میں محو ہوگئی میرے قدم ساکت ہوگئے۔ میں کھڑی سنتی رہی اور تاخیر ہوگئی۔ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود نہایت شتابی سے اٹھے بے تابی سے باہر گئے تاکہ وہ بھی اِس آواز سے لذت یاب ہوسکیں بازار میں پہنچے تو دیکھا کہ حضرت سالم دنیا و مافیہا سے بے خبر تلاوت کلام مجید فرما رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم چپ چاپ تادیر سنتے رہے پھر فرمایا خدا کا کتنا بڑا کرم ہے اُس ذاتِ پاک کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سالم جیسے لوگ میری امت میں پیدا کیے۔

اِسی وصف کی بدولت تمام صحابہ حضرت سالم کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے اور کبھی کبھار نماز پڑھانے پہ بھی مجبور کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق ، حضرت عمر فاروق ، ابوسلمہ، عامر بن ربیعہ جیسے مقتدر صحابہ اقتدار کرتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے وقت مدینہ آمد سے پہلے جو مہاجرین مدینہ پہنچے حضرت سالم ہی ان کی جماعت کرواتے۔

حضرت عمر نے آخری وقت فرمایا ''اگر آج حضرت سالم زندہ ہوتے تو میں خلافت

کے مسئلہ کو مجلس شوریٰ میں نہ لے جاتا یعنی حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرتا اور ہمیشہ کے لئے بے فکر ہو جاتا کہ میرے پیچھے کیا ہوگا۔ بھلا دنیا کی کوئی قوم، دنیا کا کوئی مذہب غلاموں کو ایسا اعزاز دے سکتا ہے۔

مختصر تعارف یوں ہے۔ نام سالم کنیت ابو عبداللہ۔ والد کا نام عبید بن ربیعہ اور بعض معقل نام لکھتے ہیں یہ ایران کے رہنے والے تھے اصطخر ان ان کا آبائی وطن تھا۔ ثبیتہ بنت یعار انصاریہ کی غلامی میں مدینہ پہنچے انہوں نے آپ کو آزاد کر دیا۔ ابو حذیفہ نے ان کو متبنٰی بنالیا اور اپنی بھتیجی فاطمہ بنت ولید سے شادی کر دی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ شروع کی تو انہوں نے حضرت ابو حذیفہ کے ساتھ آ کر اسلام قبول کیا۔

ابتدا میں یہ سالم بن ابو حذیفہ کے نام سے پکارے جاتے تھے لیکن جب قرآن مجید نے منہ بولے بیٹے کو اپنے نسب سے پکارنے کے لئے کہا تو حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ سے پکارے جانے لگے۔

ایسی غلامی پہ ہزار آزادیاں قربان

انسان آزاد پیدا ہوا ہے بعد کے حالات بعض اوقات اُسے غلامی میں جکڑ لیتے ہیں آزادی انسان کا پیدائشی اور فطری حق ہے آزادی اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ نعمت ہے ہر آدمی آزادی کا طالب ہے اور خواہشمند ہے۔ آزادی کے حصول کے لئے آدمی ہر قربانی دینے کو ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ ہو سکے تو معاوضہ دے کے طوقِ غلامی اتار پھینکتا ہے۔ درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کیا در ہے جس نے ایک دفعہ جبینِ نیاز درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ جُھکا دی وہ پھر اسی در کا ہو رہا۔ جس نے دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بار غلاموں کی فہرست میں نام درج کروالیا پھر اُس نے درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کو آزادی پر ترجیح دی۔ حضرت زید، حضرت ثوبان اس کی بین مثالیں ہیں ایسے ہی خوش نصیب حضرت شقران بھی تھے۔ نام صالح لقب شقران عدی کے بیٹے حبشی نژاد غلام تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اِن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا رسولِ خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کے خدمت گزاری کے لئے پسند فرمایا لیکن غزوۂ بدر میں ان کی خدمات سے خوش ہو کر آزادی عطا فرما دی۔ حضرت شقران صالح کو آزاد تو کر دیا گیا لیکن انہوں نے غلامی کو آزادی پر ترجیح اور فوقیت دی یہ حُبِّ مصطفیٰ اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز اور نشہ ہی تو تھا کہ چہرہ محبوب کو تکتے رہنا ان کی عبادت تھی۔ خدمتِ آقا صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سعادت تھی گفتارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب ہونا ان کی دولت تھی۔ صحبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُیسّر آنا ان کے لئے سرمایہ حیات تھا بھلا ایسے عاشق درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دُوری اور فرقت کیسے گوارا کرتے ایسی رفاقت پہ ہزار آزادیاں بھی قربان۔

حضرت شقران نہایت دیندار، دیانتدار اور حد درجہ امین تھے۔ اکثر غزوات میں شریک ہوئے جنگی قیدیوں کی حفاظت اور مالِ غنیمت کی نگرانی اِن کے سپرد ہوتی ان کی دیانتداری پہ سرکار

دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا کلی بھروسہ تھا۔ غزوۂ مریسیع میں مالِ غنیمت کی حفاظت اور غزوۂ بدر میں جنگی قیدیوں کی دیکھ بھال ان کے سپرد کی۔ حضرت شقران بھی ایسے جانثار، ایسے عاشق کہ آزادی ملنے کے باوجود دَرِ رسالت کو نہیں چھوڑا۔ وفاشعاری، محبت اور عشق کی اِس سے بڑی دلیل کیا ہوگی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال کے وقت جسمِ اطہر کو سپردِ زمین کرتے وقت اہل بیت کے ساتھ آپ بھی شریک تھے جو چادر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیب تن تھی شقران اس کو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے۔ یہ آخری خدمت تھی جو اس جانثار، خدمت گزار اور عاشقِ صادق نے اپنے مُرَبی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی انجام دی۔

موذنِ رسول

حضرت بلال کے والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ حضرت بلال حبشی
مولدین میں سے تھے (باپ کی طرف سے عرب اور ماں کی طرف سے غیر عرب) ایک بہن بھی
تھی جس کا نام غفرہ تھا جو عبداللہ کی باندی تھی۔ جائے پیدائش میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک
مکہ میں پیدا ہوئے اور بعض کہتے ہیں کہ سراۃ میں پیدا ہوئے جو یمن اور حبشہ کے نزدیک ہے۔ یہی
روایت زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے البتہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی پرورش مکہ میں ہوئی
قریش کے مشہور قبیلہ بنو جمح میں پروان چڑھے آپ پہلے سات ایمان لانے والے مسلمانوں میں
شامل تھے۔ حضرت خدیجہ، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی، حضرت عمار، حضرت سمیہ، حضرت
صہیب اور حضرت بلال۔ یہ امر تحقیقی طور پر پوری طرح ثابت نہ ہے کہ بنو جمح میں کون لوگ حضرت
بلال اور ان کی والدہ ماجدہ کے سردار و آقا تھے۔ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں ایک یہ کہ اسی
قبیلہ کی کسی محترم خاتون کی سرپرستی میں تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابو جہل کے بیٹوں کے پاس
تھے۔ بعض کے مطابق عبداللہ بن جدعان کے غلام تھے اور انہوں نے اسلام لانے کی پاداش میں
امیہ بن خلف کو دے دیا تھا اور بعض کے نزدیک امیہ بن خلف اور ان کی اولاد کی غلامی میں
تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے آزادی دلائی قیمت اور زرِ رہائی میں بھی اختلاف ہے بعض پانچ
اوقیہ سونا بتاتے ہیں بعض چالیس اوقیہ چاندی کا کہتے ہیں بعض کے نزدیک سودا ایک اور دس دینار
میں طے ہوا بعض کہتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے یہ معاوضہ دینے کے ساتھ اپنا غلام نسطاس
بمعہ خاندان کے دیا تھا لیکن یہ روایت قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی یہ مشکوک نظر آتی ہے کیونکہ
حضرت ابوبکر صدیق ایسے انسان نہ تھے کہ اپنے کسی آدمی کو کسی مشرک کے حوالے کرتے حالانکہ
آپ تو مظلوم لوگوں کو خرید کر کے آزاد کرنے والوں میں سرفہرست تھے۔ حضرت بلال کے آقا نے
سودا طے ہونے کے بعد کہا کہ اگر تم ان کو ایک اوقیہ سونا میں بھی خریدتے تو میں تمہارے ہاتھ بیچ دیتا

تم کوتو میں نے بے وقوف بنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے جواب دیا" اگر تم اس کے سوا اوقیہ بھی طلب کرتے تو میں پس وپیش نہ کرتا اور میرے لئے یہ سودا پھر بھی مہنگا نہ ہوتا تو اس غلام کی قدر و قیمت کیا جانے میرے نزدیک تو یمن کی بادشاہت بھی اس کے بدلے میں کم ہے"۔

حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پاتے ہی خرید لیا اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کی خرید میں شرکت چاہی تو حضرت صدیق اکبر نے جواب دیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے تو خرید کر کے آزاد بھی کر دیا ہے۔ آزادی دلانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا معتمد اور خزانچی مقرر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانچی بھی رہے اور موذنِ اوّل بھی ٹھہرے۔

حضرت بلال نچلے، مفلس، مظلوم وغلام طبقے میں سے پہلے صحابی رسول ہیں جنہیں ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ بے کس و بے بس و بے سہارا تھے اور پھر ایسے وقت ایمان لائے جب ایمان لانے کی کڑی قیمت چکانا پڑتی تھی۔ ایمان لانے کی پاداش میں ظلم وستم، مصائب وآلام کی بھٹی میں سے گزرنا پڑتا تھا۔ حضرت بلال پر ظلم وستم، ایذا واستبداد کی انتہا کر دی گئی اذیت کے نت نئے طریقے ایجاد کیے گئے کون سا ایسا ستم تھا جو آپ پہ روا نہ رکھا گیا ہو جونہی حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے تو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے انگاروں پہ لٹایا گیا۔ گرم سلاخوں سے داغا گیا۔ عریاں جسم پہ کوڑے برسائے گئے۔ پیاسا رکھا جاتا۔ چلچلاتی دھوپ میں شدت پیاس سے ہونٹوں پہ پپڑیاں جم جاتیں۔ عرب کے تپتے ہوئے ریگزار پہ لٹا کے سینے پر گرم پتھر رکھے جاتے لیکن یہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ فرزانہ عشق میں سرشار وسرمست مصائب جھیلتے اور اف نہ کرتے قریش مظالم کے باوجود اس کے حوصلوں کو شکست نہ دے سکے۔ خواجہ فریدالدین عطار اپنی کتاب "منطق الطیر" میں لکھتے ہیں حضرت بلال کے کمزور و ناتواں جسم پر لاٹھیوں کی ضربیں کوڑوں کی بارش جسم بھی ننگا، کھال ادھڑ گئی خون بہتا رہتا لیکن اس جانثار اسلام موذن الرسل، خادم الرسل، فدائی الرسل کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی انہیں کہا جاتا کہ تمہارا دین لات و

عزیٰ کا دین ہے مگر بلال کہتے میرا پروردگار اللہ ہے اور احد احد پکارتے قریش کہتے
"اکفر بمحمد" محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کردیہ کہتے ایسا ہرگز نہ ہوگا میں دامن مصطفیٰ صلی
اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو جاؤں یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و توحید بیان کرنے
لگتے۔حضرت بلال کے بارے میں امام حلبی فرماتے ہیں" بلال احد احد کہہ کر عذاب کی تلخی میں
ایمان کی مٹھاس شامل کرتے تھے"۔

قریش نت نئے ستم ایجاد کرتے عذاب کے نئے طریقے اختیار کرتے۔حضرت ابوبکر
صدیقؓ کا بھی وہاں سے گزر ہوتا آپ سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عذاب نہ دیکھا جاتا ایک
دن امیہ بن خلف سے کہا" تم اِس اسود (کالے) پہ جتنے چاہو ستم کرلو تم اِسے راہِ مستقیم سے ہٹا نہیں
سکتے بہتر ہے تم اِس کالے کو میرے ہاتھ بیچ دو"۔اُمیہ راضی ہوگیا اور یوں حضرت ابوبکر نے اِن کو
آزاد کرایا۔حضرت بلال آزادی کے بعد جب بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے اور
دربار نبوی سے وابستہ ہوئے۔آپ نے صحبت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچنے کے بعد اپنے آپ
کو خدمت آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کردیا۔اپنا چین و آرام، راحت و سکون و قرار، اپنے
آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان کردیا نہ جان کی پرواہ نہ آرام و قرار کی سب کچھ اپنے آقا صلی
اللہ علیہ وسلم پہ قربان کردیا۔سفر ہو یا حضر، گھر ہو یا سرِ راہ کبھی اپنی راحت کی پرواہ نہ کرتے صرف
اور صرف اپنے آقا کے آرام و راحت کا خیال کرتے۔زمانہ جنگ ہو یا امن آپ ہر وقت بحیثیت
محافظ و گارڈ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال ہوتے ہمیشہ ساتھ ساتھ ہوتے لیکن ایسے
محافظ بھی نہیں جو شاہ و سلطاں، امرا و وزرا کے ساتھ ہوتے ہیں حضرت بلال نے ازخود بلا معاوضہ
یہ ذمہ داری اپنے اوپر لے لی تھی اِس طرح اِس عاشق و شیدائی کو ہمہ وقت دیدار، رفاقت
و مصاحبت کا موقع میسر رہتا یہی تو ان کی تمنا تھی یہی تو ان کے لئے روحانی سرور اور قلبی سکون کا
باعث تھا گرمیوں میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کرتے سخت دھوپ ہوتی تو حضرت بلال
رضی اللہ عنہ نفیس کپڑے کا سایہ کرتے حالانکہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تقاضا نہ کرتے۔

حالتِ جنگ میں چمڑے کا خیمہ نصب کرتے جہاں سے قیام کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ جنگ کا ملاحظہ ومشاہدہ کرتے۔ احکام وفرامین جاری کرتے۔ حضرت بلالؓ خیمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور میدانِ جنگ کے درمیان آمد ورفت رکھتے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے حالات سے باخبر رکھتے۔ ہر قسم کے احکام واوامر بجالاتے۔ کسی خطرے کو خاطر میں نہ لاتے۔ ان فرائض کے ساتھ ساتھ اپنے روزمرہ کے معمولات مثلاً پنج وقتہ نماز، اذان کی ادائیگی، نمازوں اور مجالسِ حدیث ووعظ کا اہتمام کرنا جاری رکھتے۔ آپ مسلمانوں کے مال پر امین ہوتے حضور پاک، صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام وطعام کا بندوبست بھی آپ کے ذمہ ہوتا۔ عید اور نمازِ استسقاء کے موقعوں پر نیزہ برداری کا منصب بھی آپ کے سپرد ہوتا جس کو لے کے وہ آگے آگے چلتے کسی دیگر شخص کو یہ شرف حاصل نہ ہو سکا جو موذنِ رسول کو حاصل تھا۔ سفر کے دوران حضرت بلالؓ اکثر وبیشتر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر ہراوّل دستے کے طور پر آگے جا کر قیام وطعام کا انتظام کرتے یہ اونٹنی کوئی دوسرا شخص استعمال نہ کر سکتا تھا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ والضحیٰ کو تکتے رہنا صحابہ کرام کی عبادت تھی اُن کی زندگی کا اصل اصول اور ماحصل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تھی۔ یہی ان کی حیات کا محور اور یہی ان کی زندگی کا معمول تھا اور یہی شب وروز کا وظیفہ۔ چہرہ اقدس پہ نظریں جمائے رکھنا آپ کی گفتگو سے فیض یاب ہونا یہی ان کی عید تھی آپ کی محفل میں صحابہ کرام کی نشست کا یہ عالم، یہ حال اور نقشہ مختلف احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ صحابہ کرام یوں محو اور بے ساکت بیٹھتے تھے کہ پرندے بھی آکر سروں پہ بیٹھ جائیں تو جنبش نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہجر میں یہ حال تھا کہ مدینہ کی گلیوں میں دیوانہ وار گھومتے تھے اور لوگوں سے پوچھتے پھرتے کہ کسی نے میری سرکار کو دیکھا ہو تو مجھے بھی دکھا دو۔ آخر یہ ہجر قابل برداشت نہ رہا۔ مدینے کی گلیاں ہوں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سنگ نہ ہو تو عشاق کیسے برداشت کرتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ ہو آپ کی محفل میسر نہ ہو تو انہیں کیسے قرار آتا اِسی لئے حضرت

بلال رضی اللہ عنہ کا مدینہ میں رہنا محال ہو گیا انہیں کسی پل چین و قرار نہ آتا۔ لہذا ترکِ اذان کے ساتھ حضرت ابوبکر سے اجازت چاہی۔ گزری یادیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل کا نقشہ کسی پل کسی لمحہ ان کے ذہن سے محو نہ ہوتا اور وہ مسلسل کرب کا شکار رہتے اسی لئے انہوں نے مدینہ چھوڑنے کا قصد کر لیا حضرت ابوبکر نے روکنا چاہا تو آپ کا جواب تھا "اگر آپ نے مجھے اپنے نفس کے لئے آزاد کرایا تو مجھے بے شک روک لیجئے اور اگر آپ نے اللہ عزّ وجل کی خوشنودی کے لئے مجھے آزاد کرایا تو مجھے اجازت دیجئے کہ میں اللہ عزّ وجل کی طرف چلا جاؤں"۔ حضرت صدیق اکبر نے مجبوراً اجازت دی۔ شام میں دمشق کے پاس حلب میں تھوڑی سی اراضی لے کر کھیتی باڑی کر کے گزران کرتے رہے۔

یہ شمع محمدی کا پروانہ، عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں دیوانہ، جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوش و خرد سے بیگانہ، حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشے سے مستانہ دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرزانہ، ہجر و فراق کی تاب نہ لا سکا تو مدینہ چھوڑ کر شام میں دمشق کے نزدیک شہر حلب کے گاؤں خولان جا بسا۔

شروع میں مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے تو ان کا آپس میں رابطہ شخصی تھا "الصلوٰۃ الجامعہ" کی آواز سے مسلمانوں کو نماز اور جماعت کی اطلاع دیتے تھے۔ جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو یہ سوچا گیا کہ مسلمانوں کو نماز اور جماعت کی اطلاع کس طرح دی جائے۔ دوسرے مذاہب کے طریقے پیشِ نظر رکھ کے مختلف تجاویز زیرِ غور آئیں مثلاً بگل بجانا، سنکھ بجانا وغیرہ بگل دستیاب نہ تھا ایک صحابی عبداللہ بن زید الخزرجی نے خواب میں دیکھا جس میں ایک بزرگ بگل لیے جا رہے ہیں تھے اُس صحابی نے اُس بزرگ سے بگل مانگا تو اس نے بگل کے حصول اور ضرورت کے بارے میں دریافت کیا۔ صحابی نے بتایا کہ ہمیں مسلمانوں کو نماز کے لئے بلانے کے لئے درکار ہے تو اس بزرگ نے کہا میں تمہیں اس سے بہتر طریقہ نہ بتاؤں تو انہوں نے اونچی جگہ کھڑے ہو کر یہ کلمات جو آج اذان میں رائج ہیں اونچی اور سریلی آواز میں ادا کیے اِس صحابی نے یہ کلمات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائے حضرت عمر فاروق نے بھی اس سے ملتا جلتا خواب سنایا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب کیا انہیں یہ کلمات بتائے انہوں نے رات کو یہ کلمات یاد کر لیے صبح لوگوں کو بلانے کے لئے یہی کلمات ادا کیے۔ حضرت بلال بلند آواز تھے اور آواز بھی سریلی پائی تھی اِس لئے اذان کا فریضہ مستقل طور پر ان کے حصے میں آیا۔ یوں حضرت بلال موذنِ الرسل، موذنِ اوّل ٹھہرے۔ مسجد نبوی کے پہلے اِمام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بنے اور پہلے موذن حضرت بلالؓ۔ الصلوٰۃ خیر من النوم کے الفاظ صبح کی اذان میں حضرت بلال نے خود اضافہ کیے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بلا شرکتِ غیر اذان دینے کا شرف حاصل رہا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت بلالؓ نے چند دن تک اذان دی پھر انہوں نے اذان دینا ترک کر دی اور پھر اِس انکار پر قائم رہے۔ اِس کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اذان کے دوران اشہد ان محمد الرسول اللہ پر پہنچتے تو بے ساختہ رونے لگتے کیونکہ آپ انگلی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے اب محبوب و مطلوب نظروں اور آنکھوں کے سامنے نہ ہوتا تھا بھلا عاشقِ بیقرار کو یہ فرقت کہاں گوارا ہوتی پھر اُس مقام پہ کھڑے ہو کر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ اور چہرے کو تکتے رہنا میسر تھا اور یہ فخر حاصل تھا اب اذان دینے کا یارا نہ تھا۔ لہٰذا مدینہ چھوڑنے کا قصد کر لیا شام جانے کا فیصلہ کیا ساٹھ سال کی عمر میں جب کہ یہ عمر آرام کرنے کی ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ نے صرف دو دفعہ اذان کہی وصال کے چھ ماہ بعد اِس غلام نے خواب میں اپنے آقا کی زیارت کی اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے بلال! یہ خشک زمین کب تک تمہارے لئے وہ وقت نہیں آیا ہماری زیارت کرو تو نے ہم سے ملنا ہی چھوڑ دیا"۔ خواب دیکھنا تھا اور خواب میں اپنے آقا و مولیٰ، محبوب و مقصود صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا تھا آنکھ کھلی دل بیقرار، آنکھ پرنم، جی مضطرب، طبیعت بے چین فوراً اونٹنی پہ سوار ہوئے جانب مدینہ

رواں ہوئے یاسیدی یارسول اللہ میں حاضر ہوں وردزباں۔ منزلیں طے کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ سیدھے مسجد نبوی گئے۔ مسجد میں کبھی ادھر کبھی اُدھر غلام آقا کو تلاش کر رہا ہے۔ حجروں کا بھی چکر لگا آئے لیکن مراد بر نہ آئی آرزو نا تمام ہی رہی جب دیدار نصیب نہ ہوا قلبی خواہش کی تسکین کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو کہنے لگے غلام کو حلب سے بلایا آتشِ عشق کو بھڑکایا اور شربتِ دیدار پلاتے نہیں آنکھوں کو صورت دکھاتے نہیں یہ کہتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور پہ سر رکھ کر رونا شروع کر دیا ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے جذبات کے سیلاب میں طغیانی آئی آنکھوں سے آنسو چھلکے آخر فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر گرے اور بے ہوش ہو گئے کافی دیر بعد ہوش آیا۔

اتنے میں سارے مدینہ میں پتہ چل گیا کہ عاشقِ رسول، موذن اول، آقا کا فدائی وشیدائی حضرت بلال رضی اللہ عنہ آیا ہے کیا بوڑھے کیا جوان، کیا مرد کیا عورتیں، کیا بچے کیا بڑے سب اکٹھے ہو گئے اور التجا کرنے لگے کہ آج بلال ہمیں اذان سنائیں جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو سناتے تھے ہمارے کان ترس گئے ہیں لوگ ملتمس آپ خاموش۔ آخر گویا ہوئے کہ میری معذرت مجھ میں حوصلہ نہیں یارا نہیں کہ میں اذان سناؤں میں جب اذان کہتا تھا اور **اشہد ان محمد الرسول اللہ** پہ پہنچتا تھا تو میں انگلی سے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتا تھا اب وہ سماں کہاں وہ نظارے اور منظر کہاں میں اذان دینے کی تاب نہیں لا سکتا۔ آخر لوگوں نے باہم مشورہ کیا کہ حسنین (حسن وحسین) کریمین کی فرمائش کو نہیں ٹال سکتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلوں کے کہنے کو بلال رضی اللہ عنہ کیسے رد کریں گے۔ ایک شخص گیا اور شہزادوں کو بلا لایا۔ حسنین کریمین نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی انگلی پکڑلی اور فرمایا "بلال ہمیں وہی اذان سناؤ جو ہمارے نانا جان کو سناتے تھے"۔ اب بلال کو انکار کا یارا نہ رہا۔ لہٰذا اُسی مقام پہ کھڑے ہو کر اپنے انداز میں اللہ اکبر سے اذان شروع کی لیکن جب **اشہد ان محمد الرسول اللہ** پہ پہنچے تو لوگ سسکیاں لے لے کر رونے لگے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ پردہ نشین خواتین

گھروں سے باہر نکل آئیں یوں لگا کہ وقت پیچھے کو مڑ گیا ہے آقا پھر تشریف لے آئے لوگ دیوانہ وار تڑپتے اور روتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وصال کے بعد اہل مدینہ پر ایسی رقت کبھی طاری نہ ہوئی تھی سارے مدینہ کے مکین رو رہے تھے۔ مدینہ کے دیوار و در آہ و زاری کر رہے تھے عشق و محبت اور رقت و گداز کا ایسا منظر فلک نے پہلے کہاں دیکھا ہوگا۔

دوسری دفعہ 16 ہجری کو بیت المقدس فتح ہوا اور حضرت عمر فاروق شام گئے۔ حضرت بلال نے آپ کا استقبال کیا اور باقی تمام سفر میں ساتھ رہے۔ حضرت عمرؓ کے اصرار پر اذان دی حضرت عمر فاروق ، حضرت ابوعبیدہ اور معاذ بن جبل دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

جب مکہ فتح ہوا تو موذن کی حیثیت سے اُس وقت اور زیادہ شہرت ملی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا اور اذان دینے کا حکم صادر فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اذان کے الفاظ جُفت اور اِقامت کے الفاظ طاق ادا فرمائیں۔ حضرت بلالؓ نے پہلی مرتبہ کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی اور یہ ظہر کی اذان تھی اور وہی کعبہ تھا جہاں اللہ کے بندوں کے لئے اللہ کا نام پکارنا جُرم بن گیا تھا۔ یہ حریم قدس تھا جس کو ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے تعمیر کیا تھا اور مدتوں صنم خانہ رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد کے نغمہ توحید سے گونج اٹھا تھا اور یہ وہی اذان ہے جو دنیا کے گوشے گوشے میں پانچ وقت لوگوں کے دلوں میں حضرت سیدنا بلال کی یاد تازہ کرتی ہے۔ حجتہ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام و راحت کا خیال رکھا۔ حضرت بلال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں چل رہے تھے۔ اس سفر کے دوران بھی اذان کی سعادت انہی کے حصہ میں آئی۔

آپ نے ظلم و ستم سہے۔ ایثار و قربانی کی نئی داستانیں رقم کی۔ سرفروشی و جانثاری کی منفرد مثال قائم کی عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے امام ٹھہرے اور بتادیا

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

پھر ان جان نثاریوں، وفاداریوں اور قربانیوں کا صلہ کیا ملا۔ اسلام میں مقام کیا ملا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب جنت میں اپنے آگے آگے حضرت بلال کے قدموں کی چاپ سنی۔ ایک دن تین غلام حضرت بلال حبشی، صہیب رومی اور سلمان فارسی بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ وہاں سے ابوسفیان کا گزر ہوا انہیں دیکھتے ہی حضرت بلال نے کہا کہ غزوۂ بدر میں یہ دشمنِ خدا اور رسول خدا جانے ہماری تلواروں سے کیسے بچ گیا۔ قریب سے حضرت ابوبکر صدیق گزر رہے تھے انہوں نے حضرت بلال کا یہ کلمہ سن لیا تو رک گئے اور فرمایا "بلال! سردارانِ قریش کے بارے میں یوں نہیں کہتے"۔ اور یہی واقعہ بارگاہِ رسالت میں جا کر حضور علیہ السلام کو بتایا تو آپ نے فرمایا "صدیق! کہیں تو نے بلال کو ناراض تو نہیں کر دیا اگر بلال ناراض ہو گیا تو خدا بھی تم سے ناراض ہو جائے گا"۔ صدیق اکبر فوراً الٹے پاؤں بھاگے اور حضرت بلال سے معافی مانگی۔ ایک دفعہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے منہ سے نکلا آخر ہو تو غلام حبشی حضرت صدیق اکبر نے سن لیا اور حضرت عمر سے کہا "عمر! تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچایا"۔ عمر فاروق فوراً حضرت بلال کے قدموں پڑے اور معافی مانگی۔

اقبال کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

ایک روایت کے مطابق بنو ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بہن کی شادی کے لئے درخواست کی اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر آئے اور انہوں نے دوبارہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بہن کے نکاح کی درخواست کی۔ اس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب پھر دہرایا۔ جب وہ لوگ اِسی درخواست کیساتھ بارگاہِ نبوی میں سہ بارہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پھر وہی بات کہی کہ "آخر اُس جنتی شخص کے بارے میں تم لوگ کیوں نہیں سوچتے اُس سے اپنی بہن کا نکاح کر دو"۔

ایک روز ایک حدیث حضرت بلالؓ نے اپنی بیوی سے بیان کی جس کو انہوں نے بڑا عجیب اور حیرت انگیز سا جانا اِس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ طیش میں آ گئے۔ غیظ وغضب میں آکر ان کو پکڑ لینا چاہتے تھے اور یہ جب غصے میں آپے سے باہر ہو گئے تو اپنا مکان چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ راستے میں اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تیور دیکھ کر سمجھ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا بجھا کر اول تو ان کا غصہ ٹھنڈا کیا پھر شفقت ومحبت سے ان کو دلاسا دیا اور بیوی کی طرف سے صدقِ روایت سے متعلق بدگمانی کو بھی نظر انداز کر دیا اور ان کو ساتھ لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا جو کچھ تم سے بلال نے مجھ سے منسوب کر کے بیان کیا ہے وہ سچ ہے بلال کبھی جھوٹ نہیں بولتے بلال پر غصہ نہ کیا کرو یہ سن کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو قرار آیا اور ان کا غصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے مذکورہ کلمات سن کر رفع ہو گیا کیا مقام ہے بلال رضی اللہ عنہ کا جن کے بارے میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرما رہے ہیں کہ بلال کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔

چند صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اِس میں شک نہیں کہ سیدنا بلال جب صدائے اللہ اکبر سے آغاز کرتے ہیں تو لوگ گھروں سے باہر نکل آتے ہیں اور ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں اور حضرت بلال کے گلے میں بلا کی دل آویزی ہے مگر بلالؓ اذان میں اشھد کو اسھد تلفظ کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال رضی اللہ عنہ کی ''س'' بارگاہِ الٰہی میں ''ش'' ہے۔ یہ اعتراض اُسی وقت ختم ہو گیا۔ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت بلالؓ کی اِسی خوش الحانی سے اہل دل کی زندگی وابستہ تھی اور مدینہ طیبہ میں اِس آواز کے اعجاز کا عجب عالم ہوا کرتا تھا۔ فرمانِ نبوی ہے'' جنت اس کو ملے گی جو میری اطاعت کرے گا اگر چہ وہ حبشی غلام ہو اور دوزخ میں وہ شخص جائے گا جو میرا نافرمان ہو گا خواہ وہ کیسا ہی شریف (قریشی ہو''۔ مکہ فتح ہوا تو کعبہ کی چھت پر اذان دی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہوئے تو تین خوش

نصیبوں میں شامل تھے۔ جنہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت و معیت میں اندر داخل ہونے کی سعادت ملی۔ عثمان بن طلحہ، اسامہ بن زید اور حضرت بلال

ایک دن اہل مدینہ نے دیکھا کہ حضرت عمرؓ اپنے عہدِ خلافت میں بازار سے گزر رہے تھے آگے آگے حضرت بلال ہیں حضرت عمرؓ نے انہیں یا سیّدی بلال کہہ کر خطاب کیا۔ یہ کیا مقام حضرت بلال کو حاصل تھا کہ خلیفہ وقت انہیں اپنا آقا کہہ کر پکارتے ہیں۔ حضرت عمر نے اپنے عہد خلافت میں ایک روز بلال سے کہا میں آپ کو اپنی خلافت میں کوئی منصب دینا چاہتا ہوں حضرت بلالؓ ایسے مردِ قلندر اور عشقِ مَست تھے کہ نہ منصب کی حاجت نہ دولت کی تمنا عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مئے شبانہ کے کیف میں اتنے ڈوبے ہوئے تھے کہ انہیں کسی عہدہ یا اعزاز کی خواہش کیوں ہونے لگی۔ معاً اپنی قمیض الٹ کر سینے اور پشت کے داغ اور وہ پھول دکھائے جو اُمیہ بن خلف کی ستم رانیوں اور ظلم کی آگ میں کھل کر اپنے دوامی نقوش چھوڑ گئے تھے ان زخموں کی زبان پکارے دیتی تھی کہ یہ تمغے یہ طُغرے کیا کم ہیں کہ کسی منصب کی آرزو کروں۔ حضرت بلالؓ اپنے عقیدے سے خلوص و پیار لگاؤ اسلام سے پیار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی بنا پر تمام صحابہ کرام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بلکہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمر فاروق کے زمانے میں سب انہیں جلیل القدر صحابی کہتے تھے۔ حضرت عمر فاروق حضرت بلال کے بارے میں کہا کرتے تھے ابوبکر ہمارے آقا و سردار ہیں اور انہوں نے ہی ہمارے آقا کو آزاد کروایا ہے آقا کے لقب سے مراد حضرت بلالؓ ہیں۔ ایک روز اتفاق ہوا کہ ابوسفیان بن حرب، سہیل بن عمرو بن حارث اور عکرمہ بن ابی جہل اور کچھ دوسرے سردار خلیفہ دوم سے ملاقات کے خواہاں تھے حضرت بلالؓ اور حضرت صہیب بھی بیٹھے تھے حضرت عمر فاروق نے ان دونوں کو پہلے بلا لیا ان کی بات پہلے سنی پھر عرب سرداروں سے ملاقات کی۔ ابوسفیان کو سخت صدمہ ہوا وہ برہم ہوا اپنے ساتھوں سے کہا آج جیسا دن کبھی ہم پر نہیں گزرا۔ حضرت عمر نے ان لوگوں کو تو اجازت دے دی اور ہمیں دروازے پہ کھڑے رکھا اس پر سہیلؓ اور

بعض کے نزدیک عکرمہ نے کہا

"اے میری قوم کے لوگو! قسم ہے اللہ کی آج اگر تم کو غصہ نکالنا ہے تو اپنی جان پر نکالو پوری قوم کو دعوت دی گئی اور ساتھ میں تم کو بھی اسلام کا پیغام پہنچایا گیا اور اسلام لانے کی دعوت دی گئی انہوں نے سبقت لی اور جلدی دکھائی اور تم نے دیر لگائی اُس دن کیا ہوگا جب قیامت کے دن بلائے جانے کا شرف بھی انہیں ملا اور تم نظر انداز کر دیے جاؤ گے"۔

حضرت بلالؓ نے ستر سال کی عمر میں وفات پائی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہم عمر تھے موت کے خواہاں تھے وہ اپنی موت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کبار سے ملاقات کا سبب سمجھتے تھے موت کے وقت آپ کی بیوی نے وَا اُحُزْنَا کہا یعنی ہائے افسوس لیکن آپ نے نحیف آواز ڈوبتی نبضوں کے وقت وافرحتا کہا دمشق میں بَابُ الصغیر کے پاس دفن ہوئے آپ کی قبر آج بھی مرجع خلائق ہے اسلام نے انسانی مساوات کا جو سبق دیا ہے اسی کا ایک مظہر حضرت سیدنا بلال کی ذات بھی ہے۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اسلامی برادری میں وہ بلند مقام ملا جس پر اونچے درجے کے خاندانوں کے بڑے بڑے سرداروں کو بھی رشک آتا۔ جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے سنا تو کہا کہ "مات الیوم سیدنا" آج ہمارا سردار فوت ہوگیا شبلی نعمانی نے اس واقعہ کو یوں نظم کیا ہے

عہد فاروق میں جس دن ہوئی ان کی موت
یہ کہا حضرت فاروق نے بادیدہ تر
اٹھ گیا زمانے سے ہمارا قائد
اٹھ گیا آج نقیب چشم پیمبر

تمام صحابہ نماز اور روزہ کے بارے میں ان کی روایتوں کا یقین کرتے تھے عرب کے صحرا میں جہاں سورج غروب ہونے کے بعد بھی دن سا پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور سورج نکلنے سے پہلے ہی روشنی پھیلنی شروع ہو جاتی ہے۔ بعض مسلمانوں کو سحر و افطار کے اوقات کے متعلق تردد رہتا

تھا۔ چنانچہ وہ کہتے تھے ہم نے دیکھا ہے کہ فجر نمودار ہو چکی ہے کبھی کہتے تھے ہم نے سورج کوکلیتاً غروب ہوتے نہیں دیکھا لیکن جب بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھالیا ہے یا آقائے کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلمنے سحری کھانا ترک کردی ہے تو وہ بلالؓ کے قول کو جھٹلاتے نہ تھے۔ اوران میں کسی کے لئے بھی دن کی روشنی کے متعلق شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ حضرت بلال نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں لیکن انہوں نے اپنا کوئی جانشین نہ چھوڑا قتادہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت بلال نے بنی زہرہ کی ایک اعرابی عورت سے شادی کی۔ ایک دوسری روایت سے اس کا نام ھندہ الخولانی پتہ چلتا ہے ابنِ اسحاق کی روایت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اپنا کوئی وارث نہ چھوڑا۔

بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ انہوں نے اپنا کوئی صلبی جانشین نہیں چھوڑا لیکن انہوں نے اپنے بعد اذان کی صورت میں ایسی لازوال روحانی میراث چھوڑی ہے جو دن رات میں پانچ مرتبہ ہر مقام پر سنی جاسکتی ہے۔ اذان سننے والا کبھی کوئی شخص حق کے اِس داعی ومنادی اور موذنِ اوّل کو فراموش نہیں کرسکتا۔

حضرت علامہ اقبال فرماتے ہیں

اذان ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اُس کے نظارے کا اِک بہانہ بنی
اذاں رہ گئی روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی

کم سنی میں خدمت کی سعادت

حضرت انس بن مالک بھی عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم دولت اور حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم نعمت اپنے دامن غلامی میں سمیٹے ہوئے ہیں اور اتباعِ سنت کی نعمتِ گرانمایہ سے بہرہ ور تھے آپ نے بچپن سے نکل کر جب شعور کی آنکھیں کھولیں تو اِسلام کو اپنے خاندان پہ جلوہ فگن پایا۔ اِن کی والدہ ام سلیم، سوتیلے والد ابوطلحہ چچا انس بن نضر، بھائی حضرت براابن مالک، خالہ حضرت ام صرام سبھی حبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھے جلوہ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے۔ ابتدائی سرفروشانِ اسلام کی صف میں مقامِ ممتاز پر متمکن تھے۔ اِن کے خاندان میں رسالتماٰب صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر ذکر اذکار رہتا۔ گھر میں جلوہ جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے چھڑے رہتے۔ کم سن انس نے بچپن سے ایسا ماحول پایا۔ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش شروع ہی سے دِل پہ نقش ہو گئے اور پھر تمام عمر غلامی رسولؐ میں بسر کی۔ صحبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب رہے۔ مسلسل دس برس تک دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہے۔ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل رہا۔ حضورِ مکرم و معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اخلاقِ حسنہ کو قریب سے دیکھا اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے آپ کو رنگ لیا اور یہ رنگ اتنا چڑھا کہ عاشقِ صادق بن گئے۔

نظریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پہ ہوتیں ہمہ وقت جمالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض یاب رہتے اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پہ مامور رہتے بھلا جس کو دیدار کے ہمہ وقت مواقع میسّر ہوں وہ جدائی و فراق کو کیسے گوارا کرتا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا تو انس کی زندگی بے کیف ہو گئی۔ اُس کی دنیا اندھیر ہو گئی ہر وقت مضطرب، افسردہ، بیقرار و بے سکون رہتے ہر وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر خیر کو وردِ زبان رکھتے۔ عہدِ رسالت کا منظر آنکھوں میں بسا رہتا۔ عہد رسالت کا کوئی واقعہ ہوتا یا خود بیان

کرتے تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ جاتے آنسوؤں کا سیل رواں جاری ہو جاتا ہوش وخرد کھو بیٹھتے۔ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے طبیعت بیقرار ہو جاتی فوراً گھر روانہ ہو جاتے اور تبرکات نبوی کی زیارت سے دلِ بیقرار کو کسی حد تک تسکین دیتے۔

ایک دن سرورِ کون ومکاں، آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کر رہے تھے فرما رہے تھے "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی کو ریشم سے زیادہ نرم پایا۔ جسم سے ایسی خوشبو آتی کہ کہیں ایسی خوشبو نہ سونگھی"۔ یہاں تک بیان کرتے کرتے خود پہ لرزہ طاری ہو گیا فرطِ جذبات سے بیقرار ہو گئے اور زبان پہ یہ الفاظ بے اختیار آ گئے "قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو گی تو عرض کرونگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا ادنیٰ غلام اَنس حاضر ہے"۔ آپ کی آنکھوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بسا رہتا دل میں تصویرِ یار کندہ رہتی اِس لئے اکثر خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی اور یوں دلِ مضطرب کو قرار آتا اور راحت وسکون کا کچھ سامان ہو جاتا۔ انہیں اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی ہر شے سے زیادہ محبوب تھے اور یہی عاشقِ زار کا کل اثاثہ ہوتا ہے۔

تیرا دیکھنا میری زندگی

یہ ثوبان کو آج کیا ہوا۔ ثوبان نزدیک آئے تو رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا
"ثوبان خیر تو ہے طبیعت ناساز تو نہیں"۔ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت پہ قربان جائیں
غلاموں کا اتنا خیال۔ احوال دریافت کرنے پہ ثوبان عرض کرتے ہیں آقا! میرے ماں باپ آپ
پہ فدا ہوں خدا کی قسم مجھے کوئی مرض لاحق نہیں نہ میں بیمار ہوں آج اچانک میرے ذہن میں خیال
دَر آیا اور میری یہ حالت ہو گئی آج مجھے یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ مجھے تو تھوڑی دیر کی بھی فرقت وجدائی
گوارا نہیں میری حالت تو یہ ہے کہ میرے محبوب از جان آقا صلی اللہ علیہ وسلمسامنے ہوں میری
آنکھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ اقدس پہ تکی رہیں آنکھ جھپکنے کو دل گوارا نہیں کرتا کہ کہیں
نگاہوں کی تار ٹوٹ نہ جائے میری تو آنکھوں کا وظیفہ ہی چہرہ محبوب کا طواف ہے اگر مجھے درِ مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم سے دُوری ہو گئی اور میری فرقت کے لمحے دراز ہو گئے میری تو جان ہی نکل جائے
گی اگر کبھی ایسی صورت حال پیدا ہوئی تو میرا کیا بنے گا میری تو یہ کیفیت ہے

تیری دید جس کو نصیب ہے وہ نصیب قابل دید ہے
تیرا دیکھنا میری زندگی تیرا بولنا میری عید ہے

اور پھر روز آخر جب یوم حساب اور حشر بپا ہوگا آپ تو میانِ انبیاء مقام بلند پہ فائز
ہوں گے چونکہ آپ سرتاج اور سرور انبیاء ہیں میں تو ایک ادنیٰ غلام ہوں اگر یہ غلام جنت میں چلا
بھی گیا تو پھر بھی کہیں دور تر غلاموں کی صف میں ہوگا اور اگر اِذن بہشت ملا ہی نہ پھر تو فاصلے اور
بھی دراز تر ہو جائیں گے اور اِس غلام کی تو یہ حالت ہے کہ اِک پل کی فرقت گوارا نہیں تھوڑی دیر
کی دوری بھی برداشت نہیں میں تو چہرہ والضحیٰ کی زیارت کے بغیر جی نہیں سکتا ایسی صورت میں اس
غلام کا کیا بنے گا یہ غلام تو فرقت میں تڑپ تڑپ کے رہ جائیگا۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہو گئے فوراً جبریل علیہ السلام

یہ آیہ لے کے نازل ہوئے ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداوالصالحین وحسن اولئک رفیقا

جواللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں تو یہی لوگ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اپنا خاص انعام فرمایا انبیاء صدیقین شھدااور دوسرے نیک لوگ اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔

اِس آیت کے شان نزول کے بارے میں اِمام شعبی مواہب الدنیا میں حضرت عبداللہ بن زید کے بارے میں نقل کرتے ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر نے نقل کیا ہے کہ انصار میں سے ایک صحابی تھے۔ قاضی عیاض مالکی نے الشفاء میں یہی نقل کیا ہے لیکن صحابی کا نام نہیں لکا۔ اِمام بغوی نے اِس آیت کا شانِ نزول حضرت ثوبان کے بارے میں لکھا ہے القصہ مختصر کسی بھی صحابی کے بارے میں یہ آیت اتری ہو یہ امر تو طے ہو گیا کہ جو جس سے پیار کرتا ہے اُسی کے سنگ اٹھایا جائے گا۔

کہاں یہ مقامِ اللہ اللہ

حضرت زید بنؓ حارثہ کے مُقدر کا کیا کہنا کہ دربارِ رسالت تک بطور غلام پہنچے قسمت نے یاوری کی مقدر کا ستارہ چمکا اور غلام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے بن گئے۔ ہر سفر، ہر مہم میں اپنے ہادی و رہنما، ماویٰ و ملجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ خدمت ایثار اور جانثاری کے وہ نقوش چھوڑے کہ اِس جہانِ ہست و بود کے جریدے پر ہمیشہ ثبت رہیں گے اپنے آقا مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عشق کی وہ داستانیں رقم کیں کہ جن کی نظیر ملنا محال ہے۔

حضرت زید بن حارثؓ اپنی والدہ کے ہمراہ ننھیال جا رہے تھے کہ بنو قیس نے وہ قافلہ لوٹ لیا۔ زید بھی لوٹ کے مال میں شامل تھے غلام بنا لیے گئے۔ بنو قیس والوں نے خرید کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطیہ کر دیا۔ زید کے والد کا بیٹے کے فراق میں مغموم ہونا فطری امر تھا۔ وہ زید کی جدائی میں روئے اور فرقت کے غم کو اشعار کے سانچے میں ڈھال کے پڑھتے تھے اور در بدر بیٹے کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے۔ اشعار کا ترجمہ اور مفہوم کچھ یوں تھا ”میں زیدؓ کی یاد میں رو رہا ہوں اور یہ بھی نہیں جانتا کہ زید زندہ بھی ہے یا موت نے آلیا۔ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو زید کی یاد لے کے آتا ہے جب بارش ہوتی ہے تو بھی ان کی یاد آتی ہے۔ میں ساری دنیا کا چکر لگاؤں گا ساری زندگی تلاش میں گزار دوں گا یہاں تک کہ موت آ جائے“۔ الغرض وہ اشعار آہوں اور سسکیوں کے ساتھ درد بھرے انداز میں پڑھتے تھے اور زید کو ڈھونڈا کرتے۔ اتفاق سے ان کے قبیلے کے کچھ لوگ حج کو مکہ مکرمہ آئے۔ انہوں نے زید کو پہچان لیا انہیں باپ کی حالتِ زار سے آگاہ کیا۔ حضرت زید نے بھی اِن کے ہاتھ والد کو تین اشعار بھجوائے جن کا مفہوم یہ تھا کہ میں مکہ میں ہوں انہوں نے واپس جا کر زیدؓ کے والد کو یہ خوشخبری سنائی اور وہ اشعار سنائے جو زید نے بھیجے تھے اُن کے والد اور چچا فوراً فدیہ کی رقم لے کر

مکہ مکرمہ پہنچے۔ زید کو پہچانا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ فدیہ کی رقم پیش کی زیدؓ کی رہائی کے خواستگار ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زید کو بلا لو اور اُس سے پوچھ لو اگر زیدؓ جانا چاہتا ہے تو بخوشی لے جاؤ کوئی فدیہ نہیں اگر نہیں جانا چاہتا تو کوئی جبر نہیں انہوں نے کہا کہ اس سے زیادہ احسان ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ حضرت زید بلائے گئے حضور مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں تم اِن کو پہچانتے ہو۔ حضرت زید نے عرض کی حضور! یہ میرے والد ہیں یہ میرے چچا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اِن کے ساتھ جانا چاہتے ہو تو تمہیں اجازت ہے تم آزاد ہو اپنی مرضی کے مختار ہو حضرت زید نے عرض کیا حضور آپ کے قدموں میں رہنا چاہتا ہوں یہ غلام آپ کے در کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا میں تو اپنی قسمت پہ نازاں ہوں میرے مقدر اور بختِ رسا کا کیا کہنا کہ مجھے آپ کے قدموں میں جگہ ملی ہوئی ہے مجھے یہ سعادت ہفت اقلیم سے بھی گراں ہے یہ ہے وہی سدا سہاگن جو پیا من بھائے بھلا میں آپ کے در کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں۔ مجھے آپ کی خدمت کا موقع میسر ہے مجھے یہ دولت یہ سعادت اور کہیں کہاں میسر آئے گی۔ آپ ہی میرے باپ اور چچا سب کچھ ہیں باپ نے کہا زید تم غلامی کو آزادی پہ ترجیح دیتے ہو۔ حضرت زید نے کہا ہاں میں تو دو جہاں کی نعمتیں، ساری آزادیاں اِس غلامی پہ قربان کرتا ہوں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب سنا تو زیدؓ کو شفقت سے گود لے لیا اور فرمایا آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ واقعی زید کی فرازی مقدر کا کیا کہنا بلندی بخت کا کیا شمار زیدؓ کی قسمت پہ کیوں نہ ناز اور رشک کریں کہ جس کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم بیٹا بنالیں، گود لے لیں۔ وہ بے تاج بادشاہ نہیں تو اور کیا ہے وہ مقدر کا سکندر ہی تو ہے۔ یہ عزت افزائی غلاموں کی یہ تکریم دیکھ کے باپ اور چچا بخوشی لوٹ گئے۔ محبت ہو تو ایسی عشق ہو تو ایسا حضرت زیدؓ ابھی کم سن ہیں بچہ ہیں لیکن اپنی آزادی گھر بار خویش واقارب یہاں تک کہ والدین تک سب کچھ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی پہ نثار کر دیتے ہیں محبت اور عشق کی بھلا ایسی مثال کہیں اور کہاں ملے گی۔

اعلانِ نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں قبائلی نظام تھا ہر قبیلے کا سردار تھا ہر قبیلہ اپنے قبیلے پہ

تفاخر کرتا تھا۔ وہ دوسرے قبیلے کو ہمسر تو کیا بلکہ ہمیشہ حقیر و کمتر سمجھتا تھا۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو مخالفت کی انتہا ہو گئی اِس اعلان سے ایک تو اُن کے مذہب آباء پہ زد پڑی اور دوسرے اُن کو رنج تھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق چونکہ بنو ہاشم سے تھا تو بھلا اُن کو کیسے گوارا ہوتا کہ یہ اعزاز بنو ہاشم کے پاس چلا جاتا۔ سرداروں نے مخالفت کی اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ نسلی و قبائلی تعصب سے ان کے دل تنگ ہو گئے۔ آنکھوں پہ غرور و تکبر کی پٹیاں بندھ گئیں وہ حق بات سننے کو تیار نہ تھے۔ جب یہاں مکہ مکرمہ میں تبلیغ کا سلسلہ رک گیا جمود کا شکار ہو گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا قصد کیا یہ مکہ مکرمہ کے نزدیک ایک صحت افزا مقام تھا۔ اور بیشتر سرداروں کا گرمائی ہیڈ کوارٹر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں پہنچ کے تبلیغ شروع کی آپ کے ہمراہ آپ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارث بھی تھے۔ یہاں بھی سرداری تعصب آڑے آیا اور لوگوں نے حق سننے سے انکار کر دیا بلکہ سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فوراً طائف چھوڑنے کا حکم دیا۔ اسی پہ اکتفا نہ کی بلکہ شہر کے لونڈوں، اُچکوں، لفنگوں، بدمعاشوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا۔ یہ ظالم پتھر پھینکتے، آوازیں کستے اور تمسخر اڑاتے۔ ہر طرف سے پتھروں کی بارش شروع ہو گئی حضرت زید ڈھال بنے ہوئے تھے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے ہو ہو کے پتھر اپنے جسم پہ لے رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لہولہان ہو گئے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سر اور جسم لہولہان ہو گیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ بھی لہو سے تر بتر ہو گئے اور بس نہ چلتا تھا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح بچائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا خون بہا کہ جوتے بھی خون سے بھر گئے۔ یہ دونوں آگے آگے اور بدمعاشوں کا گروہ پیچھے پیچھے۔ یہاں تک کہ آپ ایک باغ میں پہنچے۔ یہ باغ ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ کی ملکیت تھا جو آپ کے قرابت دار بھی تھے۔ انہوں نے انگور کے خوشے بطور تحفہ بھی بھیجے۔ دونوں مضروب دیوار کے سائے میں بیٹھ گئے۔ حضرت زیدؓ اپنے زخموں کی پرواہ کیے بغیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو صاف کرتے تھے اور زار و قطار روتے بھی تھے۔ جانثاری کا ایک

تیاباب رقم کرر ہے تھے۔ آقا ہوتو ایسا کہ پتھر اور زخم کھا کے بھی بددعا نہ کرے جانثار اور عاشق ہوتو حضرت زیدؓ ایسا کہ خواہشمند ہے کہ کاش میری زندگی بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ہو جائے اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ و مامون رہیں۔ اِس عاشقِ صادق نے روتے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِن ظالموں کے حق میں بددعا فرمائیں لیکن رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میں بددعا کے لئے نہیں بھیجا گیا یہ تو ناسمجھ ہیں نہیں جانتے کہ اِن کے حق میں کیا بہتر ہے یہ لوگ اگر خدائے واحد پر ایمان نہیں لائے تو اِن کی آئندہ نسلیں ضرور ایمان لے آئیں گی۔

کھا کے اغیار سے پتھر وہ دعا دیتے ہیں
رحمت عام کا پیغام سنا دیتے ہیں
مانگنے والو چلو کاسۂ امید ہے
میری سرکار طلب سے بھی سوا دیتے ہیں

اور بھی کچھ مانگ

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی نے اپنے آپ کو خدمت سرور کون ومکاں صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دیا تھا۔ سفر وحضر میں ہمراہی رسول میں رہتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرواتے رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا کرتے، پانی پلاتے ودیگر خدمات (جامہ ومسواک وشانہ) بھی بجالاتے۔ بستر لگاتے اور ہر طرح کے آرام کا خیال رکھتے ایک دن معدن جود وکرم مائل بہ عطا تھے۔ دریائے رحمت جوش میں تھا ربیعہ وضو کروا رہے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سَل ربیعہ" مانگ ربیعہ کیا مانگتا ہے میں تجھے عطا کرونگا ایسا کیوں نہ ہو مالک دو جہاں ہیں رازق اللہ ہے لیکن قاسم آپ ہیں اللہ المعطی وانا قاسم باری تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار بنایا ہے۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں اُن کے خالی ہاتھ میں

آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مائل بہ کرم ہیں ربیعہ جو مانگے عطا ہوگا مال مانگے زر مانگے مانگنے پہ کوئی قدغن نہیں لیکن مانگنے والے پہ بھی قربان جایئے مال ودولت نہیں مانگتا دنیا کی نعمتیں، راحتیں اور آسائشیں نہیں مانگتا۔ تندرستی وصحت کا سوال نہیں کرتا درازی عمر کی خواہش نہیں کرتا غلام بس اتنا عرض کرتا ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مال وزر نہیں چاہیے۔ مجھے رزق کی کشادگی نہیں چاہیے میں مال وزر کا خواستگار نہیں غلام صرف اتنا چاہتا ہے کہ جنت میں بھی آپ کی خدمت میں حاضری مانگتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ جنت میں بھی آپ کی خدمت پہ مامور رہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ کی یہ آرزو پوری ہوئی اور مجھے حکم دیا تو بھی کثرت سجود سے میری مدد کر (مشکوٰۃ شریف)۔ اِس سے ظاہر ہوا کہ نعمتیں اللہ کی ہیں۔ رازق ذات باری تعالیٰ ہے مگر تقسیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور قبضہ میں ہے جسے چاہیں جو کچھ عطا کر دیں۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کے مانگ لی ساری خدائی
مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں
تیرے کرم سے بے نیاز کون سی شے ملی نہیں
جھولی ہی میری تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو جس سے محبت کرتا ہے روزِ حشر اُسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی فرمانِ ذیشان ہے جسے حضرت انس بن مالک نے روایت کیا ہے جو حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں کو جنت میں اُن کی رفاقت باسعادت کا واضح اعلان ہے۔

من احبنی کان معی فی الجنۃ ''جو شخص دنیا میں مجھ سے محبت رکھے گا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا'' (الشفاء)

دوسری جگہ فرمایا۔ المرءُ مع من احب ''جو کسی سے محبت کرے جنت میں اُسی کے ساتھ ہوگا''۔

آقا ہو تو ایسا کہ غلام کو منہ مانگا انعام دینے پر تیار۔ غلام ہو تو ربیعہ جیسا کہ مال و زر نہیں مانگتا جنت میں بھی اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت مانگتا ہے۔ جنت میں بھی خدمت کا اعزاز مانگتا ہے عشق ہو تو ایسا کہ خدمت کا صلہ بھی دائمی خدمت مانگتا ہے۔

اب تنگیِ داماں پہ نہ جا اور بھی کچھ مانگ
ہیں آج وہ مائل بہ عطا اور بھی کچھ مانگ
سرکار کا در ہے درِ شاہاں تو نہیں
جو مانگ لیا مانگ لیا اور بھی کچھ مانگ
اُس در پہ یہ انجام ہوا حُسنِ طلب کا
جھولی میری بھر بھر کے کہا اور بھی کچھ مانگ

پہنچا ہے جو اُس در پہ تو رہ رہ کے نصیر آج
آواز پہ آواز لگا اور بھی کچھ مانگ

نصیرالدین نصیر گولڑوی

حضرت ربیعہ اصحاب صفہ میں سے تھے اپنا زیادہ تر وقت خدمت نبوی میں گزارتے تھے نماز عشاء سے فارغ ہو کر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے جاتے تو آپؓ جا کر دروازہ پہ بیٹھ جاتے دیر تک آپ کو سمع اللہ لمن حمدہ الحمد للہ رب العالمین سبحان اللہ وبحمدہ کہتے سنتا رہتا۔ حضرت ربیعہ کی شادی کے بعد حضور اکرم نے انہیں کچھ زمین دی یہ زمین حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ تھی ایک دفعہ حضرت صدیق اکبرؓ اور ربیعہ کے درمیان کھجور کے تنا کی ملکیت پر جھگڑا ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے کوئی سخت بات کہہ دی بعد میں احساس ہوا اور ربیعہ سے کہا تم بھی مجھے ایسی ہی بات کہہ لو تا کہ حساب برابر ہو جائے لیکن حضرت ربیعہ نے انکار کر دیا۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو میں یہ معاملہ دربار نبوی میں لے جاؤں گا۔ انہوں نے کہا یہ معاملہ نہ لے جائیں۔ مگر صدیق اکبرؓ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں روانہ ہو گئے۔ حضرت ربیعہ بھی اُن کے پیچھے پیچھے چل دیے اتنے میں ان کے قبیلے کے لوگ آ گئے اور کہا اچھی بات ہے سخت بات بھی خود کہی اور شکایت کرنے بھی خود ہی چلے۔ حضرت ربیعہ نے منع فرمایا کہ تم دخل نہ دو وہ رفیقِ غار ہیں یہ غصہ میں آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برہم و غصہ ہوں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کا عتاب حرکت میں آ جائے گا اور ربیعہ تباہ ہو جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک بات پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ربیعہ تم نے اچھا کیا اور کہہ دو اللہ آپ کی مغفرت کرے جب ربیعہ نے ایسا کیا تو حضرت صدیق اکبر زار زار رونے لگے۔

عہدِ صحابہ کے دور سے بعد کے چند واقعات

(تابعین تبع تابعین اور عہدِ قریب کے کچھ ایمان افروز واقعات)

قرن سے خوشبو آتی ہے

حضرت اویس قرنی

آپ جلیل القدر تابعین میں سے ہیں ایک بار زیارت حضور کے لئے ماں کی اجازت سے مدینہ منورہ گئے لیکن چونکہ ماں ضعیف تھی اور ان کی خدمت کے لئے کوئی اور نہ تھا تو ماں نے کہا بیٹا جلدی واپس آجانا۔ مدینہ پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ پہ تشریف لیجا چکے تھے اس لئے ماں کے فرمان کے مطابق اویس جلدی واپس آگئے اور صحابی کا رتبہ نہ پا سکے لیکن آپ کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اویس احسان و مہربانی کے اعتبار سے بہترین تابعین میں سے ہے اور جس کی تعریف رسول خدا، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں اُن کی تعریف کوئی دوسرا بھلا کیا کرسکتا ہے۔ ایک دن صحابہ کی محفل سجی ہے پروانے شمع محمدی کے گرد ہالہ بنائے ہوئے ہیں اچانک آقائے کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم رخ جانب یمن کرتے ہیں قمیض کے بٹن کھولتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھے یمن کی جانب سے محبوب اور دوست کی خوشبو آتی ہے پھر فرمایا" قیامت کے دن ستر ہزار ملائکہ کے آگے جو اویس قرنی کے ہم شکل اور مشابہ ہوں گے اویس کو جنت میں داخل کیا جائے گا تاکہ مخلوقِ خدا اُن کو شناخت نہ کرسکے سوائے اُس شخص کہ جس کو اللہ اُن کے دیدار سے مشرف کرنا چاہے اِس لئے کہ آپ نے خلوت نشین ہوکر اور مخلوق سے روپوشی اختیار کرکے محض اس لئے عبادت و ریاضت کی کہ دنیا آپ کو برگزیدہ اور عبادت گزار تصور نہ کرے اور اِس مصلحت کے پیش نظر قیامت کے دن بھی اُن کی پردہ پوشی اور پردہ داری قائم رکھی جائے گی پھر فرمایا میری امت میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس کی شفاعت سے قبیلہ ربیع و مضر کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر گنہگاروں کو بخش دیا جائے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ بنی کلیب اور بنی نضیر کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ یہ قبیلے بہت بڑے بڑے ریوڑ رکھتے تھے چونکہ اِن کا ذریعہ معاش یہی تھا۔ جب صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ وہ خوش بخت شخص کون ہے

اور کہاں مقیم ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کا ایک بندہ ہے پھر صحابہ کے اصرار پر فرمایا کہ وہ اویس قرنی ہے۔ پھر صحابہ نے عرض کی کہ کیا وہ کبھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں اور اسکی دو وجوہ ہیں غلبہ حال اور تعظیم شریعت چونکہ اُس کی ماں مومنہ بوڑھی اور نابینا ہے اویس شتربانی کے ذریعے اُن کے لئے معاش کا بندوبست کرتا ہے پھر صحابہ نے پوچھا کیا ہم اُن سے شرف ملاقات حاصل کر سکتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ سعادت صرف حضرت عمرؓ و علی کرم اللہ وجہہ کو حاصل ہوگی اُن کی شناخت اور پہچان یہ ہوگی کہ جسم پر بال ہوں گے اور ہتھیلی پر ایک درہم کے برابر سفید نشان ہوگا لیکن یہ برص کا نہیں ہوگا لہٰذا ان سے ملاقات ہو تو میرا اسلام پہنچانا اور میری امت کے لئے دعائے مغفرت کا کہنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پیرہن مبارک بھی حضرت عمرؓ و علی کرم اللہ وجہہ کو دیا کہ یہ اُن تک پہنچا دینا۔ اِس کا حقدار اویس قرنی ہے۔

دورِ خلافت راشدہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوفہ پہنچے اور اہل یمن سے اُن کا پتہ دریافت کیا انہوں نے بتایا دور عرفہ کی وادی میں ایک دیوانہ رہتا ہے اونٹ چراتا ہے اور خشک روٹی اُس کی غذا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ وہاں پہنچے تو اویس کو نماز میں مشغول پایا اور ملائکہ اُن کے اونٹ چرا رہے تھے۔ فراغتِ نماز کے بعد نام دریافت کیا تو جواب دیا عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ حضرت عمرؓ نے فرمایا وہ نام بتاؤ جو تمہاری ماں نے رکھا ہے تو انہوں نے کہا اویس حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاتھ دکھاؤ آپ نے ہاتھ دکھایا تو ہتھیلی پر وہ نشان موجود تھا جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نشانی بتایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے دست بوسی کی اور حضورؐ کا جبہ مبارک پیش کیا اور امتِ محمدی کے لئے دعا کی درخواست کی چنانچہ حضرت اویس نے حضورؐ کا عطا کردہ لباس لے لیا اور کچھ فاصلے پہ جا کے سجدے میں گر گئے اور باری تعالیٰ سے دعا کی کہ میں تیرے محبوب کا عطا کردہ لباس اُس وقت تک نہیں پہنوں گا جب تک امتِ محمدی کی بخشش نہ ہو جائے غیب سے ندا آئی کہ ایک حصہ معاف کر دیا گیا اسی طرح آپ مشغولِ دعا رہے اور بخشش کا

کچھ حصہ لیتے رہے جب زیادہ دیر ہو گئی تو حضرت عمر اور حضرت علی پاس گئے آپ نے قدموں کی آہٹ پا کر سر سجدے سے اٹھایا اور فرمایا آپ کیوں مخل ہوئے میں تو وعدہ لے رہا تھا اور ساری امت کی بخشش سے کم میں نے لینا نہیں تھا ورنہ میں نے جبہ زیب تن نہیں کرنا تھا۔ میری دعا پر قبیلہ ربیع و مضر کی بھیڑوں کے بالوں کے برابر اللہ تعالیٰ نے امت کی بخشش فرما دی۔

بارگاہ ایزدی میں حضرت اویس کو یہ مقام کیسے ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب کیونکر ٹھہرے۔ ماں کی خدمت اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بلندی مراتب کے سبب ٹھہرے۔ ماں کی خدمت کی وجہ سے صحابی کا رتبہ حاصل نہ کر سکے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ''اویس تو میرے پاس نہیں آسکے ظاہر کی آنکھوں سے تو انہوں نے میرا دیدار نہیں کیا لیکن باطن میں کئی بار میری زیارت سے فیض یاب ہوئے دوسرا عشقِ رسولؐ ایسے عاشق صادق کہ غزوۂ احد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دانت مبارک شہید ہو گئے حضرت اویس کو جب معلوم ہوا تو عشقِ رسول اور حبِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں سامنے کے دو دانت اکھاڑ دیے لیکن پھر خیال آیا کہ نہ جانے کون سے دو دانت تھے جو شہید ہوئے تو اِس عاشق کے بھی نثار جایئے ایک ایک کر کے سارے دانت اکھاڑ دیے۔ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو منہ کھول کے جبڑا دکھایا جو دانتوں سے خالی تھا۔

دل بینا ہو تو سرکار کا دَر دور نہیں
آنکھ والوں نے جہاں چاہا مدینہ دیکھا
مل گیا جس کو مدینہ کی گدائی کا شرف
اُس کی جھولی میں دو عالم کا خزینہ دیکھا

عشقِ رسول سب سے بڑا اعزاز

حضرت امام مالک بہت بڑے عاشقِ رسول تھے آپ کی زندگی کا حاصل ہی یہی عشق اور محبت رسول تھی۔ آپ کی پوری زندگی اتباعِ رسول میں گزری۔ آپ کا ہر کام سنت رسول کے مطابق ہوتا۔ آپ تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے کبھی آپ نے حج بیت اللہ کے علاوہ مدینہ سے باہر جانے کا قصد نہ کیا کبھی مدینہ منورہ سے باہر قدم نہ رکھا مبادا مدینہ کی فرقت میں موت آجائے۔

حضرت امام مالک مدینہ کی گلیوں میں بھی دیواروں کے ساتھ گھسٹ گھسٹ کر چلتے تاکہ جہاں حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پڑے ہیں وہاں قدم نہ آجائیں اور ادب اور تعظیم میں فرق آئے۔

آپ فرمانِ رسول کا اس قدر پاس کرتے کہ کبھی بھی فرموداتِ رسول یعنی حدیث پاک نہ کھڑے کھڑے لکھتے اور نہ بیان کرتے۔ ہمیشہ نہا دھو کر خوشبو لگا کے حدیثِ پاک بیان کرتے اور سنتے وقت بھی یہی عمل دہراتے۔ آپ ہمیشہ سکون کے ساتھ بیٹھ کے حدیث حاصل کرتے اور نہ پریشانی اور بے چینی کے عالم میں حدیث کا سبق پڑھتے تھے۔

مُدارک میں لکھا ہے "حضرتَ مالک سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے عمرو بن دینار سے بھی حدیثیں سنی ہیں"۔ آپ نے فرمایا "میں نے انہیں دیکھا کہ وہ حدیث پاک بیان کر رہے ہوتے اور لوگ کھڑے ہوتے تھے اور لکھ رہے ہوتے تھے۔ مجھے یہ اچھا معلوم نہ ہوا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان وارشاد کھڑے کھڑے لکھوں"۔

ایک دفعہ ابی الرناد کی طرف گزر ہوا دیکھا وہ حدیث بیان کر رہے ہیں آپ وہاں نہیں بیٹھے اس کے بعد ملے تو انہوں نے مالک سے پوچھا "تم میرے پاس آ کر کیوں نہیں بیٹھے؟"۔ امام مالک نے جواب دیا جگہ تنگ تھی اور مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کھڑے ہو کر سنوں بعض نے لکھا ہے کہ یہ قصہ اور واقعہ امام مالک کا ابی حازم کے ساتھ پیش آیا

تھا۔

پہلے آپ مسجد نبوی میں درس دیتے تھے پھر آپ کو پیشاب کی بیماری اجرائے بول یعنی مسلسل بول کی بیماری لاحق ہوگئی۔ آپ لوگوں سے اِس بیماری کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ کثرت بول کی وجہ سے آپ کا وضو ٹوٹ جاتا تھا۔ حالانکہ معذوری کی وجہ سے یہ مجبوری تھی اور شرعاً کوئی برائی نہ تھی لیکن آپ کے عشق نے یہ گوارانہ کیا۔ پاس ادب وتعظیم اِسے اپنے اخلاص محبت کے خلاف سمجھا کہ میں کسی وقت بھی بغیر وضو مسجد نبوی میں مقیم رہوں اِس سے مسجد نبوی سے درس کے لئے گھر اٹھ آئے۔

آپ کے شاگرد بیان کرتے ہیں کہ جب آپ نے گھر پہ درس دینا شروع کیا تو لوگ جوق در جوق کسبِ فیض کے لئے آنے لگے۔ جب لوگ آتے تو آپ کی لونڈی جاریہ باہر نکلتی اور دریافت کرتی کہ آپ حدیث لینے آئے ہیں یا مسائل دریافت کرنے اگر وہ کہتے مسائل دریافت کرنے آئے ہیں تو وہ اندر جاتی امام صاحب کو اطلاع کرتی امام صاحب فوراً باہر تشریف لاتے انہیں فتوٰی دے کر دوبارہ اندر تشریف لے جاتے اگر وہ کہتے ہم حدیث لینے آئے ہیں تو وہ کہتی تشریف رکھیے امام صاحب غسل فرماتے خوشبو لگاتے نیا لباس پہنتے ساجہ پہنتے (سر پر پہننے کا لباس) عمامہ باندھتے آپ کے لئے مسند بچھائی جاتی پھر آپ باہر تشریف لاتے چنانچہ جب آپ باہر آتے تو لباس سے مزین ہوتے خوشبو لگی ہوئی ہوتی اور آپ پر خشوع وخضوع طاری ہوتا۔ عود جلتا رہتا خوشبو پھیلتی رہتی یہاں تک کہ آپ حدیث رسول سے فارغ ہو جاتے۔[1]

آپ 93 ہجری مدینہ منورہ میں ولید بن عبدالمالک کے زمانہ میں پیدا ہوئے صحابہ اور تابعین کو دیکھا۔ مدینہ کی عظمت وشان کو دیکھا۔ مدینہ اُس وقت علم کا گہوارہ تھا نور کا مخزن تھا۔ معرفت کا سرچشمہ تھا۔ مدینہ کا نقش آپ کے دِل پر رقم ہوگیا۔ یہ عظمت آخر وقت تک دِل پر چھائی رہی اِس شان اور تقدس کا اثر آپ کے افکار، آپ کی فقہ اور آپ کی زندگی میں نمایاں ہے اِسی

1۔ المدارک

عظمت و تقدس کے خیال سے آپ کبھی اپنی زندگی میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں کسی سواری پر سوار نہ ہوئے۔

آپ کے دادا مالک بن ابو عامر غزوۂ بدر کے بعد مدینہ منورہ آئے اِس غزوۂ کے علاوہ تمام غزوات میں شامل رہے۔ کنیت ابوانس تھی بعض کے خیال میں صحابی نہ تھے انہوں نے احادیث اور صحابہ کے فتوے اکٹھے کیے۔

حضرت امام مالک نے 179 ہجری میں انتقال فرمایا تقریباً 90 سال عمر پائی۔ بچپن سے حدیثِ رسولؐ سے محبت تھی۔ آپ نے بنو امیہ اور بنو عباسیہ کا دور دیکھا ابو جعفر منصور کے دور میں آپ پر کوڑوں کی تعزیر جاری ہوئی یہ مصیبت 146 ہجری میں آئی۔ کوڑے مارے گئے۔ یہاں تک کہ دونوں مونڈھے اتر گئے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سزا نکاحِ متعہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے عائد ہوئی۔ اور کچھ کہتے ہیں کہ امام مالک ایک حدیث بیان کرتے تھے کہ جبراً طلاق لی ہوئی طلاق نہیں ہوتی عباسیہ اِسے سیاسی طور پر اپنے خلاف گردانتے تھے۔ آپ محمد بن عبداللہ بن حسن النفس الزکیہ کے حامی تھے۔ حاکم مدینہ جعفر بن سلیمان نے یہ سزا دی اور ابو جعفر منصور کے دور میں یہ سزا دی گئی۔ آپ نے ہارون الرشید کے دور میں وفات پائی۔

پہلوانی سے ولایت تک

عشق انتہا درجے کی محبت کو کہتے ہیں ایسی محبت جس میں سود وزیاں کا دخل نہ ہو محبوب کی اِک جنبش اَبرو پہ متاعِ زندگی لٹانے کا نام ہے۔ عشق نہ جان کی پرواہ کرتا ہے نہ مصائب کی یہ تو محبوب کے اِک اشارے پہ سب کچھ قربان کرنے کا عمل ہے۔ عشق میں پختگی اُس وقت آتی ہے جب محبوب کی ہر ادا زندگی کا حِصّہ بن جائے۔ عشق ایسی جانثاری اور محبت کا نام ہے جہاں عقل کے پیمانوں کا گزر نہ ہو۔ اک جنوں ہو فرزانگی اور دیوانگی ہو اور محبوب کا ہر وظیفہ زندگی اور ہر ادا پہ نقدِ جاں لٹانے کا عزمِ راسخ ہو اور ہر فرمان پہ لبیک اور گردن خم ہو عقل کے پیمانوں سے ماپنے والے سدا ابوجہل اور ابولہب رہتے ہیں اور سدا کے نامراد و مردود ٹھہرتے ہیں اور عشق و محبت کی نظر سے دیکھنے والے صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ بنتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

محبوب کی ذات سے عشق، ہر عمل اور ہر ادا سے عشق ہر فرمان کی تعمیل میں سرور محبوب کی ناپسند سے نفرت و دوری اور ہر پسند سے محبت و رغبت۔ محبوب کی تعظیم و توقیر اِس درجہ اور معیار کی کہ جیسے میری سرکار ہیں ویسا نہیں کوئی۔ محبوب کی نسبت سے پیار مثلاً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے پیار و محبت مہاجرین و انصار سے محبت، حضور کی آل، اہل بیعت سے محبت جزوِ ایمان ہو۔ غرض یہ کہ ہر اُس شخصیت سے محبت کی جائے جس سے آپ نے محبت فرمائی ہو۔ اہل بیت اطہار کی عزت و توقیر کرنا آپ کے متعلقین سے محبت کرنا بھی عشق و محبت کے قرینوں میں سے ایک قرینہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن و حسین کے بارے میں فرمایا۔

"اے اللہ! میں اِن کو محبوب رکھتا ہوں تو بھی اِن دونوں کو محبوب رکھ"۔

ایک روایت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں اِن دونوں کو محبوب رکھتا ہوں جس نے انہیں

محبوب رکھا اُس نے مجھ سے محبت کی اور جو مجھ سے محبت کرتا ہے اُس کو اللہ تعالیٰ بھی محبوب رکھتا ہے اور جس نے اِن دونوں سے بغض کیا اُس نے مجھ سے بغض کیا اور جس نے مجھ سے بغض کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے بغض کیا"۔

اِسی طرح حضرت فاطمۃ الزہرا کے بارے میں فرمایا "فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات اُس کی ناگواری اور غصہ کا سبب بنتی ہے وہی میری ناراضگی کا سبب ہوتا ہے"۔ اِسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کس سے محبت ہے تو آپ نے فرمایا فاطمہ سے۔

یہ آلِ رسول، یہ مقدس و پاکباز ہستیاں جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر پیار تھا اِن ہستیوں سے محبت دراصل نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم آلِ رسول کی تعظیم و توقیر، جزوِ ایمان اور تقاضائے عشق گردانتے ہیں۔

پہلے وقتوں میں شاہی درباروں کی شان و شوکت قابلِ دید تھی بادشاہ سیاہ و سفید کے مالک ہوتے تھے تخت و تاج شاہی کروفر کے مظہر ہوتے تھے کسی کے سامنے جوابدہ نہ تھے ہیرے جواہرات سے تخت و تاج مرصع ہوتے کسی پہ خوش ہوئے تو انعام و اکرام کی بارش کر دی خلعت عطا کر دی کسی سے رنج پہنچا کسی کی بات طبع نازک پہ گراں گزری تو اُس کی گردن اڑا دی درباروں سے سینکڑوں افراد وابستہ ہوتے اور بھاری معاوضے و مشاہرے پاتے شعرا شہنشاہ کے قصیدے لکھتے رقاصائیں شہنشاہ اور شاہی مہمانوں کی تفریح و فرحت اور ضیافت طبع کا اہتمام کرتیں۔ خواجہ سراؤں کی فوج خدمت گزاری کے لئے حاضر رہتی گوئیے، فنکار، حکیم، طبیب غرض یہ کہ اپنے فن کے ماہر اور یکتائے روزگار قسم کے لوگ درباروں سے وابستہ ہوتے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے اور انعام و اکرام پاتے۔ اِس طرح درباروں کی ٹھاٹھ باٹھ، سج دھج اور شان و شوکت کا باعث ہوتے۔

جنید نامی ایک پہلوان اپنے فن میں ماہر فن پہلوانی میں یکتا دربار بغداد سے وابستہ تھا

بغداد کی پوری سلطنت میں کشتی میں تمام پہلوانوں کو شکست دے چکا تھا۔ اُس کا چیلنج ہر وقت قائم رہتا اور کوئی پہلوان اُن کے مقابل نہ آتا اب ان کا سکہ بیٹھ چکا تھا اب کوئی ان کا حریف نہ تھا یہ شاہی پہلوان کیا تھا پہاڑ کی مانند قوی الجثہ مضبوط ڈیل ڈول کسرتی بدن کشادہ پیشانی مضبوط اعصاب فن پہلوانی میں طاق سر پہ طغری سجائے ہاتھ میں مگدر تھامے مخصوص لباس زیب تن کیے بادشاہ کے ساتھ مسند نشین ہوتا بادشاہ کی طاقت وہیبت اور رعب ودبدبہ میں اضافے کا باعث ہوتا اور شاہی رعب وجلال کا مظہر ہوتا اب وہ ناقابل شکست تھا کوئی اُسے چیلنج نہ کرتا بلکہ اب تو پہلوان اس کے نام سے کانپتے تھے۔ ایک دن عجب اتفاق ہوا ایک لاغر ونزار آدمی شکل وصورت سے فقیر ومسکین دکھائی دینے والا دربار پہ آ کے دستک دیتا ہے درباریوں نے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا مجھے دربار تک رسائی اور اذنِ باریابی چاہیے درباریوں نے گمان کیا کہ کوئی سائل مظلوم یا فریادی ہے اور دربار سے دادرسی یا مدد کا خواستگار ہے انہوں نے شہنشاہ کی اجازت سے شرف باریابی کا موقع فراہم کر دیا۔ پایہ تخت تک پہنچنے کے بعد اس سے آنے کی وجہ اور غرض دریافت کی گئی تو اس نے کہا میں شاہی پہلوان جنید سے کشتی لڑنے کا خواہشمند ہوں بادشاہ حیران، درباری ششدر کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے کبھی اس کے چہرے کو دیکھتے تو کبھی اس کے لاغر وکمزور جسم پہ نگاہ کرتے پھر اس کے دعوے اور چیلنج کو دیکھتے کہ یہ شخص کیوں اپنی جان کا دشمن اور اپنی زندگی سے بیزار ہے۔ کہاں چیونٹی اور کہاں ہاتھی کہاں لاغر وکمزور جان اور کہاں گوشت اور طاقت کا پہاڑ لیکن وہ شخص ہے کہ اپنے دعوے پہ قائم اور مصر۔ آخر چیلنج قبول کر لیا جاتا ہے تاریخ طے ہوتی ہے اور وہ شخص دربار سے رخصت ہوتا ہے۔ اب لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں کوئی کہتا ہے یہ لاف زن تھا اب لوٹ کے نہیں آئے گا کوئی کہتا بے شک یہ نحیف ولاغر سہی ہڈیوں کی مٹھی سہی لیکن فنِ کشتی میں طاق ہو گا داؤ پیچ کا ماہر ہو گا۔ مہارت اور کمال فن ہمیشہ طاقت پہ غالب آتا ہے یہ ضرور آئے گا اور کشتی لڑے گا۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔

جنید بھی اس کی شکل وصورت اور ظاہری ہیئت دیکھ کے حیران تھا اُس کا مشاہدہ کہتا تھا

اس کا جسم بھی کسرتی نہیں۔فنی مہارت کا بھی کوئی شائبہ نظر نہیں آتا وہ خود بحرِ حیرت میں گم تھا کہ یہ ماجرا کیا ہے کس بَرتے پہ اس نے اتنی جرات کی ہے بہرحال کشتی تو طے تھی چیلنج تو قبول کرلیا گیا تھا لہٰذا انتظامات تو کرنا تھے جگہ کا تعین کیا گیا سارے سلطنت میں دنگل کا چرچا ہو گیا اہل کاروں نے بھی خوب تشہیر کی اِک تہلکہ سا مچ گیا لوگ شدت سے کشتی کے دن کا انتظار کرنے لگے۔جنید اب نا قابل شکست تسلیم ہو چکا تھا۔اِس چیلنج سے وہ بھی قدرے پریشان رہنے لگا اور کسرت وزور کرنے لگا۔جونہی کشتی کی تاریخ قریب آتی گئی بغداد میں لوگوں کا ہجوم ہوتا گیا۔یہاں تک کہ لوگوں نے گلی چوکوں اور سڑکوں پر ڈیرے جما لیے تماشائیوں کے ٹھٹھ لگ گئے پورے بغداد میں تِل دَھرنے کو جگہ نہ رہی۔

دن گزرتے گئے پتہ بھی نہ چلا آخر مقررہ دن آن پہنچا۔وسیع میدان میں مقابلے کا اہتمام ہوا۔شاہی خاندان،وزرا،اُمرا،رعایا سب میدان میں جمع ہو گئے۔حسبِ مراتب نشستوں کا انتظام کیا گیا آخر میں شہنشاہِ معظم کی سواری کی آمد کا بگل بجایا گیا شاہی آداب سے سواری بھی پہنچ گئی۔دنگل کے لوازمات پورے ہو گئے جلوس کی صورت میں بینڈ باجوں کے ساتھ شاہی پہلوان جنید بھی اپنے مداحوں اور پٹھوں کے جلو میں میدان میں اترے۔اب شدت سے اُس اجنبی اور پراسرار شخص کا انتظار شروع ہوا ہر کوئی کہتا وہ کوئی بہروپیا تھا اپنا کرتب دکھا کے سب کو بیوقوف بنا گیا اُس نے نہ آنا ہے اور نہ آئے گا لیکن وقت مقررہ میں ابھی چونکہ چند ثانیے باقی تھے۔انتظار تو لازم تھا۔سب لوگوں کی نظریں راہ پہ جمی ہوئی تھیں اچانک دُور سے گرد اڑتی ہوئی نظر آئی سب لوگوں کی نظریں گردِ راہ پہ مرکوز ہو گئیں تھوڑی دیر میں وہی لاغر ونزار کمزور و نحیف شخص لباس پھٹا ہوا چہرہ گرد آلود پسینے میں شرابور آن پہنچا۔لوگ مطمئن ہو گئے نتیجہ کچھ بھی نکلے کم از کم ان کے آنے کی قیمت تو پڑ گئی تھی دنگل تو دیکھنے کو مل گیا تھا۔جلدی جلدی اس شخص کو اکھاڑے تک لایا گیا۔دنگل کا بگل بجا۔ جنید بھی پوری آن بان سے نعروں کی گونج میں مداحوں کے ہالے میں میدان میں اترا اُدھر وہ اجنبی شخص بھی میدان میں آیا بظاہر کوئی جوڑ نہ دکھائی دیتا تھا کہاں طاقت وہیبت کا پہاڑ اور کہاں ہوا کے

زور سے اڑنے والا یہ کاہ بہر حال مقابلہ تو طے تھا دنگل تو ہونا تھا دونوں نے اکھاڑے کا چکر لگایا ہتھ جوڑی ہوئی جنید نے اپنی طرف کھینچا اُس میں اتنی طاقت کہاں کہ مدافعت کرتا ایک ہی جھٹکے میں جنید کے سینے سے آ لگا باہم پیوست ہونا تھا کہ اجنبی شخص نے جنید کے کان میں کہا تیرا میرا کیا مقابلہ کہاں تو اور کہاں میں۔ میں کوئی پہلوان نہیں اور نہ ہی میرا فنِ پہلوانی سے دُور کا واسطہ ہے۔ دراصل میں آلِ رسول ہوں ہاشمی نسل اور فاطمی اولاد ہوں حالات کا ستایا ہوا گردشِ ایام کا مارا ہوا فاقوں نے بنور مفلوک الحال مفلس ولاچار سید زادہ ہوں۔ میرا کنبہ فاقوں سے بے بس ہے تن ڈھانپنے کو پورے کپڑے نہیں بچے بھوک سے بے حال ہیں مجھ سے ان کی حالت گوارا نہیں مجبوراً روزانہ شہر آتا ہوں کہ شاید مزدوری کی کوئی سبیل نکل آئے اور بچوں کے منہ میں روکھا سوکھا نوالہ ڈال سکوں لیکن روزانہ ناکام و نامراد لوٹتا ہوں روزگار کا کوئی وسیلہ ہاتھ نہیں آتا ہنر میں کوئی جانتا نہیں فاطمی خون اور غیرت کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی اجازت نہیں دیتی اپنے کنبے اور خاندان کی حالت اب مزید دیکھی نہیں جاتی ناگاہ یہ خیال ذہن میں آیا آپ شاہی پہلوان ہیں فن پہلوانی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں آپ کا نام سن کے بڑے بڑے پہلوانوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے چاردانگِ عالم میں آپ کی شہرت ہے آپ کو چیلنج کروں کرانے کی صورت میں انعام واکرام کی بارش ہوگی اور یوں روزی کی سبیل بن آئے گی اگر آپ کے دل میں آلِ رسول کی عقیدت ہے تو آج اِس سید زادے کی لاج رکھ لے کل قیامت کو نانا جان سے تمہاری شکست و ہزیمت کا اجر دلواؤں گا انشاء اللہ یہ آج کی قربانی رائیگاں نہ جائے گی تو جانتا ہے اس خاندان کی یہ پرانی ریت ہے کہ یہ قرض تادیر واجب الادا نہیں رکھتے اصل سے کئی گنا زیادہ لوٹاتے ہیں۔ اجنبی شخص کے یہ جملے نشتر بن کے جنید کے دِل میں تراز و ہو گئے انہوں نے نہ شہرت کی پراوہ کی نہ اپنی انا اور غیرت کا خیال کیا نہ اپنی عزت تذلیل کو خاطر میں لایا وعدہ کر لیا کہ اگر میری شکست تیرے کچھ کام آسکتی ہے اور تیرے دکھوں کا مداوا کر سکتی ہے تو میں حاضر ہوں اگر یہ وقتی شکست ورسوائی مجھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں شمار کروا سکتی ہے تو یہی قربانی تو کیا میں تو جان نثار کرنے کو بھی

تیار ہوں اب وہ اِک بار علیحدہ ہوئے اور دوبارہ زور آزمائی کی جنید نے ایک دو داؤ پیچ دکھائے
تا کہ نورا کشتی کا گمان نہ ہو پھر چشمِ فلک نے دیکھا کہ جنید چاروں شانے چت زمین پہ پڑا تھا اور
اجنبی سینے پہ سوار۔ لوگوں کی آنکھوں کو یقین نہیں آیا سب ورطہ حیرت میں گم تھے لیکن حقیقت سے
کون نظریں چرا سکتا تھا۔ اجنبی جنید کی چھاتی پہ سوار تھا اِس عیاں اور روبرو حقیقت سے صَرفِ
نظر کیسے ممکن تھا۔ جنید کافی دیر زمین پر پڑے رہے اب لوگوں کو یقین آ گیا اور نفرت وحقارت
کا اظہار کرنے لگے اب لوگوں نے فتح مند اجنبی کو کندھوں پہ اٹھایا سارے میدان کا چکر لگایا لوگوں
نے انعام واکرام کی بارش کر دی بادشاہ نے بھی خلعتِ فاخرانہ سے نوازا سارے بغداد میں جلوس
نکالا گیا۔ جب لوگ چلے گئے تو جنید بھی اٹھا اور اکیلا گھر کو روانہ ہوا نہ نعرہ ہائے تحسین وستائش، نہ
جلوس ساری زندگی داد و تحسین وصول کرنے والا آج لوگوں کی طعن و تشنیع کا سامنا کرتا گھر کی
جانب رواں تھا۔ دن ڈھلا شام نے پَر پھیلائے پھر رات کی تاریکیوں کا بسیرا ہو گیا آخر جنید بھی
نیند کی آغوش میں چلا گیا سہانے خوابوں نے بانہوں میں لے لیا جنید خواب میں آقائے دو جہاں
والی۔ بے کساں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے اپنی قسمت کی سرفرازی اور مقدر کی
یاوری پہ نازاں ہوتا ہے سرورِ انبیاء، احمد مجتبیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جنید کو اپنی آغوش میں لے
لیتے ہیں ماحول نور کی روشنی سے منور ہو جاتا ہے فضائیں ہوائیں خوشبو سے معطر ہو جاتی ہیں حضور
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنید اٹھ اپنی قربانی کا صلہ آج ہی وصول کر ہم روزِ حساب یومِ
میزان وقیامت تک یہ بار کہاں اٹھائے رکھیں گے ہم تو طلب سے بھی سوا دیتے ہیں تم نے میری
آل اور میری نسبت کی قدر کی اور جس نے میری آل کی تعظیم وتکریم کی اُس نے میری عزت تعظیم و
توقیر کی ہم تجھے تاج اولیاء بناتے ہیں جماعت صوفیاء کا امام بناتے ہیں گروہ اولیاء میں بلند تر
مرتبے پہ فائز کرتے ہیں سلطنت ولایت کا تاج پہناتے ہیں مقام ولایت پہ فائز کرتے ہیں تمام
مقامات ولایت ایک ہی جست میں طے کرواتے ہیں پھر زمانے نے دیکھا جنید شیخ جنید بن گئے
پہلوانی میں نامور تھے تو اب شہنشاہ ولایت بن گئے اِسی واقعہ کو ملک کے نامور نعتیہ شاعر اور ثناخوان

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جناب محمد علی ظہوری مرحوم نے اس نعت میں بیان کیا ہے

ذکر نبی دا کر دیاں رہنا چنگا لگدا اے
اس بہانے رَل مِل بہناں چنگا لگدا اے
مسجد نبوی دے وچ جا کے نکرے ہو کے بہہ جانا
روضے پاک نوں تکدیاں رہنا چنگا لگدا اے
آل نبی دی عزت خاطر وچ اکھاڑے دے
شیخ جنید دا جان کے ڈھینا چنگا لگدا اے
جالیاں پاک دے کول کھلو کے اُچی ساہ نہ لینا
اوتھے بولن نالوں چپ کر رہنا چنگا لگدا اے

عشقِ مصطفیٰ درد امانِ اُوست

امام اہلِ سنت مجدد دین وملت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی زبردست عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ تبحر عالم تھے کم وبیش ۵۰ علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے علمِ ریاضی کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے احیائے سنت کے لئے بہت کام کیا ساتھ ہی لوگوں کے دلوں میں جو شمع عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لو مدہم پڑتی جارہی تھی اُسے ازسرِنو فروزاں کیا۔ انگریزوں نے گہری سازش کی اور مسلمانوں کو حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کرنے کی کوشش کی کیونکہ انہیں علم تھا کہ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ محمدی موجود ہے اُس وقت تک اِن فرزانوں اور پروانوں کو کوئی زیر نہیں کرسکتا۔

بقول علامہ اقبال

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں کبھی
اس کے بدن سے روحِ محمدی نکال دو

آپ بے شک فنافی الرسول کے اعلیٰ منصب پہ فائز تھے۔ بارہا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں مُشرّف ہوئے دوسری بار جب مدینہ پاک کی حاضری نصیب ہوئی تو بیداری میں زیارت کی حسرت لیے مواجہ شریف میں پوری رات حاضر رہ کر درود شریف کا ورد کرتے رہے جہاں ستر ہزار ملائکہ کا بھی یہی وظیفہ ہے۔ سوزِ دروں اور دردِ فراق سے بے تاب ہوکر ایک نعتیہ غزل پیش کی جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دِن اے بہار پھرتے ہیں
ہر چراغ مزار پر قدسی
کیسے پروانہ وار پھرتے ہیں

اُس گلی کا گدا ہوں جس میں
مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
دشتِ طیبہ کے خار پھرتے ہیں
کیوں کوئی پوچھے تیری بات رضاؔ
تجھ سے شیدا ہزار پھرتے ہیں

آپ ساری رات درود وسلام پیش کرتے رہے آخر کار راحت العاشقین مراد المشتاقین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاشقِ زار اور مشتاقِ بے قرار کے حال پر خاص کرم فرمایا انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں بے قرار دِ مضطرب کے قرار کی صورت بن آئی فرقت وجدائی کے لمحے اختتام کو پہنچے نویدِ باریابی ملی مقدر نے یاوری کی بخت نے انگڑائی لی نقابِ رخ اٹھ گیا حجاب وا ہوا خوش نصیب عاشق کی بَن آئی عین عالم بیداری میں محبوب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جلوہ زیبا دیکھا چشمانِ اصلی و حقیقی سے دیدار کیا۔

آپ نے اپنے عشق، محبت، جذبات کو شعروں کے روپ میں ڈھالا اپنے قلم اور تخیل کو صرف اور صرف مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف کر دیا۔ مجازی محبوب، مجازی عشق کی داستانوں اور گل و بلبل کے قصوں کی آلائش سے اپنے قلم کو ہمیشہ پاک رکھا پھر آپ کی نعت بھی اعلیٰ پائے اور ادبی معیار اور ذوق کی شاہکار ہوتی ہے۔ ہر شعر کسی نہ کسی آیت مبارکہ یا حدیث پاک کا ترجمہ ہوتا ہے۔ ''حدائقِ بخشش'' آپ کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ آپ کی محبت اللہ اور اللہ کے رسول کے تابع اور آپ کی عداوت و دشمنی بھی اللہ و رسول کے لئے تھی۔ آپ نے کبھی کسی دنیادار، مالدار، جاگیردار، تاجدار، امیر وزیر کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کیا۔ کبھی کسی حکومتی عہدیدار سے مدد نہ چاہی۔ آپ کو ایک بار ریاست ''نان پارہ'' کے والی کی شان میں قصیدہ لکھنے کو کہا گیا تو آپ نے اُس کے جواب میں بھی یہ نعتیہ شعر کہے۔

وہ کمال حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
کروں مدح میں اہل دول رضا پڑے اِس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دیں پارۂ نان نہیں

تمہیں جانا تمہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
لِلّٰہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

عشق ومحبت کی انتہا دیکھیں کہ آپ کبھی مدینہ منورہ کی طرف پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے ایک مرتبہ آپ کے عقیدت مند آپ کو اپنے گھر لے جانے کے لئے پالکی اور کہاروں کو ساتھ لائے اُس وقت پالکیوں کا عام رواج تھا۔ آپ کو پالکی میں بٹھایا گیا۔ اٹھانے والوں نے پالکی کے بانسوں کو کندھوں پر دھرا اور جانب منزل چلے۔ عقیدت مند بھی ساتھ تھے ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ آپ نے پالکی میں سے آواز دی کہ پالکی زمین پر رکھ دی جائے آپ کے حکم کی تعمیل ہوئی ساتھ چلنے والے بھی رک گئے آپ پالکی سے باہر نکل آئے آنکھوں سے آنسو رواں، جسم پہ لرزہ طاری، چہرے پہ رنج وملال پالکی اٹھانے والوں سے کہا کہ یقیناً تم میں سے کوئی آلِ رسول ہے تمہیں رسول ہاشمی کا واسطہ مجھے جلدی بتاؤ کہ تم میں سے کس کی رگوں میں خونِ ہاشمی موجزن ہے۔ مجھے مزدوروں میں سے خونِ رسول کی خوشبو آتی ہے۔ اِس سوال پر سب حیران۔ ایک مزدور کا چہرہ متغیر ہو گیا اور پیشانی پسینے سے تر بتر ہو گئی۔ آپ سمجھ گئے یہی سید زادہ ہے۔ یہی گلشن رسالت کا پھول ہے آپ نے اُس سے پوچھا تو سید زادے نے جواب دیا مزدور سے مزدوری کا کام لیا جاتا ہے اُس کی ذات اُس کا حسب نسب نہیں پوچھا جاتا یقیناً میں فکرِ معاش سے ستایا ہوا فاقوں سے پریشان ایک مفلوک الحال اہل بیعت کا فرد ہوں میں ہی سید زادہ ہوں کئی دنوں سے اِس شہر میں آیا ہوں کوئی ہنر جانتا نہیں اس لئے روزگار کی کوئی سبیل نہ بنی ناگاہ لاچار ہو کر اِن کہاروں میں شامل

ہو گیا کہ اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکوں۔ غیرت ہاشمی اجازت نہیں دیتی کہ کسی کے آگے دستِ سوال دراز کروں خونِ ہاشمی اور نسبتِ سادات مانع ہے کہ بھیک مانگوں میں ہی چمنستانِ رسول کا ستم رسیدہ اور مرجھایا ہوا پھول ہوں۔ ابھی مزدور کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ لوگوں نے یہ رقت آمیز منظر دیکھا کہ قائد ملت نامور عالم دین، عاشقِ رسول، رہبر طریقت و شریعت، فدائی اہل بیعت کی دستار ہے اور مزدور کے قدم یہ دستارِ فضیلت اِس سید زادے کے قدموں پر ہے۔ آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہے۔ ہاتھ جوڑ کے اعلیٰ حضرت اُس سید زادے سے معافی طلب فرما رہے ہیں مقام و مرتبہ کی پرواہ نہیں منت سماجت کر رہے ہیں اور ایک ہی صدا لگا رہے ہیں میں خطاوار ہوں مجھے معاف کر دو یہ خطا اور گستاخی عمداً نہیں لاعلمی اور بے خبری میں سرزد ہو گئی ورنہ میری یہ مجال کہ جن کے طفیل ہمیں اسلام ملا اُن کے کندھوں پہ سواری کروں اہل بیعت کا یہ غلام اور خادم یہ جرات کرے کہ وہ پالکی میں سوار ہو اور آلِ رسول کہار بنے جن کے تعلینِ مبارک کے صدقے اس غلام کو یہ عزت و توقیر ملی یہ افتخار و مقام ملا اُس سے سواری کا کام لوں بھلا یہ بندہ و غلام ایسی جرات کرسکتا ہے۔ اگر قیامت کے دن میرے آقا و مولیٰ سرورِ دو عالم رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پوچھ لیا کہ اے رضا میرے فرزند کے دوشِ نازنین اور تیری سواری بنیں تیری یہ مجال تو میں کیا جواب دوں گا جب تک سید زادے سے معافی کا وعدہ نہ لے لیا سر اور دستار کو نہیں اٹھایا بندھے ہاتھ نہیں کھولے۔ معافی کے اعلان پہ بھی آپ کی تسلی و تشفی نہیں ہوئی بلکہ آپ نے فرمایا میری یہ خطا واجب سزا ہے یہ میری لغزش قابل تعزیر ہے میرا یہ فعل لائق و سزاوار مواخذہ ہے اِس کا ازالہ صرف اِسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ تم پالکی میں بیٹھو اور احمد رضا اِس پالکی کو اٹھاتا ہے۔

(انوار رضا صفحہ نمبر 363)

اب آپ خود فیصلہ کریں آلِ رسول کے ساتھ جس کے دل کی عقیدت و اخلاص کا یہ عالم ہو بھلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کی محبت و شیفتگی اور عشق و وارفتگی کا کیا عالم ہو گا آہ وہ منظر کتنا رقت آمیز اور دل گداز ہو گا جب جلیل القدر عالم اپنے علم و فضل، جبہ و دستار اپنی عالمگیر

شہرت وعظمت سب کچھ اعزاز واکرام خوشنودی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک گمنام مزدور کے قدموں پر نثار کررہا ہوگا۔

بَلَغَ العُلٰی بکمالہٖ

قرآن مجید دستورِ خداوندی ہے آئینِ اسلام ہے۔ سنتِ نبوی اور حدیثِ پاک اِس دستوراور آئین کی تشریح ہے۔ قرآن مجید، فرقانِ حمید اصولوں اور اشاروں پہ مبنی کتاب ہے اِس کی تفسیر اور عملی صورت اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے عبادات اصل لااصول اور عبادات کی رُوح عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اگر دل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں تو کوئی عبادت قبولیت کی سند نہیں پاتی اور پھر اگر حضور والا شان صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں خلوص وگہرائی نہیں اگر دِل کے نہاں خانوں میں حبِ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی نہیں نور نہیں اگر دل کے تاروں پہ محبت کی مضراب نہیں پڑتی اگر اِس سازِ محبت سے بے خودی وسرشاری پیدا نہیں ہوتی اگر اس محبت کے نشے سے جوشِ جنون فزوں تر نہیں ہوتا تو زبانی دعویِٰ عشق کے زمرے میں نہیں آتا۔ اگر کوئی محفل نعت یا محفل میلاد میں آتا ہے بیٹھتا ہے لیکن ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرور نہیں آتا وجد کی کیفیت طاری نہیں ہوتی اور از خود وارفتہ نہیں ہوجاتا تو اُس کا عشق ابھی خام ہے۔ عشقِ صادق کی کیفیت پیدا ہوجائے تو ممکن ہی نہیں کہ فرزانے تڑپ تڑپ نہ جائیں اور ان کی روح پہ ضرب نہ پڑے اور وجود پہ لرزہ طاری نہ ہوجائے۔

آج کل کے بیشتر نعت خواں صرف آواز کو کیش کرواتے ہیں نعت خوانی کو وسیلہ روزگار، طلبِ زر اور ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہیں اُن کی زبان دل کی رفیق نہیں ہوتی اور نہ ان کی خود اپنی زندگی اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہوتی ہے۔ ان کی شکل وصورت بھی سنت نبویؐ کی آئینہ دار نہیں ہوتی ایسے لوگ عشق کے مظہر نہیں ہوتے بلکہ پیشہ ور ہوتے ہیں ان کے پیشِ نظر دنیاداری ان کا عمل کاروباری ان کے طرزِ عمل میں اداکاری اور ان کے رویے میں ریاکاری ہوتی ہے۔ ایسے لوگ حرص اور ہوس کا شکار ہوتے ہیں زبان پہ ثناخوانی اور نظر پیسوں پہ لگی ہوتی ہے بھلا پھر ایسے لوگوں کی زبان میں تاثیر کہاں سے آئے زبان پہ یقیناً ثنائے محمد صلی اللہ علیہ

وسلم ہوتی ہے اور کہلاتے بھی ثنا خوانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن صورت اور عمل سنتِ نبوی کے مطابق نہیں ہوتا۔ آواز محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کے دل کی گہرائیوں سے نہیں نکلتی پھر وہ سوز و ساز رومی کہاں سے آئے۔ ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نعت سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کے ساز نہ چھیڑے۔ اور نعت پڑھنے اور سننے والا دونوں تڑپ تڑپ نہ جائیں اور نعت خوانوں کے لئے یہ نعت گوئی وسیلہ نجات نہ بنے۔ اگر نعت خواں حضرات اور نعت گو شاعر عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کے اور محبت میں جذب ہو کے نعت پڑھیں یا لکھیں تو یہ عبادت کیوں نہ مغفرت کا سامان بنے۔ حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے جذب و کیف میں ڈوب کے نعت لکھی

بلغ العلیٰ بکمالہٖ

کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع و خصالہٖ

اتنا لکھ چکے تو آگے مصرع نہیں بن پا رہا تھا تین مصرے تو ہو گئے لیکن چوتھا مصرعہ وزن اور تخیل میں نہیں آ رہا تھا خیال عاجز آ چکا تھا پہلے مصرعوں کے ہم پایہ مصرعہ حسنِ خیال اور رفعتِ تخیل کا متقاضی تھا۔ اپنی عاجزی اور بے بسی پہ زار زار رونے لگے۔ مضطرب کیفیت، پریشان صورت، نہ سکون نہ قرار اِسی عالم بیقراری میں دو روز گزر گئے۔ تیسری رات حضورِ پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں جلوہ افروز ہوئے۔ شیخ سعدی کا مُقدر بدل گیا۔ قسمت کا ستارہ نصف النہار پہ چمکا۔ بخت نے یاوری کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہوا رخ انور کی زیارت سے فیض یاب ہوئے سعدی کی دنیا ہی بدل گئی دیدار سے آنکھوں کو جلا بخشی۔ والی بے کساں مُونسِ غم گُساراں صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطراب و غم زدگی کی وجہ دریافت کی۔ سعدی کا آنکھوں کا پیمانہ چھلک پڑا خوشی کے آنسو رواں ہوئے ساری کیفیت سعدی نے بیان کر دی آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سعدی! لکھ

صلو علیہ و آلہ

یہ ہوتا ہے عشقِ صادق کا صلہ یہ ہوتا ہے دل کی گہرائیوں سے اٹھنے والی محبت کا بدلہ یہ ہوتا ہے خلوص بے ریا کا عوضانہ شعروں کی لڑی بھی بن گئی رباعی بھی مکمل ہو گئی مقدر کے سکندر بھی بن گئے اور نجات کا سامان بھی ہو گیا۔

قائد کا فیصلہ

ہمارے عظیم قائد، محسن قوم، غلامی سے نجات دہندہ، آزادی کی نعمت سے مالا مال کرنے والے، خالق پاکستان، بانی خطہ پاک، گو کمزور سا جسم، ساخت میں دبلے پتلے مگر آہنی عزم مضبوط ارادے، فیصلوں میں اٹل عمل پیہم کے دلدادہ، ہمتوں کے کوہ گراں نہ بکنے والے نہ جھکنے والے، قوت ارادی کے پہاڑ یہ تھے ہمارے عظیم قائد حضرت محمد علی جناح جن کی شبانہ روز محنت، سائی جمیلہ سے آج ہم آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں آزادی کی نعمت سے بہرہ ور ہیں۔ یہ پاکستان آپ کی محنتوں اور کاوشوں کا ثمر انعام ربِ جلیل اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نظرِ کرم کا صدقہ ہے۔ آج ہمیں آزادی میسر ہے تو ہمیں اس آزادی کی قدر کرنی چاہیے پاکستان کی خدمت کو شِعار بنانا چاہیے ہر دم اسے مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی سعی کرنا چاہیے۔ فرقہ پرستی، تعصب گروہ بندیوں ذات برادریوں سے نکل کر اپنی شناخت ایک سچے پاکستانی کے طور کروانی چاہیے اس خطہ پاک کی نگہداشت اور خدمت ہر پاکستانی کا نصب العین ہونا چاہیے۔ دہشت گردی مسلمانوں کا شعار نہیں اس سے ہم نہ صرف اپنے پاک وطن کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں بلکہ اسلام اور مسلمان کے نام پر بدنما داغ بھی لگا رہے ہیں بدنامی کا باعث بن رہے ہیں دین اسلام تو اخوت اور بھائی چارے کا دین ہے یہ تو قطعاً آپس میں بیر رکھنا نہیں سکھاتا یہ دین تو ہر دم دوسروں کی خدمت کا درس دیتا ہے۔ اگر ہم نے آزادی کی نعمت کی قدر نہ کی اپنے اعمال کا محاسبہ نہ کیا تو دشمن تو گھات میں ہے وہ تو ہمیشہ ہمیں زک پہنچانے کے درپے ہے اگر ہم نے اللہ تعالیٰ کے انعام کی قدر نہ کی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں دوسروں سے محبت کو شعار نہ بنایا تو پھر ہماری داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں۔ حضرت قائد کے فرمانوں کو مشعلِ راہ بنانا چاہیے یقیں محکم، عمل پیہم، اتحاد تنظیم کے زریں اصولوں کو زندگی کا راہنما بنانا چاہیے جس طرح حضرت قائد نے 1947 میں پشاور میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "ہم مسلمان ایک خدا

ایک قرآن اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین رکھتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم ملت بھی ایک بنیں"۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

اب آپ اس عظیم شخصیت کے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے واقعہ کا احوال ملاحظہ فرمائیں۔آپ انگلستان بزنس اور کاروبار کی تعلیم حاصل کرنے گئے تھے چونکہ پیشہ آباء تجارت اور کاروبار ہی تھا وہاں آپ نے اپنے والد کے دوست کے ہاں گراہمس میں کاروبار کی تعلیم بھی شروع کر دی لیکن دو اور دو چار کی طرف میلان طبع پیدا نہ ہوا ارادہ بدل دیا اور قانون کی تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔خود فرماتے ہیں "مجھے یہ فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی کہ مجھے خود کو "بار" کے لئے تیار کرنا چاہیے۔میری خوش قسمتی کہ کسی "اِن Inn "میں داخلہ لینے کا یہ آخری سال تھا۔ اگلے سال سے قواعد وضوابط تبدیل ہونے والے تھے۔اگر یہ موقع نکل جاتا تو پھر مجھے "بار" میں جانے کے لئے دو برس انتظار کرنا پڑتا چنانچہ میں نے گراہمس میں اپرنٹس شپ چھوڑ کر "لٹل گو" کا امتحان پاس کرنے کے لئے سخت محنت شروع کر دی"۔قائد کی محنت رنگ لائی اور انہوں نے لٹل گو کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کر لیا اب مرحلہ داخلہ لینے کا درپیش تھا قانون کی تعلیم دینے والے چار مشہور و معروف ادارے تھے میں نے ان چاروں کو دیکھا مگر میرے لئے یہ فیصلہ مشکل تھا کہ کس میں داخلہ لوں آپ کے سیکرٹری اور مشہور سوانح نگار اصفہانی صاحب لکھتے ہیں "لنکن اِن میں داخلہ لینے کا فیصلہ انہوں نے کیوں کیا ایک دفعہ انہوں نے خود مجھے بتایا" یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں "لٹل گو" کے امتحان کی تیاری کر رہا تھا میں نے تہیہ کر رکھا تھا کہ یہ امتحان پاس کر کے رہوں گا اور مجھے یقین تھا کہ میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا میں نے سوچا کیوں نہ لندن میں موجود مختلف انز Inns دیکھ لیے جائیں اور وہاں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء سے ملاقات بھی کر لی جائے تاکہ میں پہلے سے ہی فیصلہ کر لوں کہ مجھے کون سے "اِن" میں داخلہ لینا چاہیے۔جب میں نے

معلومات حاصل کیں طلباء سے بات چیت کی تو میرے ذہن میں جس ''اِن'' میں داخلہ لینے کا خیال آیا وہ لنکن ان نہیں تھی لیکن اچانک میری نظر ''لنکن اِن'' کے مرکزی دروازے پر پڑی اور جب میں نے اپنے عظیم پیغمبر کا نام دنیا کے عظیم مقننوں کی فہرست میں سرِفہرست دیکھا تو فیصلہ کرلیا کہ لٹل گو میں کامیابی کے بعد ''لنکن اِن'' میں ہی داخلہ لوں گا''۔

بعد میں حبِ رسول اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سرشار ہمارے عظیم قائد نے لنکن اِن میں ہی داخلہ لیا۔ اپنی زندگی کا یہ سچا واقعہ آپ نے 1947ء میں کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کے دوران سامعین اور حاضرینِ محفل کو خود سنایا۔ بظاہر حضرت قائد پوری طرح انگریزی بود و باش کے دلدادہ، کلین شیو، سوٹڈ بوٹڈ اور فرفر انگریزی بولنے والی شخصیت تھے مگر اندر سے پکے سچے مسلمان۔ مسلمانوں کی قرونِ اُولیٰ کی ترقی کے دلدادہ مسلمانوں کی حالتِ زار بدلنے کا عزم صمیم درونِ دل اور اندر کی اتھاہ گہرائیوں میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جاگزیں۔ یہ عظیم قائد کی عظیم شخصیت کے خدوخال بنتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اور اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مسلمانوں کی خدمت کے لئے چن لیا پھر دنیا نے دیکھا کہ آپ کی کاوشوں سے ہمیں ایک آزاد وطن پاکستان کی صورت میں ودیعت ہوا۔ ہمیں اس انعام اور امانت کی دل و جان سے قدر اور خدمت کرنی چاہیے۔ اس کی ترقی و وقار ہمارا نصب العین ہونا چاہیے آپس میں اتحاد و اتفاق کو شعار بنانا چاہیے۔

اقبال اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد وتشریف آوری، خدائے بزرگ وبرتر کی اپنی کائنات اور مخلوق پہ عنایت خصوصی تھی جب انسان ذلت کی انتہائی پستیوں میں گھر گیا جب انسان نے ننگِ انسانیت کا روپ دھار لیا تو رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت اللعالمین بنا کے مبعوث فرمایا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایک جلوۂ تاباں بن کے سینہ فطرت سے ہویدا ہوئے اور انسان کو خالقِ جہاں کے احکام کا ہمصیفر کر کے قرطاسِ عالم کا سرنشیں کر دیا۔ آپ ہی کے فیض سے وہ غریب گلہ بان جو ابتدائے آفرینش سے ریگزاروں میں گمنام پڑے تھے حجاز سے غرناطہ تک اپنا سکہ چلانے لگے اور وہ مٹھی بھر شتربان جنہیں دنیا حقارت کی نظر سے دیکھتی تھی قلیل عرصہ میں سارے عالم پر اپنا پرچم لہرانے لگے گویا ذات محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کی ایک گھٹا تھی جو جھوم کے برسی اور انسانیت کے تپتے صحراؤں کو سبزہ زاروں میں بدل گئی یا روشنی کی وہ کرن تھی جو اندھیروں کو اجالوں میں بدل گئی یا وہ روشنی کا مینار تھی جو انسانیت کے سفینے کو نشانِ راہ دکھا گئی چودہ صدیاں گزر گئیں لیکن روشنی کا یہ مینار اپنی جگہ پہ قائم ہے۔ یہ سراجِ منیر پوری تابنا کی سے چمک رہا ہے اور اس چراغ کے گرد پروانوں کی گردش بھی بدستور جاری ہے اور ان کی وارفتگی ہمیشہ کی طرح قائم ہے اور امتدادِ زمانہ کے باوجود اس چراغ کی لو سے وصل کی آرزو کبھی جلال الدین رومی کو بے قرار کرتی ہے کبھی جنید و بایزید بسمل نظر آتے ہیں اور کبھی اقبال کی روح کو سوز وسازِ زندگی بخش دیتی ہے غرض یہ کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو عالم انسانیت پر کرم واحسان ہیں وہ اقبال سے بہ کیف ومستی کیا خوب ادا ہوئے ہیں ذرا عقیدت مندی ملاحظہ ہو

می توانی منکر یزداں شدن
منکر از شانِ نبی نتواں شدن

خاتم النبیین سید المرسلین فخر موجودات وجہ تخلیق کائنات کی محبت ہی خلاصہ عشق ہے۔

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بردر گوشہ دامانِ اوست

جنابِ سرورِ کائنات، آقائے ارض وسماوات، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی اصل دین وایماں ہے یہی بات بزبان قرآن یوں ادا ہوئی ہے

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

اور بہ کلام اقبال اسی کی یوں ترجمانی ہوئی ہے

محمد کی غلامی دین حق کی شرط اول ہے
اِسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

دردِ دل — مسلم مقامِ مصطفیٰ است
آبروئے ماز نام مصطفیٰ است

فکر اقبال کا مقصود شعر اقبال کی غایت تصور اقبال کا محور اور تخیلات اقبال کا مرکزی نکتہ یہی حب رسول ہے جناب ختمی مرتبت علیہ السلام کی ذات بابرکات ہی ذریعہ نجات ہے انہی کی محبت سرمایہ ایمان ہے اقبال کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ کا نام شریعت ہے انہی کی اطاعت وسیلہ مغفرت ونجات ہے اور انہی کا عرفان غایت ایمان ہے

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کے دین ہمہ اوست
گر بہ اونر سیدی تمام بولہبی ست

مرد قلندر حکیم الامت فیلسوف مشرق شاعر اسلام اور مفکر پاکستان حضرت علامہ محمد اقبال رحمتہ اللہ علیہ کو رسول پاک صاحب لولاک رحمتہ اللعالمین، شفیع المذنبین، انیس الغریبین، محبوب خدا، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی خود ان کی اپنی زندگی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی تصویر تھی۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی

جذبہ صادق تھا جسے عمر بھر اپنے اشعار کے ذریعے مسلمانوں کے سینوں میں انڈیلتے رہے علامہ اقبال کی تمام تر شاعری سارا کلام مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وقف ہے۔ اس کی ہر کتاب اس کا ہر شعر اسی مہک سے عطر بیز ہے اس مردِ قلندر کا سینہ وقلب عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے معمور ہے جہاں ذکر خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم آیا آنکھوں کے پیمانے چھلک پڑے اور اشکوں کی لڑیاں رواں ہوئیں صبر وضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے اور کیفیت یوں ہوئی کہ وسعتِ دامن تو کیا جذب کرتی سارا پیرہن تر بہ تر ہو جاتا ہے۔ ذکرِ محبوب میں قلم رقصاں اور روح وجد آفریں ہو جاتی ہے۔

آپ کی اِس کیفیت کا ذکر ہر ایک ملنے والے نے کیا ہے۔ حضرت مولانا غلام بھیک نیرنگ لکھتے ہیں

"اقبال کا قلبی تعلق حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ قدسی صفات سے اس قدر نازک تھا کہ حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتے ہی ان کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی چونکہ میں بارہا ان کی کیفیت دیکھ چکا تھا اِس لئے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص لوگوں سے بطور راز ضرور کہا کہ اگر یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقدِ پاک اور مزار پر انوار پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے وہیں جاں بحق ہو جائیں گے"۔ (مجلّہ اقبال ماہ اکتوبر 1957 صفحہ 30)

عشق کی یہ دولتِ گراں بہا اور عشقِ رسول میں یہ وارفتگی حضرت علامہ کو والد کی طرف سے ورثہ میں ملی تھی جو نہایت دین دار اور عاشقِ رسول بزرگ تھے رموزِ بے خودی میں علامہ اقبال نے اپنے والد کا ایک واقعہ نقل کیا ہے "ایک روز ایک گدائے بے نوا ہمارے دروازے پہ آیا۔ میں نے اُس سے بہتیرا کہا کہ بھئی معاف کرو لیکن وہ تھا کہ ٹلنے کا نام نہ لیتا تھا آخر میں نے غصے میں اس کے سر پر ڈنڈا رسید کیا میرے اس فعل کا والد گرامی کو علم ہوا تو انہیں بڑا دکھ اور ملال ہوا دل سے آہیں نکلنے لگیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اُن کی یہ حالت دیکھ کر میں گھبرا گیا اور میرا دل کانپ اٹھا فرمانے لگے "کل قیامت کے دن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کے گرد جمع ہو

گی جن میں غازیان ملت بیضا بھی ہوں گے اور شہدا بھی، حکمت دیں کے محافظ بھی صدیق بھی ہوں گے، زہاد بھی عاشقانِ زار بھی، عالم باعمل اور گنہگار بھی ایسے میں اُس گدائے دردمند کا نام بلند ہوگا اُس وقت اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھ لیا کہ میں نے تجھے ایک نوجوان عطا کیا تھا کیا تو یہ آسان کام بھی نہ کر سکا کہ اس کو آدمی بنا دیتا میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دوں گا" پھر بیٹے سے مخاطب ہو کے کہتے ہیں "یعنی اے بیٹے ذرا امت خیر البشر کے اِس اجتماع کا خیال کر اور پھر میری سفید داڑھی اور اس روز امید وبیم کی وجہ سے میرے جسم لرزاں کو دیکھ باپ کے ساتھ ایسا نازیبا ظلم روا نہ رکھ کہ وہ آقا کے سامنے رسوا ہو جائے تو شاخِ مصطفیٰ کا ایک غنچہ ہے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بادِ بہاری سے پھول بننے کی کوشش کر۔ (صفحہ نمبر 152)

علامہ اقبال پر بچپن کے اس واقعہ کا اثر تا زندگی رہا۔ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہونے کے تصور سے وہ کانپنے لگتے تھے ارمغانِ حجاز میں لکھتے ہیں

بہ پایاں چوں رسد ایں عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ مارا
حساب من ز چشم اونہاں گیر

یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علامہ اقبال ایسا نعت گو شاعر اور ثنا خوانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اردو ادب نے کم ہی دیکھا ہوگا فارسی شاعری میں اسرار خودی سے لے کر اردو کلام بانگ درا تک سارا ماحصل اِسی محور کے گرد گھومتا ہے اِن کے فکر وفن کا نکتہ آغاز و اِختتام ہی ناموسِ رسالت کا تحفظ ہے اب میں کلام سے چند نمونے پیش کرتا ہوں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم رنگ و خاک میں، تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ رنگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے
ہو نہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نا ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزم توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
ضمیر افلاک کا ایسادہ اسی کا نام سے ہے

یہ نمونہ صرف مشت از خروارے کے مصداق ہے۔

محب اور محبوب کا تعلق اسی میزان سے پرکھا جاتا ہے کہ محبّ کا جذبہ کتنا صادق ہے محبوب کی سیرت میں اپنے کو رنگ لینا محبت کی معراج ہوتی ہے عدم اتباع کا تصور بھی ناممکن ہے اتباع ہی معیار محبت گردانا جاتا ہے جو شخص رضائے محبوب اور اتباع محبوب کا نمونہ نہیں ہوتا اُس شخص کی مثال ایسے ہے جیسے جسم بغیر روح کے افتاب بغیر نور کے پھول بغیر رنگ و بو کے اور لفظ بغیر

معانی کے ہو۔ اسی لئے عاشقانِ رسول اور اصحاب رسول لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ کی عملی تصویر تھے۔ اگر حضرت علامہ سے کوئی پوچھتا کہ ہمیں دیدارِ رسول کیسے ہوسکتا ہے تو وہ جواب میں ایک بزرگ کے حوالے سے فرماتے کہ پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل کو اپنا شعار بناؤ اور اپنی زندگی اس میں ڈھالو اس کے بعد اپنے آپ کو دیکھو یہی ان کا دیدار ہے۔ (روزگارِ فقیر جلد اول صفحہ نمبر 68)

اسی نکتے کو علامہ مرحوم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اِک اسوۂ رسولؐ ہے وہ راہِ مستقیم
ہوتے ہیں جس کے سامنے سب راستے فنا
جو بھی عمل خلافِ پیمبر ہے، کفر ہے
ہے طاعتِ رسول میں ایمان کی بقا
راضی کرو رسول کو سنت کے ضبط سے
اِس کی رضا میں پاؤ گے اللہ کی رضا

اب ہم حکیم الامت کی زندگی کے ابواب پلٹتے ہیں تو ہمیں کہیں بھی تضاد نظر نہیں آتا سیرت رسول یا اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و خصوصیات میں توحید، حفظ ایمان و یقین پابندی ارکان اسلامیہ، اعلائے کلمتہ الحق، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، ظلم و ستم و فسق و فجور پر بے باک تنقید سعی و عمل کی تلقین، مایوسی و ناامیدی کے خلاف جہاد اخلاص اور قناعت، غیرت، خودداری، صبر و استقامت، ذکر و فکر کا اتحاد کامل سیرت و اسوۂ رسول کو انہی عنوانات کے تابع دیکھ سکتے ہیں۔ اب عقیدت و مبالغہ بالائے طاق رکھ کر بلا خوف و تردید کہہ سکتے ہیں کہ علامہ مرحوم کی زندگی میں ان صفات کی جھلک واضح نظر آتی ہے جو عشق رسول کا تقاضا ہے یہ حقیقت ہے کہ انہیں آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی مسلک فقر محبوب تھا وہ ''الفقر و فخری'' پر مفتخر تھے۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ فقیری میں نام پیدا کر
تیری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری
تیری بندہ پروری سے میرے دن گزر رہے ہیں
نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ
ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرم
کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوقِ شکر خند
ہوں آتشِ نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندہ مومن ہوں نہیں دانہ اسپند

تاجدارِ حرم سے محبت و عقیدت کا یہ عالم ہے کہ فکر دامن گیر رہتی ہے کہ کہیں میری عمر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے زیادہ نہ ہو جائے۔ حکیم احمد شجاع راوی ہیں کہ میں اِک بار علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہیں بے حد فکر مند پایا میں نے وجہ پوچھی تو نہایت ہی غم انگیز لہجے میں فرمایا ''احمد شجاع میں یہ سوچ کر اکثر مضطرب اور پریشان ہو جاتا ہوں کہ کہیں میری عمر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمرِ مبارک سے زیادہ نہ ہو جائے''۔ (روزگارِ فقیر جلد دوم صفحہ نمبر 72)

پاسِ ادب کا یہ التزام ہے کہ ایک دفعہ کسی نے شانِ نبی میں گستاخی کی آپ نے فوراً اسے محفل سے نکال دیا الحاصل بوریہ نشین کی سنت میں کبھی سامانِ تعیش میں نہیں پڑے نہ خواہش رکھی انتہائی سادگی و درویشی پہ قناعت کی۔ یہ مردِ حق شناسائے مقامِ رسالت پروانہ چراغِ مصطفوی، پاسبانِ ناموسِ مصطفیٰ سعی بسیار کے باوصف زیارت روضہ رسول سے مشرف نہ ہو سکے۔

ایک دفعہ یورپ سے لوٹے تو بے تکلف احباب نے استفسار کیا ''اقبال! تم یورپ ہو آئے واپسی میں روضہ اطہر پر بھی حاضری دے لیتے''۔ یہ سننا تھا کہ علامہ کی حالت غیر ہو گئی

اشکوں کی لڑی ساون بھادوں کی جھڑی بن گئی اور بار بار کہتے ''میں کس منہ سے روضہ اطہر پہ حاضر ہوتا''۔ 1932ء میں انگلستان سے واپسی پر موتمر عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لئے بیت المقدس گئے تو مدینہ منورہ جانے کی خواہش نے بے چین کر دیا لیکن ان کے جذبہ عشق نے گوارانہ کیا کہ وہ اِس موقع سے فائدہ اٹھا کے دربار نبوی میں حاضری دیں جب کہ وہ اپنے گھر سے کسی اور کام کے لئے نکلے ہوں وہ قدم جو جانب محبوب اٹھیں وہ اُسی سمت گامزن رہیں قصد زیارت میں دنیاوی غرض کا کیا مطلب؟ تو پھر سفر زیارت میں علامہ آمیزش و دوئی کیوں کر گوارا کرتے۔

زیارت کی تڑپ اور دیدار کی کسک علامہ مرحوم کو بیقرار رکھتی تھی 38-1937ء میں اِس آرزوئے ناتمام کی تکمیل کا سامان کیا۔ علامہ نے خود بھی فرمایا ''میں دو سال سے ارادہ حج میں ہوں بلکہ اشعار بھی لکھ چکا ہوں جو اس سفر سے متعلقہ ہیں'' (آثار اقبال صفحہ 90)۔

بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ و نذرانہ پیش کرنے کی خاطر ''ارمغان حجاز'' لکھنی شروع کی لیکن اِس تیاری میں مرض الموت نے آلیا اِس بیماری کے عالم میں انہیں حج بیت اللہ اور زیارت مدینہ منورہ کا ہر آن دھیان رہا اِس دوران وہ روحانی طور پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سفر میں رہے اور اشعار کی صورت میں اپنے تاثرات بھی قلم بند کرتے رہے۔

وصال کے وقت بھی یہی آرزوئے ناتمام اور یہی خلشِ دوام ہونٹوں سے یوں ادا ہوئی۔

سرودِ رفتہ باز آید کہ نہ آید
نسیمے از حجاز آید کہ نہ آید
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ نہ آید

اقبال اپنے آقا و مولیٰ تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور تحفہ درود و سلام کا نذرانہ یوں پیش کرتے ہیں

السلام اے قیمتی تر گوہر دریائے جود
السلام اے تازہ تر گلبرگِ صحرا وجود

حضرت علامہ اقبال سے متعلق عشقِ رسول اور حبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ مزید واقعات اور جھلکیاں۔

خود علامہ اپنی عزت و توقیر مرتبہ و مقام کے حصول کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ سب اعزازات کا حصول حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا صدقہ ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحمید ملک (کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور) کا بیان ہے کہ اِک روز میں نے حضرت علامہ سے پوچھا کہ آپ حکیم الامت کیسے بنے حضرت علامہ نے بلا تامل فرمایا "درود شریف کی برکت سے"۔ پھر فرمایا "میں نے گن کر ایک کروڑ مرتبہ درودِ ابراہیمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پہ بطور تحفہ ارسال کیا ہے۔ میری مقبولیت سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی وجہ سے ہے۔ آپ میری طرح ایک کروڑ بار درود شریف سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجیں ربِ کائنات آپ کو بھی علامہ بنا دے گا"۔ (بحوالہ ماہ نامہ درویش اکتوبر 1998)

پنجاب کے ایک دولت مند رئیس نے علامہ اقبال، سر فضل حسین اور ایک دو دوسرے مشہور قانون دانوں کو قانونی مشورے کے لئے اپنے ہاں مدعو کیا اور اپنی شاندار کوٹھی میں ان کے قیام کا بندوبست کیا اور ہر عیش و آرام کے سامان کا انتظام کیا رات کو جب علامہ سونے کے لئے اپنے کمرے میں گئے تو ہر طرف عیش و آرام کے سامان کو دیکھ کر ریشمی نرم اور قیمتی بستر دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہو گئے اور اس گرانی طبع کی وجہ یہ خیال تھا کہ جس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیوں کے صدقے ہم اس مرتبے و مقام تک پہنچے ہیں انھوں نے تو بوریے پر سو کر زندگی گزار دی بس اس

خیال کا دَرآنا تھا کہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اُس آرام دہ بستر پہ لیٹنا محال ہو گیا فوراً اُٹھے اور غسل خانے میں جا کر کرسی پر بیٹھ گئے اور زار زار رونا شروع کر دیا۔ جب آنسوؤں سے چہرہ تر ہوا تو طبیعت میں کچھ قرار آیا۔ ملازم کو بلایا اپنا بستر کھلوایا اور ایک چارپائی اُس غسل خانے میں ڈال کر جب تک مقیم رہے وہیں سوتے رہے۔ (جوہر اقبال مرتبہ محمد حسنین سید)

علامہ اقبال کے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ ایک بار غازی علم الدین شہید کی شہادت اور راج پال کی کریہہ حرکت اور دریدہ دہنی کا ذکر آیا تو علامہ اس قدر روئے کہ گگھی بندھ گئی جب حالت بہتر ہوئی تو رقت انگیز لہجے میں فرمایا "میں تو یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ تمہارے پیغمبر نے ایک دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ (روزگارِ فقیر جلد اوّل)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے حضرت علامہ کے ملفوظات جمع کیے ہیں ان میں آپ کا یہ فقرہ شامل ہے جو غازی علم الدین شہید کی شہادت کے زمانے میں بار بار سنا گیا

"اساں گلاں کردے رہے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا"۔ (بحوالہ روزگارِ فقیر جلد دوم)

مدینہ طیبہ کا ذکر وہ نہایت ادب واحترام سے لیتے تھے۔ 13 اگست 1918ء کو ایک دوست کو خط میں لکھتے ہیں "کل شام سے میری طبیعت مضطرب و پریشان ہے انگریزی اخبار نے مدینہ منورہ کی توہین کی ہے کمزوروں کے پاس بددعا کے علاوہ کیا ہے۔ (اقبال اور سیاست ملی مرتبہ رئیس احمد جعفری)

عاشقانِ باوفا جنہوں نے زندگیاں وار دیں

مومن کی یہ پہچان ہے کہ وہ اپنی زندگی کو آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس پر وار دیتا ہے ایک مومن رحمتہ اللعالمین، شفیع المذنبیں، سرور کائنات، فخر موجودات، ذاتِ ستوہ صفات، سرور انبیاء، احمد مجتبیٰ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر اپنی جان نچھاور کرنا موجب نجاتِ اُخروی سمجھتا ہے۔ کعب بن اشرف یہودی، بوجہل، سلام بن ابوالحقیق، خالد بن سفیان جیسے گستاخانِ رسول کو حضور کے پروانوں نے جان پر کھیل کر واصل جہنم کیا کیونکہ شاتم رسول کو فنافی اللہ کرنا اعلیٰ درجے کا ثواب اور آپ کی حرمت پہ کٹ مرنا شہادتِ عظمیٰ ہے۔

آج اِس گئے گزرے دور میں بھی جب کہ ہمارے ایمان نہایت کمزور پڑ گئے ہیں ہم برائے نام مسلمان رہ گئے ہیں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں ایسے اعمال ہم سے رخصت ہوئے۔ ہم پر عیش وکم کوش ہو گئے رطب ویابس کے غلام ہو گئے آج ہم گفتار کے غازی رہ گئے عمل کا خانہ خالی ہے۔ آج مادیت، مفادات اور آسائشات کا دور ہے آج کا انسان زندگی کو متاعِ گرانبہا سمجھتا ہے اور دنیاوی و عارضی حیات کو متاعِ عزیز گردانتا ہے۔ بخشش اور مغفرت کی دعائیں تو کرتا ہے لیکن مرنے کو دل نہیں چاہتا جب انسان موت سے ڈرنے لگ جائے تو وہ اندر سے بزدل ہو جاتا ہے لیکن اِس دور میں بھی ایسے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شمع محمدی کے پروانے موجود ہیں جو آن وشان و ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر اپنا سر کٹوانا اور زندگی کی بازی ہارنا سعادتِ دارین اور جنت کے حصول کی سند اور رسید سمجھتے ہیں آج بھی کئی فرزانے ایسے موجود ہیں جو اپنی جان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آن پہ وار کے سرخرو اور کامیاب وکامراں ہو جاتے ہیں کیونکہ

موت باوقار ہو زندگی کی مثال ہوتی ہے
زیست آبرو سے خالی ہو خودکشی کی مثال ہوتی ہے

میرے اس باب کا موضوع ایسے غیور مسلمان اور عاشقانِ باوفا نوجوان ہیں جو شمع رسالت اور

ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے زندگیاں وار کے اور اپنے آپ کو آن وشانِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پہ نثار ہو کر کے اپنے اسمائے گرامی تاریخ میں سنہری حروف میں رقم کروا گئے۔ اپنی زندگیاں حرمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ وار کے حیات جاوداں پا گئے۔ اس قافلے میں غازی عبدالرشید بھی شامل ہیں ان کا تعلق دہلی سے تھا۔ اخبار ''ریاست'' میں کتابت اور خوشنویسی کا کام کرتے تھے۔ اِن دنوں ایک بد باطن دریدہ دھن ہندو لالہ منشی رام عرف شردھانند نے شدھی تحریک کے فروغ کے لئے اردو اخبار ''تیج'' نکالا وہ اپنے اخبار میں اسلام اور مشاہیر اسلام کے خلاف نامعقول اور بیہودہ تحریریں شائع کرتا۔ اِس پر غازی عبدالرشید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا جوش ایمانی سے سرشار ہو کر شردھانند کو گولی ماردی ۱۵ مارچ ۱۹۲۶ء کو انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی اور اگست ۱۹۲۷ء کو انہیں دہلی کی سنٹرل جیل میں پھانسی دے دی گئی ان کی نمازِ جنازہ پچاس ساٹھ ہزار افراد نے جامع مسجد دہلی میں ادا کی انہیں خواجہ باقی باللہ کی درگاہ کے قریب سپردِ خاک کیا گیا۔ اِسی طرح عاشقان اور غلامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل فہرست ہے جنہوں نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہتک کی نیت سے اشارہ کرنے والوں کے سرتن سے جدا کر دیے سچی بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت شرطِ ایمان اور اساسِ دین ہے۔

چکوال سے تعلق رکھنے والے غازی مرید حسین شہید 1915 میں پیدا ہوئے اُن کے سینے میں بچپن سے اسلام کی سچی تڑپ موجود تھی۔ لاہور اور کراچی میں رونما ہونے والے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات نے انہیں ہندو ذہنیت سے مزید بدظن کر دیا تھا۔ ایک روز اخبار ''زمیندار'' کی ایک خبر نے غازی مرید حسین کو لاکھوں مسلمانوں کی طرح غم وغصے سے انگارہ بنا دیا اور اُس کے اندر انتقام کی آگ بھر گئی خبر کے مطابق گڑگانواں کے ایک بدطینت ہندو ڈاکٹر رام گوپال پلول نے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کا ارتکاب کیا غازی مرید حسین نے اِس بدبخت ڈاکٹر رام گوپال پلول کو خنجر سے وار کر کے جہنم رسید کیا اور موقع پر ہی گرفتاری کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا اِن پر مقدمہ چلا اور انہیں ۲۴ ستمبر ۱۹۳۷ کو جہلم میں پھانسی

دے دی گئی غازی صاحب محلہ بھلہ شریف تحصیل چکوال میں محو استراحت ہیں۔

چکوال ہی کے غازی میاں محمد شہید نے تلہ گنگ میں جنم لیا اُن کے والد فوج میں تھے۔ میاں محمد نے ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کی بعدازاں بس چلانے لگے۔ یہ کام انہیں زیادہ پسند نہ آیا واپس اپنے گھر آ کر اپنا کاروبار کرنے لگے۔ ۱۹۳۳ء میں بحریہ میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۳۷ء میں وہ مدراس چھاؤنی میں تعینات تھے۔ ۱۶ مئی کی شب وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے کہ یکا یک ایک ہندو سپاہی چرن داس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ اِس پر میاں محمد کی رگِ حمیت پھڑک اٹھی اور وہ نتائج کی پرواہ کیے بغیر اُس سے الجھ پڑے معاملہ جب بہت بگڑا تو وہاں موجود افراد نے بیچ بچا کرادیا تاہم چرن داس نے کسی قسم کی معذرت کرنے سے انکار کر دیا اُس وقت تو معاملہ رفع دفع ہو گیا مگر میاں محمد کے دل سے چرن داس کی بکواس کا اثر نہیں جا رہا تھا۔ انہوں نے اپنی رائفل لوڈ کی اور چرن داس کے ناپاک وجود کو مٹا ڈالا۔ اِس کے بعد میاں محمد نے افسر کے سامنے گرفتاری دے دی۔ اِس پر مقدمہ چلایا گیا۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۷ کو پھانسی کی سزا سنائی گئی مدراس سول جیل میں ۱۲ اپریل ۱۹۳۸ کو سزا پر عمل درآمد ہوا۔ یوں اپنا نام غلامانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں لکھوا کر غازی میاں محمد شہید حضور ساقی کوثر، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہو گئے۔

ایک اور بد باطن نے راج پال کے انجام سے سبق نہ سیکھتے ہوئے ایک اور جسارت کی نتھو رام نے ایک کتابچہ لکھا۔ جس میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں اور نازیبا کلمات لکھے مسلمانوں میں اُس کی اِس حرکت بد پر اشتعال پھیل گیا۔ حکومت نے مسلمانوں کی اشک شوئی کے لئے یہ کتابچہ ضبط کر لیا اور نتھو رام کو عدالت میں طلب کر لیا۔ جونہی وہ عدالت میں پہنچا۔ لیاری کے ایک نوجوان عاشقِ رسول غازی عبدالقیوم نے آگے بڑھ کر خنجر اُس بد بخت کے پیٹ میں اتار دیا اور اس کی انتڑیاں نکال دیں۔ پولیس غازی عبدالقیوم کو گرفتار کرنے بڑھی تو وہ مسکرانے لگا اور پولیس سے کہنے لگا "گھبراؤ مت میں بھاگنے والا نہیں۔ بھاگنے والے ایسا کام

نہیں کرتے"۔ غازی عبدالقیوم ایک گھوڑابان تھے اور واقعہ سے صرف دس دن پہلے ان کی شادی ہوئی تھی غازی عبدالقیوم کے وکلانے بہت کہا کہ وہ قتل سے مکر جائیں تو سزا سے بچ سکتے ہیں مگر عبدالقیوم کا یہی کہنا تھا کہ وہ اِس قتل سے انکار نہیں کر سکتے۔ شہادت کے اعزاز کو نہیں ٹھکرا سکتے۔ یہ سرفروش، یہ فدائی، یہ جاں نثار، یہ دیوانہ، یہ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اقرار جرم پہ بضد رہتا ہے اور یہی کہتا ہے کہ میں نے قتل کیا ہے میں نے یہ سعادتِ دارین حاصل کرنے کو از خود جان کی بازی لگائی ہے میں تو بارگاہِ رسالت میں جان کا نذرانہ پیش کرنا چاہتا ہوں بھلا میں جان بچانے کو اِس قتل سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔

تیری چوکھٹ پہ سر ہو اور تارِ زندگی ٹوٹے
یہی انجامِ الفت ہے یہی مرنے کا حاصل ہے

عدالت نے انہیں سزائے موت سنادی۔ غازی عبدالقیوم شہید کراچی کے میوہ شاہ قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔ اُن کی تدفین کے موقع پر حکومت نے عوام پر فائرنگ کر کے ۱۲۲ افراد کو شہید اور دو کو زخمی کر دیا تھا۔

غازی علم الدین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید کے واقعات نے علامہ اقبال کے دل پر گہرے اثرات مرتب کیے اور انہوں نے "ضربِ کلیم" میں اِن واقعات سے متاثر ہو کر اشعار بھی لکھے۔

زیادہ دُور نہیں ابھی کل کی بات ہے کوئی زیادہ وقت نہیں گزرا ایک شاتم رسول اور گستاخِ مصطفیٰ راج پال نے "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھی پھر چشمِ فلک نے تماشا کیا اور لوگوں نے اِن آنکھوں سے یہ منظر دیکھا کہ حرمتِ رسول پہ کٹ مرنے والا فدائی، غازی علم الدین کے روپ میں پیدا ہوا اور اِس شاتم رسول کو 6 اپریل 1929ء کو کیفر کردار تک پہنچایا۔ عشقِ رسول کا ایک نیا باب لکھا اور لازوال چراغ روشن کیا۔

غازی علم الدین شہید نے 4 دسمبر 1908 کو اندرون شہر لاہور کے ایک متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی اُن کے والد پیشے کے اعتبار سے ترکھان یعنی بڑھئی تھے علم الدین نے ابتدائی تعلیم کے

حصول کے بعد اپنے والد کے ہنر سیکھنے کو ترجیح دی۔ اُن کی منگنی اُن کی ماموں زاد سے ہو چکی تھی اور شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ماں کے ارمان تھے کہ نوجوان بیٹے کے سر پر سہرا دیکھے۔ انہیں دنوں شہر میں یہ خبر عام ہوئی کہ انار کلی بازار کے ایک تاجر کتب نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک دل آزار کتاب لکھ کر گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔ اِس خبر نے غازی علم الدین کے دماغ میں بارود بھر دیا۔ شہر میں ہندو مسلم کشیدگی میں اضافہ ہو گیا۔ راج پال دندناتا پھرتا تھا سامراجی حکومت اُس کے خلاف کوئی کاروائی کرنے کو تیار نہ تھی۔ ایسے میں غازی علم الدین کو غیرت ایمانی نے بیقرار کر رکھا تھا۔ راج پال کو غازی خدا بخش اور افغان نوجوان غازی عبدالعزیز نے واصل جہنم کرنے کی کوشش کی مگر وہ لعین بچ گیا۔ غازی علم الدین نے گنٹی بازار سے چھری خریدی اور راج پال کا کام تمام کرنے ان کی دوکان کی طرف چل دیا۔ وہ گلیوں میں سے ہوتا ہوا جلد ہی راج پال کی دکان پہ پہنچ گیا۔ تھوڑی دیر بعد راج پال دکان کھولنے آیا تو غازی علم الدین نے آناً فاناً چھری نکالی اور اُس موذی کے پیٹ میں اتار دی اور زمین کو اُس کے ناپاک وجود سے پاک کر دیا۔ غازی علم الدین کا مقدمہ مسلمانوں کے چوٹی کے وکلا جن میں خواجہ فیروز الدین، بیرسٹر ڈاکٹر اے۔ آر خالد، بیرسٹر فرخ حسین نے لڑا۔ تاہم غازی علم الدین کو سزائے موت سنادی گئی اِس پر حضرت قائداعظم کی خدمات حاصل کی گئیں جنہوں نے ہائی کورٹ میں مقدمے کی پیروی کی مگر انگریز اور ہندو جج غازی صاحب کی سزا پہ قائم رہے۔ غازی علم الدین نے رحم کی اپیل نہیں کی اور ہنستے مسکراتے سینہ تانے 31 اکتوبر 1929ء کو ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان ہو گئے۔ غازی صاحب کو میانوالی جیل میں پھانسی دے دی گئی مسلمانوں کے شدید احتجاج اور ردِ عمل کے خوف سے اُن کے جسد خاکی کو وہیں دفن کر دیا گیا۔ مگر مسلمانوں نے اس پر شدید احتجاج کیا تو انگریز حکومت نے نعش کو مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ 14 نومبر 1929ء کو چشم فلک نے لاہور کی تاریخ کا سب سے بڑا جنازہ دیکھا جو غازی علم الدین شہید کا تھا میت کو مولانا سید دیدار علی شاہ الوری اور علامہ محمد اقبال نے اپنے ہاتھوں سے لحد میں رکھا ان کی مرقدِ پر انوار قبرستان میانی

صاحب میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔
مسلمانوں نے حضرت علامہ اقبال سے استدعا کی کہ وہ اپنے اثر رسوخ کو غازی علم الدین کی پھانسی رکوانے کے لئے استعمال کریں لیکن علامہ نے فرمایا میں کون ہوتا ہوں ان کی شہادت میں حارج ہونے والا۔ ان کا مشہور مقولہ "اسیں گلاں کردے رہ گیئے تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا" زبان زدعام ہوگیا۔
ان سرفروشوں، ان ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان ہونے والوں کا اجر کیا ہوتا ہے کہ یہ اپنی جان کے بدلے جنت خرید لیتے ہیں یہ بخشش و مغفرت کی سند حاصل کر لیتے ہیں نواب دین اُس میانوالی جیل کا وارڈن تھا جس میں غازی علم الدین شہید کو رکھا گیا تھا اُن کا غازی علم الدین شہید کے بارے میں بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ ایک وجیہہ شکیل اور نورانی شخصیت کا ورود ہوا انہوں نے غازی کے سر پہ دستِ شفقت پھیرا۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ آپ کی کوٹھڑی کے باہر پانی کا گھڑا ہوتا تھا میں نے بھی پانی پیا اس کا ذائقہ بالکل آبِ زم زم کا ہوتا تھا۔ آپ کو پندرہ یوم کے بعد قبر سے نکالا گیا تا کہ لاہور بھیجا جائے جسدِ پاک سے خوشبو کی لپٹیں آتی تھیں اور چہرہ بالکل صحیح و سلامت تھا جو ذات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پہ قربان ہوتی ہے تو پھر اُس کی شان یہ ہوتی ہے۔
جیل میں قید کے دوران غازی صاحب سے بعض کرامات بھی بیان کی جاتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق شہادت سے قبل کی رات کو جب جیلر صاحب گشت پہ تھے تو اس نے دیکھا کہ جس کوٹھڑی میں غازی صاحب قید میں رکھے گئے تھے وہ خالی ہے وسل بج گیئے سائرن بج اٹھے جیل میں بھگدڑ مچ گئی لیکن جب افسرانِ بالا موقع پہ پہنچے اور کوٹھڑی میں دیکھا تو وہ حیران رہ گیے کہ غازی صاحب مصلے پہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک راز ہے جو اللہ پاک کی ذات اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی جانتی ہے یہ مراتب بھی اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے ہی سے عطا ہوتے ہیں۔

نعتیہ شاعری میں خراجِ عقیدت

اور

اظہارِ عشق و محبت

دورِ جاہلیت میں عرب ادبی میدان میں بڑا مقام رکھتے تھے ان میں بلند پایہ شاعر اور ادیب موجود تھے زبان دانی میں کمال حاصل تھا یہاں تک کہ وہ کسی کو بھی اپنے ادبی پائے کا نہ گردانتے تھے وہ تو باقیوں اور غیر عرب اقوام کو عجمی یعنی گونگے کہتے تھے دورِ جاہلیت میں بڑے نامور شاعر گزرے ہیں یہاں تک کہ عورتیں بھی شاعرہ تھیں۔

ان شعراء کے کلام میں مضامین بڑے سوقیانہ اور اخلاق سے گرے ہوئے ہوتے تھے۔ عشق و محبت کے فرضی افسانے، قبائلی اور نسلی تفاخر کی داستانیں، جنسی موضوعات، ہجو درباری قصیدے اور رزمیہ شاعری کے مضامین عام تھے سات شعرا کا کلام جو "سوق عکاظ" میں پڑھا اور پسند کیا جاتا تھا سبعہ معلقہ کے نام سے بابِ حرم پہ لٹکا ہوا تھا۔ جسے قرآن مجید کی سورہ کوثر نے آکر منسوخ کیا۔

ہر نبی کو معجزات اُس وقت کے حالات اور تقاضوں کے مطابق عطا کیے گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں لکڑی کا کام عروج پر تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے ایسی کشتی بنائی جو طوفانِ نوح میں کام آئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں لوہے کا کام کمال پر تھا تو حضرت داؤد علیہ السلام کو معجزہ عطا ہوا کہ لوہا ان کے ہاتھ میں پگھل جاتا تھا اور وہ جیسے چاہتے اُسے ڈھال لیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری اور ساحری کا راج تھا جادوگر سانپ بنا لیتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دیا گیا کہ وہ اپنا عصا پھینکتے تھے وہ اژدھا بن جاتا تھا اور ان سانپوں کو نگل جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب اور ڈاکٹری عروج پر تھی بڑے حاذق حکیم موجود تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزہ دیا گیا کہ وہ کوڑھیوں اور مادرزاد اندھوں کو ٹھیک کر دیتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور وہ نامور حکیم ایسا کرنے سے قاصر تھے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عرب میں ادب اور شاعری عروج پر تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید، فرقان حمید عطا ہوا گو یہ شاعری تو نہ تھی لیکن یہ اس ادبی مقام پہ تھا کہ تمام عرب شعرا اور ادیب عاجز آگئے اور اُس جیسا کلام تخلیق نہ کر سکے قرآن مجید نے چیلنج دیا کہ تمام مل کر اس جیسی ایک آیت ہی بنا لاؤ لیکن وہ ایسا کرنے سے

قاصر ہے۔ اسلام نے فضول شاعری کو وقت کا ضیاع اور اخلاقی گراوٹ کی بنا پر مسترد کردیا قرآن میں میں ارشاد ہوتا ہے

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

نہ ہم نے انہیں (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) شعر سکھایا؛ اور نہ ہی یہ فن ان کے سزاوار تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود شاعر نہیں اور نہ یہ ان کے مقام و مرتبہ کے لائق ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائش کر کے صحابہ کرام سے اچھے اور معیاری شعر سنتے تھے۔ حضرت شرید کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا تھا۔ اُس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمیّہ کے سو شعر سنائے ہر شعر پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ اور سناؤ آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا اسلام لے آنا بہت قریب تھا (شمائل ترمذی)۔ اکثر یہ بھی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مسلمان شعرائے کرام کو رجز پڑھنے کے لئے کہا تا کہ مسلمانوں کے جوش و جذبے میں اضافہ ہو۔ یہ بھی بارہا دربارِ رسالت میں ہوا کہ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان بن ثابت انصاری کو منبر پر بٹھا کر ان سے شعر سنتے اور خود سامعین میں سامنے فرش پر جلوہ افروز ہوتے یہ بھی ہوا کہ حضرت کعب بن زہیر قریش کے مشہور شاعر تھے وہ اسلام کے خلاف شعر کہہ کے قریش کے جذبات بھڑکاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب وہ مدینہ منورہ اپنے سے توبہ کرنے اور اسلام لانے آیا۔ ایک قصیدہ لکھ کے لایا۔ کعب بن زہیر سے قصیدہ ''بانت سعاد'' سنا گیا یہ سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کے نہ صرف سابقہ اعمال معاف کردیے تمام تقصیرات معاف فرمادیں بلکہ انہیں اپنی کملی بھی عطا فرمادی پھر بعد میں امام بوصیری سے قصیدہ بردہ خواب میں سن کر نہ صرف انہیں اپنی کملی بھی عطا فرمادی بلکہ ان کا فالج بھی جاتا رہا۔ شعر سنے گئے قصیدوں کو پسند کیا گیا شعرا کو انعامات سے بھی نوازا گیا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خود شعر نہیں کہے۔ حضرت کعب بن زہیر کے شعر میں اصلاح بھی فرمائی ''سیوف الہند'' کی بجائے ''سیوف

اللہ" کردیا لیکن یہ معنوی اصلاح تھی اور مفہوم کی درستگی تھی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

انا النبی لاکذب
انا ابن عبدالمطلب

یہ بھی اظہار حقیقت کے طور پر اپنی اعلیٰ نسبی اور اپنے مرتبہ و مقام سے آگاہ فرمایا یہ بھی شاعری نہ تھی اگرچہ الفاظ کی بندش قافیہ ردیف کے اعتبار سے یہ شعر ہی لگتا ہے۔ اس طرح تو قرآں مجید میں بھی بعض مقامات پر قوافی و ردیف کا اعتبار ہے لیکن قرآن مجید یا اس کی کوئی آیت شعر نہیں۔

قرآن مجید، فرقان حمید میں ارشاد ہوتا ہے "شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں یہ شاعر لوگ ہر وادی میں سرگشتہ پھرتے ہیں اور زبان سے وہ کہتے ہیں جس پر عمل نہیں کرتے سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور صالح عمل کیے اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں"۔ فرمان واضح ہے کہ ان شاعروں کی پیروی گمراہی ہے وہ ہر وادی میں سرگرداں و آوارہ پھرتے ہیں ہر جگہ منہ مارتے ہیں اور ان کے کردار و گفتار میں واضح فرق ہوتا ہے۔

صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور پھر آج تک مسلمانوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہی۔ نعت عربی لفظ ہے اِس کے معنی تعریف کے ہیں نعت وصف کے بیان میں آتا ہے عربی کی مشہور لغت المنجد کے مطابق نعتاً تعریف کرنا، بیان کرنا، اچھی صفات دکھانا، خوبصورت چہرے والا ہونا اچھے اخلاق والا ہونا۔

سب سے پہلے تو نعت کا تعلق خود خدائے ذوالجلال کی ذات سے ہے۔ خالق حقیقی خود اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کہتا ہے قرآن مجید، فرقان حمید میں کہیں آپ کی شان، تعظیم و توقیر بیان کرتا ہے اور کہیں آداب دربار رسالت بیان کرتا ہے اور درود شریف بھی تو نعت ہی ہے۔ نعت ہمیشہ عشق و محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کے کہی جاتی ہے اور پھر نعت کہنا تلوار کی دھار پہ چلنے کا نام ہے توحید و رسالت کے فرق اور رشتے کو بیان کرنا بڑا نازک مسئلہ ہے۔ معبود و عبودیت کے

تعلق میں ہم آہنگی پیدا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ عالیہ جذبات، ارفع خیالات، دردوسوز، رفعتِ بیاں اور حسن ذوق نعت کے لاینفک عناصر ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول توحید و رسالت خالق اور مخلوق عبد اور معبود سب کچھ نعت کہتے وقت پیشِ نظر ہونا چاہئے۔

اولین نعتیہ کلام

آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ و مقام سے واقف صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم

کہ آں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

بے شک نعت کا اولیں مجموعہ ام الکتاب، نسخہ کیمیا قرآن مجید ہے اسی لئے قرآن پاک میں بیان کردہ مضامین، توصیف سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین نعت کہا جا سکتا ہے۔ اولیں اشعار و مدحت شاہ دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم یمن و حضر موت کے بادشاہ ابا کرب جسے تبع ثانی کہتے ہیں کے ملتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے بہت پہلے یمن کے بادشاہ تبع یہ ان کا لقب تھا نے کہے اِن اشعار میں ان کے دلِ بے تاب کی تمناؤں کا برملا اظہار ہے۔ تبع نے یثرب پر حملہ کیا باوجود جنگ کے فتح نہ کر سکا آخر اس نے اہل یثرب سے صلح کر لی۔ بنیامین قرظی جو تورات کے عالم تھے اُس نے تبع سے کہا کہ تم اس شہر کو فتح نہیں کر سکتے کیونکہ یہ شہر ایک نبی کی آماجگاہ بنے گا جو قریش سے ہوگا۔ اُس نے یہ بات سنی تو بے اختیار اس نے آنے والے نبی مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کچھ اشعار کہے۔ سیرت نبویہ والآ ثار المحمدیہ میں ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری کا وہ مکان جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت مدینہ کے بعد قیام فرمایا اُسی تبع نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعمیر کروایا تھا۔

بعض محققین کے نزدیک حضرت کعب بن لوی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے تھے جمعہ کو خطبہ دیا کرتے اور لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و ورود کی نوید سنایا کرتے علامات بتاتے اور صفات بیان کرتے سیرت کی مختلف کتابوں میں آن کے کئی شعر نقل ہیں ایک شعر میں وہ دعا مانگتے ہیں کہ کاش ان کو اتنی زندگی مل جائے کہ وہ آپ کی ولادت باسعادت کا دور پا سکیں اور آنے والے نبی پہ ایمان لا سکیں اور ان کی تائید کر سکیں۔ علامہ نور الدین عبد الرحمٰن جامی لکھتے ہیں

کہ کعب بن لوی کی موت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پانچ سو ساٹھ سال قبل ہوئی۔
پشاور یونیورسٹی کے آنریری پروفیسر حافظ محمد عبدالقدوس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب سے مدحیہ اشعار کی ابتدا ہوئی۔ حضرت عبدالمطلب اپنے یتیم پوتے کی پیدائش پر بہت خوش ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبۃ اللہ کے اندر لے گئے اور یہ دعائیہ شعر پڑھے جو سیرت کی کتابوں میں درج ہیں

الحمد اللہ الذی اعطائی

ھذ الغلام الطیب الدوان

ترجمہ (میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں جس نے مجھے یہ بچہ عطا کیا جس کا لباس پاکیزہ ہے وہ گہوارے میں ہی دوسرے بچوں کا سردار ہے میں اسے بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں یہاں تک کہ وہ نوجوانوں کا مددگار اور فصیح و بلیغ ہو جائے)

کچھ محققین کے نزدیک آپ کے چچا حضرت ابوطالب نے اپنے بھتیجے کی مدح بیان کی اس لئے وہ پہلے نعت گو شاعر قرار پاتے ہیں ان کا پہلا قصیدہ ان کے دیوانِ ابوطالب میں درج ہے یہ تحقیق پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ عربی کے صدر جناب ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک کی ہے۔ ان کے ایک شعر کا ترجمہ درج ہے۔ ''وہ روشن و تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کی پناہ ہیں''۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید نے سیدہ آمنہ کے اشعار کا شمار پہلے نعتیہ کلام میں کیا ہے اور اسے پہلی نعت قرار دیا ہے جب سیدہ آمنہ نے اپنے لال کو حضرت حلیمہ سعدیہ کے سپرد کیا

(ترجمہ) ''میں اپنے بیٹے کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں اس شہر سے جو پہاڑوں پہ چلتا ہے یہاں تک کہ میں اسے شتر سوار دیکھ لوں کہ وہ غلاموں اور درماندہ لوگوں کے ساتھ نیک سلوک اور احسان کرنے والا ہے''۔

بعض نے اعشیٰ بن قیس کو پہلا نعت گو شاعر قرار دیا ہے۔ اعشیٰ کا اصلی نام میمون بن قیس تھا یہ زمانہ

جاہلیت کے معروف شاعر تھے ان کا قصیدہ سبعہ معلقہ میں شامل تھا سبع معلقہ وہ سات قصیدے ہیں جو سوق عکاظ میں قبولیت کی سند پا چکے تھے اور ان قصیدوں کو آب زر سے لکھ کر بیت اللہ کے دروازے پر لٹکایا گیا تھا۔ اعشیٰ نے بڑی طویل عمر پائی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یہ موجود تھے اعشیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی خبر سن کر آپ کی مدح وتوصیف میں ایک قصیدہ لکھا اور جانب حجاز روانہ ہوا قریش نے روکنے کی یہ تدبیر کی کہ چندہ کر کے سو اونٹ اسے پیش کیے یہ اس لالچ میں اسلام لانے سے محروم و نامراد رہا اور واپس پلٹ آیا۔

ڈاکٹر ریاض مجید کے مطابق سب سے پہلا قصیدہ ورقہ بن نوفل نے لکھا جو مذہباً عیسائی عالم تھے حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے سیرۃ ابن ہشام میں یہ شعر نقل کیے گئے ہیں ان اشعار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا انتظار اعلان نبوت تک زندہ رہنے کی آرزو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کا اقرار شامل ہے۔ ورقہ بن نوفل نے خود ایک نعتیہ شاعر قُس کا ذکر کیا ہے جنہوں نے غائبانہ شعر کہے یہ دراصل قیس بن ساعدہ تھے قیس بن ساعدہ کے بھی کچھ نعتیہ شعر تاریخ میں محفوظ ہیں قیس بن ساعدہ کی ایک نعت ہے جو ولادت نبوی سے پہلے کی ہے۔

بعض علمی سکالروں کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح جب ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ الکبریٰ سے ہوا تو اس محفل میں عرب کے مشہور شاعر عبداللہ ابن غنم نے فی البدیہہ قصیدہ پڑھا وہ پہلی نعت تھی اور اس قصیدہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ۲۵ سالہ زندگی میں ہی اہل عرب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی خوشخبری گزشتہ صحائف میں دی گئی تھی۔

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے اپنے مقالے میں یثرب کی بچیوں کا وہ گیت جو بڑے معصوم انداز میں بچیوں نے استقبال کے موقع پر گایا اسے پہلی نعت قرار دیا

طلع البدر علینا

وجب الشکر علینا

من ثنیات الوداع

ماد حٰی للہ داع

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ حضور اکرم خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور رسالت کے تذکرے سابقہ تمام آسمانی اور الہامی صحائف میں موجود تھے آپ کی نشانیاں موجود تھیں اس لئے ان الہامی کتابوں کے عالم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں پُر یقین تھے کہ آپ کی آمد یقینی ہے اس لئے انہوں نے شعر لکھے آپ کی ولادت سے بہت پہلے جس میں عموماً اس خواہش کا اظہار ملتا ہے کہ کاش انہیں اس زمانے تک حیاتی مل جائے تا کہ وہ زیارت سے مشرف ہوں ان کے ہاتھ پر بیعت کریں اور ان کا ساتھ دیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صحابہ کرام نے نعتیہ اشعار کہے ان میں اہل بیت، خلفائے راشدین اور دیگر جید اور سرکردہ صحابہ کرام شامل تھے۔ تاریخ اسلام کے مورخین اور محققین نے عہد صحابہ کے نعتیہ شعرا کی طویل فہرست دی ہے۔ مختلف سیرت کی کتابوں میں ان شاعر صحابہ کرام کے اشعار نقل کیے گئے ہیں صحابہ کرام کے بعد تابعین، تبع تابعین اور اولیائے عظام اور صوفیائے کرام نے بھی اپنے آقا و مولیٰ، ماویٰ و ملجیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی عقیدت و محبت کے پھول نعت کی صورت میں ہدیتاً پیش کیے ہیں اور یہ سلسلہ تا قیام قیامت چلتا رہے گا۔ علامہ یوسف بن اسمٰعیل النبہانی نے اپنی کتاب ''المجموعۃ النبہانیہ فی المدائح النبویہ'' میں جن صحابہ کرام کے نعتیہ اشعار نقل کیے ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے یقیناً اور بھی صحابہ کرام ہوں گے جن کے اشعار ان کے علم اور مطالعہ سے رہ گئے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت ابو جرول ظہیر، حضرت عمر بن مالک الخزاعی، حضرت کعب بن ظہیر، حضرت ابو طالب، حضرت عبدالمطلب، حضرت حمزہ، حضرت ابو بکر، حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت رسول، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، حضرت ابوسفیان بن حارث، حضرت حسان، حضرت عباس بن

عبدالمطلب، حضرت کعب بن مالک انصاری، حضرت عبداللہ بن زبعری، حضرت قتیلہ بنت الحارث، حضرت اعشیٰ بکر بن وائل، حضرت امیہ بن ابی اناس بن زنیم، حضرت اسید بن سلمہ، حضرت مالک بن عوف، حضرت قیس، ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے صحابی شعرا کا کلام درج ہے لیکن بوجہ طوالت منتخبہ فہرست شامل کی ہے۔

نعت کا لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا البتہ احادیث میں یہ لفظ کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی خوبیوں کا بیان کیا گیا ہے۔ نعت کے مترادف لفظ وصف اور مدح آئے ہیں۔

نعت کے مضامین:۔ نعت میں وہ ہر مضمون شامل ہے جس کا تعلق شانِ رسالت کے ساتھ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد مبارک، حسب نسب، حسن بے مثال، پاکیزگی، کردار، معجزات وکمالات، تصرفات، اختیارات، عالمگیر مشاہدہ، واقعات جہاد، تائید ربانی، جود وسخا، لطف وعطا، عفو وحلم، صبر واستقلال، توسل شفاعت قرآن پاک کے فضائل، اسلامی انقلاب، دین حق کی خصوصیات وبرکات، مناقب صحابہ کرام واہل بیت اطہار اور گستاخان ومنکران شوریدہ سر کی مذمت وغیرہ سب کچھ نعت کے اشعار میں موجود ہے۔ صحابہ کرام کے کلام میں بھی کم وبیش یہی کچھ موجود ہے۔ مشتے از خروارے صحابہ کرام کی نعتیہ شاعری کے تبرکاً چند نمونے

حضرت ابوبکر صدیق

لما رایت نبینا متجد لا
ضاقت علی البرعص الدرر
فارتاع قلبی عند ذالک المھلکہ
والعظم منی ماحییت کیسر
یالیتنی من قبل مھلک صاحبی
غیبت فی جدث علیی صحنور

"جب میں نے اپنے نبی کو وفات پاتے دیکھا تو مکانات اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئے اُس وقت آپ کی وفات سے میرا دل لرز اٹھا اور زندگی بھر میری ہڈی شکستہ رہے گی کاش میں اپنے آقا کے انتقال سے پہلے قبر میں دفن کر دیا گیا ہوتا اور مجھ پر پتھر ہوتے"۔

یا عین فابکی ولا تسائی
وحق البکا علی السید

تو اے آنکھ خوب رو اب یہ آنسو نہ تھمیں قسم ہے سرورِ عالم پر رونے کے حق کی

فصلی الملیک ولیی العبا
دِوَرب العباد علی احمد

مالک الملک بادشاہ عالم، بندوں کے والی اور پروردگار احمد مجتبیٰ پر سلام و رحمت بھیجے

فکیف الحیاۃ لفقد الحبیب
وزین المعاشر فی المشہد

اب کیسی زندگی جو حبیب ہی بچھڑ گیا اور وہ نہ رہا جو زینت دو عالم تھا

فلیت الممات لنا کلنا
فکنا جمیعاً مع المھتدی

کاش موت آتی تو ہم سب کو ایک ساتھ آتی آخر ہم سب اس زندگی میں ساتھ ہی تھے

حضرت عمر فاروق

حضرت عمر فاروق خود بھی شعر کہتے تھے اور سخن فہم بھی بڑے تھے اچھے شعر کا ذوق رکھتے تھے اور داد بھی دیتے تھے۔

الم تران اللہ ظھر دینہ
علی کا دین قبل ذالک حائد

کیا نہیں دیکھا تم نے کہ اللہ نے دین کو غالب کر دیا ہر اس دین پر جو اس سے پہلے تھا حق سے بھرا ہوا۔

فاسی رسول اللہ قد عزز نصرہ
واسی عداہ من قتیل و شارد

پس رسول اللہ کو اللہ کی نصرت نے غلبہ بخشا اور ان کے دشمن مقتول ہوئے اور شکست کھا کر بھاگے

وقد بدانا فکذبنا فقال لنا
صدق الحدیث نبی عندالخبر

اور ہم پر آپ نے آغاز تبلیغ کی جس کی ہم نے تکذیب کی تو خبر رکھنے والے نبی نے ہم سے سچ بات کی

وقد ظلمت ابنۃ الخطاب ثمر ھدیٰ
ربی عشیۃ قالو اقدصا عمر

میں نے بنتِ خطاب پر زیادتی کی پھر میرے رب نے اُس شام کو مجھے ہدایت دی لوگوں نے کہا کہ عمر دین سے نکل گیا ہے۔

فقلت اشھد ان اللہ خالقنا
وان احمد فینا الیوم شتھر

تو میں نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ خالق ہے اور احمد مجتبیٰ آج ہمارے درمیان مشہور و متعارف ہیں۔

حضرت زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم ایک رات عوام کے حالات معلوم کرنے گشت پر نکلے دورانِ گشت آپ نے دیکھا کہ ایک گھر میں چراغ جل رہا ہے اور ایک بوڑھی خاتون اون کاتتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہی ہے

علی محمد صلوٰۃ الابرار
صلی اللہ علیہ الطیبون الاخیار
قد کنت قواما بکا بالاسحار
یالیت شعری و المنایا اطوار
ہل تجمعنی و حبیبی الدار

محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کے تمام ماننے والوں کی طرف سے سلام ہو اور تمام متقین کی طرف سے بھی۔ آپ راتوں کو اللہ کی یاد میں کثیر قیام اور سحری کے وقت آنسو بہانے والے تھے ہائے افسوس اسباب موت متعدد ہیں کاش یقین ہو جائے کہ روز قیامت مجھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب نصیب ہو سکے گا۔

یہ اشعار سن کر حضرت فاروق اعظمؓ زار و قطار رونے لگے اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بیقرار کر گئی دروازے پر دستک دی تو خاتون نے اندر سے پوچھا۔ کون ہے حضرت عمر نے جواب دیا عمر بن الخطاب۔ خاتون نے کہا رات کے وقت اس کو یہاں کیا کام۔ آپ نے فرمایا اللہ تجھے جزائے خیر دے ذرا دروازہ تو کھول اُس بوڑھی عورت نے دروازہ کھول دیا آپ اس کے پاس بیٹھ گئے اور کہا مجھے وہ اشعار سنا جو تو پڑھ رہی تھی اس نے وہ اشعار سنائے تو آپ کہنے لگے کہ مبارک اجتماع میں اپنے ساتھ مجھے بھی شامل فرمالے اور یوں کہہ "ہم دونوں کو آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اور ساتھ نصیب ہو اور معاف کرنے والے عمر کو بھی معاف کر دے"۔ بقول قاضی سلیمان منصور پوری حضرت فاروق اعظم اس کے بعد کئی دن تک صاحب فراش رہے۔ (رحمتہ اللعالمین جلد دوم صفحہ نمبر ۲۷۶)

حضرت عثمان غنی

فیا عینی ابکی ولا تسامی
وحق البکاء علی السید

تو اے میری آنکھ آنسو بہا اور نہ تھک اپنے سردار پر آنسو بہانا تو لازم ہو چکا۔

رسول عظیم الشان یتلو کتابہ
لہ کل من یبغی التلاوۃ وامق

وہ عظیم المرتبت رسول اپنی کتاب کی تلاوت فرماتے ہیں جسے جو بھی پڑھنا چاہے اس کا عاشق ہو گیا

محبب علیہ کل یوم حلاوہ
وان قال قولا فالذی قال صادق

وہ محبوب ہیں ان پر ہر روز حلاوت و تازگی ہے اور اگر کوئی بات کہیں تو یقیناً وہ سچی ہے (سیرت ابن اسحاق)۔

حضرت علی مرتضیٰ

وصال پر ملال پر فرمایا۔

لقد غشیتنا ظلمۃ" بعد موتہ
نہاراً فقد زادت علی ظلمۃ الدجی

ان کی موت کے بعد ہم پر ایسی تاریکی چھا گئی جس میں دن، کالی رات سے زیادہ تاریک ہو گیا۔

فیا خیر من ضم الجوانح و الحشا
ویا خیر میت ضمہ الترب والثری

انسانی بدن اور اس کے پہلو جتنی شخصیتوں کو چھپائے ہوئے ہیں ان میں سب سے بہتر آپ ہیں اور آپ ان تمام مرنے والوں میں جن کو خاک نے چھپایا ہے سب سے بہتر ہیں۔

قامنی رسول اللہ قد عز نصرہ
وکان رسول اللہ ارسل بالعدل

رسول اللہ کی تائید و نصرت زوردار ہوگئی اور آپ عدل وانصاف کے ساتھ مبعوث کیے گئے۔

فجاء بفرقان من اللہ منزل
مبینۃ آیاتہ لذوی العقل

وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ فرقانِ حمید لے کر آئے جس کی آیات اربابِ دانش کے لئے روشن واضح ہیں۔

وانک اقوام فزاغت قلوبہم
فزاد اہم ذوالعرش فبلد علی خبل

اور کچھ لوگ ان سے منکر ہوئے تو ان کے دلوں میں کجی آگئی اور رب عرش نے ان کی تباہیوں میں اضافہ کردیا۔ (سیرۃ ابن ہشام)

حضرت فاطمۃ الزہرا

یا خاتم الرسل المبارک صنوۂ
صلی علیک منزل القرآن

اے آخری رسول آپ برکت وسعادت کی جوئے فیض ہیں آپ پر تو قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود وسلام بھیجا

ماذا علی من شتم تربۃ احمد
ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انہا
صبت علی الایام صرن لیا لیا

جس نے قبر رسول کی خاک سونگھ لی اگر وہ زمانے بھر گراں قیمت عطروں اور خوشبوؤں کو نہ سونگھے تو کوئی نقصان کی بات نہیں یعنی میرے لئے وہی خوشبو کافی ہے اور کسی خوشبو سے اب مجھے سروکار نہیں۔

حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب

الا یا رسول اللہ کنت رجاء نا
وکنت بنا براء الم تک جانیا
وکنت رحیما ھادیا ومعلما
لبیک علیک الیوم من کان باکیا

یارسول اللہ آپ ہماری امید اور ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرنے والے تھے بدسلوکی والے نہ تھے آپ مہربان رہنما اور معلم تھے آج آپ پر روئے جو رونے والا ہو میری ماں میری خالہ میرے چچا میرے آباو اجداد میری جان و مال سب کچھ رسول اللہ پر قربان ہوں (شرح مواہب للزرقانی)

بنات مدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن

ہجرت مدینہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر انصار کی بچیوں کا خراج عقیدت

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
ما دعا اللہ داع

ایھا المبعوث فینا

جئت بالامر المطاع

بدر کی گھاٹیوں سے بدر کامل طلوع ہوا۔ ہم پر شکر بجالانا واجب ہوا جب تک خدا کے لئے کوئی دعوت دینے والا دعوت دیتا رہے اے ہمارے درمیان مبعوث ہونے والے آپ وہ حکم لے کر تشریف لائے جس کی اطاعت کی جائے۔

قصیدہ بانت سعاد

دور جاہلیت میں عرب ثقافتی، تہذیبی، مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی طور پر پستی و ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن زبان و ادب اور شعر و شاعری میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں میں بڑے نامور اور قادر الکلام شاعر پیدا ہوئے یہاں تک کہ عورتیں بھی شاعرہ تھیں۔ ہجو گوئی اور قصیدے کے فن میں تو ان کا کوئی ثانی نہ تھا زمانہ قبل از اسلام کے کچھ قصیدے آج بھی عربی زبان کے شاہکار گردانے جاتے ہیں۔ زہیر بھی زمانہ جاہلیت کے نامور شعرا میں شامل تھے۔ ان کا بیٹا کعب بن زہیر بھی شاعر تھا اور ان کا بھائی بجیر بن زہیر بھی شعر کہتا تھا گویا شاعری ان کی خاندانی وراثت تھی۔

صلح حدیبیہ کے بعد بجیر بکریاں اپنے بھائی کعب کے حوالے کر کے حالات کا جائزہ لینے اور نئے مذہب کی دعوت کی حقیقت جاننے مدینہ منورہ چلا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دعوت اسلام سن کر مسلمان ہو گیا اور وہیں قیام پذیر ہو گیا واپسی کا خیال ہی دل سے نکال دیا کعب اپنے بھائی کے قبول اسلام پہ سخت طیش میں آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر کی شان میں گستاخانہ اشعار لکھ کر ایک قاصد کے ذریعے اپنے بھائی بجیر کو بھیجے۔ انہوں نے یہ شعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شعر سن کر سخت ملال اور رنج ہوا اور آپ نے کعب کے قتل کے احکامات صادر فرما دیے۔ کعب مکہ میں مقیم ہو گیا۔ قریش کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی ہجو میں شعر کہا کرتا فتح مکہ کے بعد یہ کہیں اور بھاگ گیا۔ اس کے بھائی بجیر نے پیغام بھجوایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند دشمنان اسلام کو قتل کروایا ہے باقیوں کو معاف کر دیا ہے یہ تو وہ ذات گرامی ہیں

کھا کے اغیار سے پتھر وہ دعا دیتے ہیں
رحمت عام کا پیغام سنا دیتے ہیں

مانگنے والو چلو کاسۂ اُمید لیے

میرے سرکار طلب سے بھی سوا دیتے ہیں

تم بھی مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لو معافی کے خواستگار بنو اپنی تقصیرات پہ ندامت محسوس کرتے ہوئے دربارِ رسالت میں آ جاؤ سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں معاف فرما دیں گے۔ کعب نے بھائی کے مشورے پر عمل کرنے کی بجائے اِدھر اُدھر پناہ کی تلاش شروع کر دی لیکن اُسے کہیں جائے پناہ نہ مل سکی یہاں تک کہ اس کے اپنے قبیلے مزنیہ نے بھی پناہ دینے سے انکار کر دیا اب مجبوراً اس نے بھائی کے مشورے پہ عمل کا فیصلہ کر لیا۔

ایک دن اونٹنی پہ سوار ہوا چہرہ کپڑے سے ڈھانپا اور جانب مدینہ روانہ ہوا۔ مدینہ پہنچ کے اونٹنی کو مسجد نبوی سے باہر باندھا اور سیدھا آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور کہا میں بڑی دور سے آیا ہوں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایئے اور مجھے حلقہ اسلام میں داخل کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لے لی تو پوچھا تم کون ہو کہاں سے آئے ہو ذرا اپنا تعارف تو کروایئے۔

میں کعب بن زہیر ہوں اس نے جواب دیا۔ یہ سن کر ایک صحابی نے تلوار کھینچ لی اور قتل کرنا چاہا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا کہ اب اس نے اسلام قبول کر لیا ہے اس کی سابقہ تقصیرات سب معاف اب اسے امان ہے۔ حضرت کعب نے یہ سن کر حوصلہ پایا اور اطمینان کا سانس لیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا اس کے ارسال کردہ شعر سناؤ ان اشعار میں سے ایک شعر یہ تھا۔ (ترجمہ) اپنے بھائی سے مخاطب ہو کر "تم کو ابوبکر نے لبریز پیالہ پلایا اور مامور (یہ مذمت کے لئے کہا گیا جس کے معنی کسی دشمن کا تابعدار یا ماتحت) نے تمہیں اس پیالے سے خوب سیراب کیا"۔ جب حضرت ابوبکر نے مامور والا مصرعہ پڑھا تو کعب نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مصرع یوں ہونا چاہیے مامون نے تجھے پیالے سے خوب سیراب کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تائید فرمائی کہ مامون ہی درست ہے۔ جب کعب کو اپنی عفو وامان کا

یقین ہو گیا تو عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اجازت ہو ایک قصیدہ پیش کروں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت صادر فرمادی تو اس نے خدمت عالیہ میں اپنا قصیدہ پیش کیا اس قصیدے کو عربی ادب میں "بانت سعاد" کہتے ہیں۔ جب یہ قصیدہ ختم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چادر اوڑھ رکھی تھی وہ حضرت کعب کے کندھوں پر ڈال دی۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعب نے "مھند من سوف الھند مسلول" کہا تھا اس لئے کہ ہندوستان کے لوہے کی تلواریں عرب میں بہت مشہور تھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیوف الھند کی جگہ سیوف اللہ فرما کر اصلاح فرمادی اور اسی شعر پہ خوش ہو کر حضرت کعب کو انعام بطور تحفہ یہ کملی عنایت فرمادی یوں حضرت کعب کی قسمت کا ستارہ بام عروج پہ آ گیا یہ بردیمانی کعب کو کیا عطا ہوئی جنت کی کلید مل گئی۔ ایک مدت تک حضرت کعبؓ کے گھرانہ میں یہ چادر تبرکاً رہی۔ حضرت معاویہ نے اس ردائے مبارک کو دس ہزار درہم کے عوض لینا چاہا مگر حضرت کعب نے عطائے سرکار کے بدلے درہم و دینار پسند نہ کیے۔ بعد میں حضرت کعب کے ورثا نے بعد از وفات حضرت معاویہ کے ہاتھ یہ ردا تیس ہزار درہم میں فروخت کردی۔ یہ ردائے مبارک بنوامیہ کے پاس رہی وہ اسے اوڑھ کر خطبہ دیا کرتے تھے بعد میں خاندان بنوعباس میں رہی پھر ایک روایت کے مطابق فتنہ تاتاریہ میں یہ چادر مفقود ہو گئی لیکن دوسری روایت کے مطابق یہ تاتاریوں کی دست برد سے محفوظ رہی اور دولت عثمانیہ میں چلی گئی اور آج کل یہ چادر مبارک ترکی کے شہر استنبول میں سلطان محمد فاتح کے تعمیر کردہ محل "توپ کاپی" کے کمرہ نمبر 12 میں ایک سونے کے صندوق میں محفوظ ہے۔ اس قصیدہ میں کل ۵۸ شعر ہیں۔

نبئت ان رسول اللہ اوعدنی
والعفو عند رسول اللہ مامول

فقد اتیت رسول اللہ معتذراً
والعذر عند رسول اللہ مقبول

ان الرسول لسیف یستضاء بہ
مہند من سیوف اللہ مسلول

(ترجمہ) مجھے معلوم ہوا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے قتل کی وعید فرمائی ہے اور رسول خدا کے یہاں عفو درگزر کی بھی امید ہے تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں معذرت کے ساتھ حاضر ہو گیا ہوں معذرت رسول اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔ بے شک رسول اللہ ایسی تلوار ہیں اور اس کی چمک سے نور ہدایت عالم میں پھیل رہا ہے۔

شاعرِ دربارِ رسالت

حضرت ابوالولید حسان بن ثابت انصاری متوفی ۵۴ھ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد ایمان لائے انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ ایمان لانے سے پہلے ہی شعر کہتے تھے ایمان لانے کے بعد آپ شاعر دربارِ رسالت بن گئے اپنی زندگی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی اور حمایت میں شعر لکھنے کے لئے وقف کر دی قریش جب اسلام دشمنی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں شعر کہتے تو اس کا جواب حضرت حسان بن ثابت اس خوبصورتی اور ماہرانہ طور پر شعر کی زبان میں دیتے کہ آپ کی قادرالکلامی مسلم ہو جاتی شعر حسنِ تخیل، ارفع مضمون اور برموقع الفاظ کے استعمال سے آپ کا شعر ادبی شاہکار بن جاتا۔ قریش سے اس پائے کا شعر اور جواب نہ بن پاتا اور قریش کو خاموشی اختیار کرنا پڑتی ادبی اور شعری میدان میں بھی حضرت حسان کے موزوں، برمحل شعری جواب سے وہ ادبی میدان میں بھی پسپائی اختیار کر لیتے۔ حسان کی قادرالکلامی فنِ شعر میں کمال اور زبان کے استعمال میں مہارت اُن کا سکہ بٹھا دیتی۔ زبان، الفاظ اور تخیل پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ وہ مشرک قریشیوں کی ہجو گوئی میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو انتہائی فنکارانہ طور پر بڑی خوبصورتی سے الگ کر لیتے کیونکہ آپ بھی انہی کے خاندان سے ہی تھے۔ جس پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسان ابن ثابت سے پیار کرتے ان کی عزت افزائی کرتے ہمیشہ بلند معاشرتی مقام دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب حسان حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اہم ترین مدوحین میں سے تھے

واحسن منک لم تر قط عینی

اے اللہ کے محبوب! کسی آنکھ نے آج تک تجھ سا حسین نہ دیکھا ہے، نہ دیکھے گی۔

واجمل منک لم تلد النسا

اور کسی عورت نے تجھ سا زیادہ جمیل بچہ پیدا نہیں کیا

خلقت مبرأ من کل عیب

تجھے ہر عیب سے پاک اور مبرا پیدا کیا گیا

کانک قد خلقت کما تشاء

گویا آپ کو خود آپ کی منشاء کے مطابق پیدا کیا گیا

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت کے لئے مسجد نبوی میں منبر رکھواتے تا کہ اس پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مفاخرہ کریں یعنی آپ کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت کریں کفار کے الزامات کا جواب دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے حق میں یہ دعا بھی فرمایا کرتے تھے کہ "حق تعلیٰ جل شانہ، روح القدس سے حسان کی امداد فرمائے جب تک وہ دین کی امداد کرتے ہیں"۔ (شمائل ترمذی)

حضرت حسان کے مقدر پہ نثار جائیں کہ کیا مرتبہ ومقام ملا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں خود منبر پہ بٹھاتے اور خود سامنے صحابہ کرام میں بطور سامعین شامل ہو کر زمین پہ بیٹھتے یہ مرتبہ بلند ہر ایک کے حصے میں کہاں

جسے چاہا در پہ بلا لیا

جسے چاہا اپنا بنا لیا

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے

یہ بڑے نصیب کی بات ہے

آپ کے اشعار اور قصیدے عربی ادب میں دیوانِ حسان کے نام سے موجود ہیں آپ کے اشعار سیرت ابن ہشام میں بھی درج ہیں۔

قصیدہ بردہ شریف

سرکارِ دوعالم، رہبرِ اعظم، شافع محشر، محبوبِ خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت آپ کی ذاتِ اقدس سے عقیدت مسلمانوں کا جزوِ ایمان ہے۔ بے شک یہی محبت و عشق دین کی اساس ہے۔ دینِ اسلام کا محور ہے اور نجات کی ضمانت ہے۔ نعت گوئی بھی اِسی محبت و عقیدت کا اظہار ہے صحابہ کرام اولیائے عظام اور صالحین اُمت اِس محبت سے سرشار تھے اور یہی محبت اُن کے لئے وجہ افتخار اور باعثِ فخر واعزاز رہی۔

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ مرکزی نکتہ ہے جو تفرقہ بازی کا توڑ ہے اس میں کالے، گورے، عربی، عجمی، شاہ و گدا کی کوئی تمیز نہیں سب مدحت سرا اور ثناخوانِ رسولؐ ہیں۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بیٹھنے والوں میں سے نعت خوانوں کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے۔ شاعر دربارِ رسالت حضرت حسّان کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ دربارِ رسالت میں انہیں ایک بلند مقام حاصل تھا۔ عربی زبان میں نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک گرانقدر ذخیرہ موجود ہے۔ حضرت حسّان سے علامہ بوصیری صاحب قصیدہ بردہ تک ہزاروں قصائد لکھے گئے قصیدہ بردہ شریف کو عالمگیر شہرت ملی۔ یہ قصیدہ ایک عاشقِ صادق کی دل کی گہرائیوں سے نکلی ایک صدا ہے۔ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے جب درد و سوز میں ڈوبی یہ فریاد شعروں کے قالب میں ڈھلی تو بارگاہِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں باریاب ہوگئی۔ تمام تقصیرات معاف ہوئیں درجات بلند ہوئے مرض سے شفا ملی دنیائے اسلام میں بوصیری کو وہ مقام ملا کہ کم کم کو نصیب ہوتا ہے اور اُس کی تصنیف و تالیف وظائف میں شامل ہوگئی۔ یہ قصیدہ بردہ شریف مشہور عربی شاعر محمد شرف الدین بوصیری کی تخلیق ہے اس تخلیق کا اصلی اور پورا نام جو شاعر نے خود دیا وہ ''الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ'' ہے لیکن مشہور قصیدہ بردہ کے نام سے ہوا اور یہی نام تاریخ کا حصہ بن گیا۔ آپ کا پورا نام شرف الدین ابو عبداللہ محمد بن سعید بن حماد بن عبداللہ منہاجی تھا۔ ابو عبداللہ کنیت اور شرف

الدین لقب تھا۔ آپ کی پیدائش دلاس میں یکم شوال ۶۰۸ھ بمطابق ۷ مارچ ۱۲۱۳ء میں ہوئی اِسی لئے بعض تذکرہ نگار انہیں دلاسی لکھتے ہیں لیکن آپ کو شہرت والد کے شہر سکونت قصبہ بوصیر کی وجہ سے بوصیری کے نام سے ملی۔ آپ نسلاً عرب نہ تھے بلکہ آپ کا خاندان بربر قومیت کی معروف شاخ بنوجنون سے تھا جو صہناجہ قبیلہ کا ایک حصہ تھا۔ اِسی لئے آپ کو صہنحاجی بھی کہتے ہیں آپ کا مرکزی نام محمد بن سعید ہے۔ آپ عید کے پرمسرت موقع پر پیدا ہوئے اور والد نے اپنے فرزند کا نام محمد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پہ رکھا۔ صرف تیرہ سال کی عمر میں شرف الدین محمد نے بوصیر سے قرآن مجید حفظ کیا پھر مزید تعلیم کے لئے قاہرہ چلے گئے وہاں علم تفسیر، حدیث، سیرت، فقہ، تاریخ ونعت، معانی وعروض اور ادبیات کے علم حاصل کیے۔ ابتدائی عمر سے ہی شعر وادب سے لگاؤ پیدا ہو گیا۔ فنِ خطاطی میں بھی مہارت حاصل کی اور اِسے بطور روزگار بھی اختیار کیا۔ قصیدہ بردہ تحریر کرنے کے بعد عشقِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم فزوں تر ہو گیا۔ اِس عشق کی تسکین کے لئے کافی عرصہ مکہ اور مدینہ بھی قیام پذیر رہے۔ امام بوصیری نے یہ قصیدہ کہاں بیٹھ کے لکھا اِس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک قاہرہ بعض کے نزدیک مکہ اور بعض اِسے مدینہ کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ مستشرقین میں سے نکلسن اور آربری بھی جلالتِ شان اور شاعری میں قادرالکلامی کے معترف ہیں۔ بوصیری نے سلسلہ شاذلیہ میں بیعت کی آپ کے مرشد کا نام ابوالعباس احمد المرسی جو مشہور ولی اللہ صوفی اور درویش تھے یہ زیادہ تر سکندریہ میں مقیم رہے اور یہیں وفات پائی۔ مرشد کا قُرب حاصل کرنے کی خواہش میں بوصیری بھی سکندریہ پہنچے آخری ایام یہیں مرشد کے مزار پر گزارے اور یہیں ۱۲۹۵ء میں وفات پائی۔ آپ مسلک کے لحاظ سے شافعی فقہ کے مُقلد تھے۔ امام بوصیری کے مزار پر حاضرین اور زائرین ایک مخصوص لَے میں قصیدہ بردہ شریف کا وظیفہ کرتے ہیں۔

اِمام بوصیری نے اپنی تصنیف میں سالِ اشاعت کا کہیں ذکر نہیں کیا لیکن محققین نے اِس تخلیق کا سالِ اشاعت ۶۹۰-۶۵۹ھ قرار دیا ہے۔ اِس قصیدہ کے اشعار کی تعداد 160 سے 162 تک ہے

باقی اشعار متنازعہ ہیں جو کہ عقیدت مندوں اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدتاً اور سعادتاً شامل کیے۔

بردہ سے مراد لغت کے مطابق دھاریدار چادر یا اونی کپڑا ہے جسے دِن کے وقت بطور چغہ اور رات کے وقت بطور کمبل استعمال کیا جاتا ہے۔ بردہ نام کو شہرت اُس وقت ملی جب حضرت کعب نے قصیدہ ''بانت سعاد'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لکھ کر دربار رسالت میں پیش کیا اور آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کمبلی اوڑھ رکھی تھی خوش ہو کر حضرت کعب کو عنایت کردی اور یہ قصیدہ ''بردہ'' کے نام سے مشہور ہوا۔ تفصیل حضرت کعب کے ذیل میں آچکی ہے۔ اور یوں بردہ کو شہرت ملی۔

امام بوصیری پر فالج کا حملہ ہوا اور نیچے کا نصف دھڑ مفلوج ہو گیا حکیموں نے جواب دے دیا کوئی علاج کارگر نہ ہوا جب امام بوصیری مایوس ہو گئے تو ایک ہی چارہ باقی رہ گیا کہ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر نعت لکھیں لہٰذا شافع اعظم، رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا اور اُن کے حضور نعتیہ قصیدہ نذرانہ کیا قصیدہ مکمل کرنے کے بعد باری تعالیٰ کے حضور دستِ دعا دراز کیا اور اللہ تعالیٰ کے محبوب کی ثنا خوانی کو وسیلہ و واسطہ بنایا۔ جب کوئی چارہ نہ رہے تو یہ چارہ گر تو موجود ہے رات کو سوئے خواب میں دیکھا کہ آقائے دوجہاں رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ مصنف زیارت سے مشرف ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مفلوج حصہ پر دستِ شفا پھیرا اور اپنی کمبلی بوصیری پر ڈال دی۔ بوصیری صبح بیدار ہوئے تو کمبل کو پاس پایا اور اپنے آپ کو تندرست و شفایاب پایا فالج کا نام ونشان نہ تھا۔ اسی معجزہ کی وجہ سے قصیدہ کو شہرتِ دوام مل گئی عاشق اِس قصیدہ کے حافظ بن گئے اور اسے حفظ کرنا بابرکت عمل اور سعادتِ دارین سمجھا جانے لگا۔ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عقیدت و برکت کے لئے پڑھتے ہیں ہمارے ہاں بھی قاری خوشی محمد الازہری نے ٹیلی ویژن پر دف کی سنگت پہ پڑھا اور پروفیسر رؤف احمد روفی نے بھی پرکیف وجد آفریں انداز میں ٹیلی ویژن پر پیش کیا۔

جب بوصیری پر فالج کا حملہ ہوا تو اُن کی دماغی حالت اور قوتِ متخیلہ بحال رہی اِسی لئے انہوں نے فالج کی حالت میں اِسے تخلیق کیا۔ اندر سے دل کی گہرائیوں سے ایک ہوک اٹھی سوزِ دروں بھی شامل تھا جب دل کی گہرائیوں سے کوئی التجا کی جائے تو کیسے وہ شرف باریابی حاصل نہ کرے ایسی کیفیت میں جب لجپال ذات کو پکارا جائے تو وہ چارہ سازی کو کیوں نہ پہنچیں بات خلوص اور صدق کی ہے۔ چنانچہ یہ قصیدہ بُردہ امام بوصیری کے دکھی دِل کی آواز تھی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سماعت فرمائی اور شاعر کے درد کا درمان اُس کی حالتِ نیند میں ہی کر دیا۔

اِمام بوصیری نے اِس قصیدہ کی وجہ تخلیق اور اپنی شفا کے بارے میں یُوں تحریر کیا ہے۔

''مجھ پر فالج کا حملہ ہوا جسم کا نصف حصہ مفلوج ہو گیا علاج معالجہ سے افاقہ نہ ہوا ہر جانب سے مایوس ہو کر درِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانے کی امنگ اٹھی اور آخری سہارے کے طور پر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کے حوالے سے موذی مرض سے چھٹکارا پانے کے لئے دربارِ رسالت میں معروضات پیش کرنے کی ٹھانی چنانچہ قدرت کے فیضان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے میرے جذبات قصیدہ کے روپ میں ڈھلتے گئے اسی تخلیق کو وسیلہ بنا کے گڑگڑا کر صحت کے لئے دُعا مانگی آنکھوں میں آنسو آ گئے اپنی بے بسی لاچاری و مجبوری کو شعروں کے قالب میں ڈھالا اور خدمتِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بطور نذرانہ پیش کیے آخر نیند نے چادر تان دی خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ رحمت میرے مفلوج حصہ پر پھیرا۔ میرے جسم کا رواں رواں جھوم اٹھا کیونکہ دستِ رحمت کے چھونے سے میں قطعی طور پر صحت یاب ہو چکا تھا اور ایسا لگا جیسے مجھے کوئی مرض لاحق ہی نہ تھا۔ بے پایاں مسرت اور خوشی ہوئی بیدار ہوا تو شاداں و فرحاں تھا۔ عجیب قسم کی سرشاری تھی تشکر میں جھک گیا علی الصبح سیر کی غرض سے نکلا ابھی میں نے ساری صورتِ حال سے کسی کو بھی آگاہ نہیں کیا تھا کیونکہ صحت یاب ہو کر بیدار ہونے کے بعد مجھے کوئی ایسا فرد نہ ملا تھا جس سے یہ سب کچھ بیان کرتا۔ گھر سے چند قدم کے فاصلے پر ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی سلام دعا کے بعد انہوں

نے فرمایا مجھے آپ کا قصیدہ چاہیئے میں نے عرض کیا کہ میں نے تو کئی قصیدے لکھے ہیں آپ کو کونسا قصیدہ درکار ہے تو وہ گویا ہوئے کہ مجھے وہ قصیدہ چاہیئے جو آپ نے بیماری کی حالت میں تخلیق کیا اور اُس کا پہلا مصرعہ "امن تذ کر جیر ان بذی سلم" ہے۔ مجھے حیرانی ہوئی کہ میں نے اس قصیدہ کا کسی سے ذکر نہیں کیا اِن بزرگ کو کیسے پتہ چل گیا جب اُن سے اپنی حیرانی اور تعجب کا ذکر کیا تو وہ فرمانے لگے کہ رات جب بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کا قصیدہ پیش کر رہے تھے تو سامعین میں یہ فقیر بھی شامل تھا اور اِس کی سماعت کی سعادت مجھے بھی حاصل ہوئی ہے انہوں نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ وہ لمحے میرے لئے ناقابل فراموش ہیں کہ اِس قصیدہ میں کچھ اشعار ایسے بھی آئے جن کی سماعت پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسرت سے جھوم جھوم جاتے جس طرح پھل دار درخت کی ثمر دار شاخیں بادِ نسیم کے چلنے سے ہوا میں لہریں لیتی ہیں یہ سن کر قصیدہ کی نقل میں نے انہیں پیش کر دی اور اس کے بعد اِس کا ذکر خوشبو کی طرح چاروں طرف فضا کو معطر کرنے لگا"۔ (ص ۲۰۹ جلد ۲ فوات الوفیات)

اِس کے بعد قریبی لکھے گئے تذکروں اور ادبی تاریخوں میں المقریزی م ۸۴۵ھ، علامہ ابن شاکر کتبی م ۸۶۴ھ اور ابنِ قفری بردی م ۸۷۴ھ نے اِس واقعہ کو اُسی انداز میں بیان کیا ہے جس طرح اِمام بوصیری نے یہ قصیدہ رقم کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے مکمل طور پر صحت یاب ہونے اور صبح سویرے ایک بزرگ کے ملتے ہی قصیدہ طلب کرنے کے واقعات بیان کیے ہیں۔ وہ بزرگ کون تھے اِس قصیدہ کے بارے میں لکھے گئے تمام لٹریچر میں یہ بات مکمل تصریح کے ساتھ موجود ہے کہ یہ بزرگ شیخ ابوالرجا الصدیق تھے۔

بردہ نام کی وجہ تسمیہ

اِس نعتیہ قصیدہ کے نام بُردہ کے بارے میں مختلف محققین کی مختلف آراء ہیں بعض کے نزدیک بردہ عربی لغت میں دھاریدار کپڑے کو کہتے ہیں چونکہ اِس قصیدہ میں مختلف النوع اور رنگا رنگ مضامین ہیں اس لئے اِس قصیدہ مبارکہ کا نام قصیدہ بُردہ پڑا۔

عطر الوردہ میں ہے کہ سعد الدین فاروقی کو جب آشوبِ چشم کا مرض لاحق ہوا تو سعد الدین کو خواب میں ایک بزرگ ملے اور انہوں نے کہا کہ بہاؤالدین کے پاس جا اور قصیدہ بردہ لیکر آنکھوں سے لگا تو فوراً صحت یاب ہو جائے گا۔ سعد الدین فوراً اپنے حاکم بہاؤالدین وزیر کے پاس گیا اور اپنا خواب بیان کیا۔ بہاؤالدین وزیر نے فرمایا کہ میرے پاس بردہ نام کا کوئی قصیدہ نہیں البتہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نعت مقبول میرے پاس ہے اس سے اللہ تعالیٰ مریضوں کو شفا دیتا ہے اور وہ قصیدہ نکال کر آنکھوں کو لگایا اور سنایا اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے شفا عطا فرما دی اِس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ اِس قصیدہ مبارکہ کا نام تو عالم ارواح میں اولیائے کرام کے اندر مشہور تھا لیکن بہاؤالدین کو اس کا علم نہ تھا وہ اِس قصیدہ کو نعت ہی سمجھتا تھا۔

بُردہ کا ماخذ بَرد ہے جس کے معنی راست کردن کے ہیں چونکہ اِس کے پڑھنے سے قلب میں برودت اور صفائی پیدا ہوتی ہے اِس لئے اِسے قصیدہ بردہ کہا گیا۔

ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے اور یہی زیادہ ثقہ اور زبان زدِ عام ہے کہ جب یہ قصیدہ خواب میں بوصیری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو ساقی کوثر، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بُردِ یمانی اُن پر ڈال دی اور اُن کو صحت کاملہ مِل گئی یہی وجہ زیادہ مشہور ہے اور اسی پر بیشتر محققین کا اتفاق ہے۔
پہلا قصیدہ بُردہ قصیدہ بانت سعاد ہے جو کعب بن زہیر کی تخلیق ہے اور انہیں کملی عطا ہوئی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ اب تبرکاً کچھ اشعار پیش ہیں

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْأَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

قصیدہ بردہ کی برکات

قصیدہ بردہ بہت جلد ہی مشہور ہوگیا۔ اِس کی شہرت دربار تک بھی پہنچی۔ چنانچہ وزیر اعظم بہاؤ الدین ابن الحنا نے بھی امام بوصیری سے نقل حاصل کی۔ وہ ہمیشہ ننگے پاؤں کھڑے ہوکر اس قصیدہ کو سنتے اور اِس قصیدہ سے فیوض و برکات حاصل کرتے اور اپنی مشکلات پر اِس قصیدہ کی برکت سے قابو پالیتے۔ (کشف الظنون صفحہ ۲۹ جلد ۲)

پروفیسر فضل احمد عارف نے قصیدہ بردہ پر بہت تحلیقی کام کیا ہے انہوں نے ایک کتاب کمالات بردہ بھی لکھی۔ اِس کتاب میں وہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ وزیر اعظم کے فرمان نویس سعد الدین فاروقی کو آشوب چشم کا مرض لاحق ہوگیا۔ مرض اتنا بڑھا کہ نابینا ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا تمام آنکھوں کے معالجین عاجز آ گئے۔ سعد الدین گھبرا گئے۔ بصارت سے محروم ہونے کے تصور سے انسان کانپ جاتا ہے۔ سعد الدین فاروقی بارگاہِ رب العزت میں حضور پاکؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنا کر زارو قطار روئے۔ خواب میں بشارت ہوئی کہ وزیر اعظم بہاؤ الدین سے ملو اُن کے پاس قصیدہ بردہ ہے لیکر آنکھوں کو مس کرو یقیناً شفا ہوگی اُنہوں نے ایسا ہی کیا اللہ رب العزت نے قصیدہ بردہ کی برکت سے انہیں شفا نصیب فرمائی۔

علمائے دیوبند میں سے علامہ حسین احمد مدنی ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں وہ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں کہ میرے عقیدت مند حبیب الرحمٰن سیوہاروی کی نواسی کی بینائی جاتی رہی انہوں نے حضرت علامہ کو دعا کے لئے لکھا۔ علامہ نے انہیں جواباً لکھا کہ باوضو ہوکر بردہ شریف کا یہ شعر پڑھ کر آنکھوں پر پھونک ماریں اور یہ عمل دن میں سات بار دہرائیں۔ شعر یہ ہے

كَمْ اَبْرَاَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُهُ

وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِّنْ رِبْقَةِ اللَّمَمِ

ملا عبد الحامد بدایونی نے اپنا ذاتی واقعہ بیان کیا ہے جو منتخب التواریخ کے صفحہ ۵۴۶ جلد ۲ میں بیان کیا

ہے اسی طرح سید عبدالحیٔ حسنی بریلوی نے تاریخ فرشتہ کے حوالے سے ایک تاریخی واقعہ بیان کیا ہے طوالت کے خوف سے پوری تفصیل ممکن نہیں غرض یہ کہ اِس قصیدہ کا ہر شعر مختلف برکات کا حامل ہے۔ اولیا اللہ نے اس قصیدہ پڑھنے کے باقاعدہ آداب مقرر کیے ہیں جو کہ اُن کے تجربات مشاہدات میں ذاتی طور پر آئے ہیں۔ اِس قصیدہ سے پہلے اور آخر میں درودشریف اور درودشریف بھی وہی جو اس قصیدہ میں ہے اس کے سوا اور کوئی درود نہ ہو یہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کا ذاتی تجربہ اور وظیفہ ہے۔

اِمام غزنوی اِس قصیدہ مبارکہ کو ہر رات پڑھا کرتے غرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مقصود تھی یہ قصیدہ ایک مدت تک پڑھا مگر مراد بر نہ آئی اور خواہش ناتمام رہی آخر انہوں نے اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ اس میں کیا راز ہے مرشد نے جواب دیا شاید تجھ سے اِس کے آداب میں کوتاہی ہوئی ہے علامہ غزنوی نے عرض کیا نہیں حضور میں تو پورے اہتمام اور توجہ سے پڑھتا ہوں تو اُن کے شیخ نے مراقبہ کیا اور فرمایا غزنوی زیارت نہ ہونے کی وجہ معلوم ہوگئی یہ راز مجھ پہ منکشف ہو گیا کہ تم وہ درود نہیں پڑھتے جو امام بوصیری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قصیدہ کو سناتے وقت پڑھا تھا۔

اِس کے اشعار حصول برکت کے لئے اہم اسلامی عمارتوں کی دیواروں پر منقش تحریر کیے گئے بعض بزرگوں کے تجربہ اور ذاتی مشاہدہ کے مطابق جادو ٹونہ اور بد اثرات سے بچنے کے لئے یہ قصیدہ اکسیر کا درجہ رکھتا ہے۔ اکثر بزرگوں کا قصیدہ بردہ کا ورد مخصوص حالت اور انداز میں بڑی عقیدت سے پڑھنا معمول کا وظیفہ رہا ہے۔

کتابیات

☆ سیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی

☆ قصے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے — پروفیسر خالد پرویز

☆ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم — پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

☆ صحابہ کا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم — صوفی محمد اکرم رضوی

☆ صحابہ کرام اور عشق کے تقاضے — علی اصغر چوہدری

☆ نعتِ کائنات — راجا رشید محمود

☆ اقلیم ششماہی نعت انتخاب نمبر — مدیر: اکرم کلیم

☆ مشتاقانِ جمالِ نبوی کی کیفیات جذب و مستی — مولانا محمد خاں قادری

☆ ضیاء النبی — پیر کرم شاہ الازہری

☆ النبی الخاتم — مناظر احسن گیلانی

☆ بیس بڑے مسلمان — عبد الرشید ارشد

☆ دس بڑے مسلمان — شیخ محمد اسمٰعیل

☆ زندگیاں صحابہ کی — ڈاکٹر عبد الرحمٰن رفعت پاشا

☆ بلال بن رباح — عباس محمود العقاد

☆ تاریخِ اسلام — سید عبد القادر

☆ تاریخِ اسلام — جسٹس امیر علی

☆ تاریخ ابن خلدون — علامہ عبد الرحمٰن بن خلدون

☆ تذکارِ رسالت — پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

☆ ایمان کا محور و مرکز ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم — پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

☆ سیرت ابن ہشام — مترجم: علامہ غلام رسول مہر
☆ تاریخِ اسلام — سید سلیمان ندوی
☆ سیرت النبی — علامہ شبلی نعمانی
☆ طبقات ابنِ سعد اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم — مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی
☆ حکایات صحابہ — محمد زکریا
☆ اسوۂ صحابہ — عبدالسلام ندوی
☆ زلف وزنجیر — ارشد القادری
☆ عباسی حکومت کے خلاف حبشی غلاموں کی بغاوت — شاہدہ حبیب
☆ شانِ حبیب الرحمٰن من آیات القرآن — مفتی احمد یار خاں نعیمی
☆ سیرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم — عبدالمصطفیٰ محمد اشرف نقشبندی
مجدی لاثانوی
☆ الشفاء (حصہ اول دوم) — قاضی عیاض مالکی
مترجم: مفتی غلام معین الدین نعیمی
☆ رحمت اللعالمین — قاضی سلیمان منصور پوری
☆ سیرت النبی کا انسائیکلوپیڈیا — محمد مسعود، محمد الیاس عادل
☆ عہد رسالت میں نعت — ارشاد شاکر اعوان
☆ قصص الرسول سیرت کی کہانیاں — ریاض احمد
☆ درِ یتیم — ماہر القادری
☆ شانِ محمد — عابد احمد میاں
☆ سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر
☆ نقوش — مدیر: محمد طفیل

☆ صحیح مسلم شریف

☆ صحیح البخاری — محمد بن اسمٰعیل بخاری، ترجمہ: علامہ وحید الزمان

☆ جامع ترمذی — ابو عیسیٰ ترمذی، مترجم: نائب حسین

☆ موطا امام مالک

☆ ابوداؤد

☆ نسائی

☆ مسند ابن حنبل

☆ سنن ابن ماجہ

☆ حضور پاک کا جلال و جمال — میجر ریٹائرڈ امیر افضل خان

☆ مدارج النبوہ — عبدالحق محدث دہلوی

☆ تاریخ طبری — علامہ ابن جریر طبری

☆ تفہیم القرآن تفسیر — ابوالاعلیٰ مودودی

☆ مشکوٰۃ شریف — مترجم: عبدالحق محدث دہلوی

☆ اسد الغابہ

☆ ضیاء القرآن تفسیر — پیر کرم شاہ الازہری

☆ تفسیر نعیمی — مفتی احمد یار خاں نعیمی

☆ روزگار فقیر — وحید الدین فقیر

☆ نقشِ اقبال — صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

☆ فکر اقبال — ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

☆ روحِ اقبال	یوسف حسین
☆ انوارِ اقبال	بشیر احمد ڈار
☆ رسولِ رحمت	ریاض احمد سید
☆ ذکرِ جمیل	محمد شفیع اوکاڑوی
☆ الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین	محمد شفیع اوکاڑوی
☆ سیرت سرورِ عالم	سید ابوالاعلیٰ مودودی
☆ سید الانبیاء کی مبارک مجلسیں	علی اصغر چوہدری
☆ الامین	محمد رفیق ڈوگر
☆ محمد سید الکونین	معراج الدین
☆ حضرت ابوایوب انصاری	طالب ہاشمی
☆ عشرہ مبشرہ	مکتبہ: دار الفرقان دہلی
☆ عبداللہ بن زبیر	طالب ہاشمی
☆ جنید بغداد	ڈاکٹر حسن القادر
☆ غلامانِ محمد	محمد احمد پانی پتی
☆ اسلام کے نامور فرزند	نظر زیدی
☆ صحابیات	نیاز فتح پوری
☆ حضرت ابوذر غفاری	عبد الحمید
☆ امام مالک	عبید اللہ قدسی
☆ خواتینِ اسلام	انتظام اللہ
☆ خالد بن ولید	جنرل محمد اکبر خاں
☆ عبد الرحمٰن بن عوف	فضل بن احمد